رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان پر مایہ ناز تصنیف

خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی

اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی

اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان پر مایہ ناز تصنیف

خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مؤلف:
مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاھد العطّاری القادری
شاہ جمال آستانۂ عالیہ جھلار شریف

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اُردو بازار لاہور
Ph: 37352022

نام کتاب	:	خاندانِ مصطفیٰ ﷺ
مصنف	:	مولانا عبد المصطفیٰ محمد مجاہد العطاری القادری شاہ جمال آستانہ عالیہ جھلار شریف
پبلشرز	:	اکبر بک سیلرز
تعداد	:	600
قیمت	:	

انتساب

شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، رؤف الرحیم، سراجِ منیر

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے خاندان کے

افراد

کے نام

اسم احمد کا وظیفہ ہے ہر اک غم کی دوا
لاکھ خطرے ہوں اسی نام سے ٹل جاتے ہیں
اپنی آغوش میں لے لیتا ہے جب ان کا کرم
زندگی کے سبھی انداز بدل جاتے ہیں

فہرست

میزانِ حروف

ایں سعادت نیست کہ حسرت بردبراں
جو پائے تخت قیصر و ملک سکندری

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بابرکت اور مقدس نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی زیادہ مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا ہے نیز آقائے دو جہاں، شفیع المذنبین، سرورِ کائنات، فخر موجودات حضور پرنور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر اُن کی آل پر لامحدود درودِ پاک کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی جلالت شان اور کمالات نبوت خود اللہ تعالیٰ کے کلامِ مبین میں ہے۔

محمد حامد حمدِ خدا بس
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب اور ہمارے پیغمبر حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام انبیاء و رسل میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا ہے، آپ ﷺ کو

سیدالانبیاء قرار دیا اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس لیے اہلِ عالم کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی تعریف خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا○ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ط

(سورہ فتح: ۲۸_۲۹)

ترجمہ: "وہ (اللہ) ایسا ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر (دنیا میں) بھیجا ہے تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔"

(بیان القرآن)

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (آل عمران: ۱۶۴)

ترجمہ: ”حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔“ (بیان القرآن)

نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی ذات کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی پر آج تک بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں یعنی جب سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا ہے تب سے لے کر آج کے زمانہ تک ہر قرن، ہر علماء نے اپنی اپنی زبانوں میں آپ ﷺ کے حالاتِ زندگی بیان کئے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اب تک کتنی غیر محصور کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں اور آگے کتنی منظرِ عام پر آنے والی ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم نے بھی ہزاروں کی تعداد میں آپ ﷺ کے حالاتِ زندگی بیان کئے ہیں۔ ایک یورپین سیرت نگار آپ ﷺ کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”محمد ﷺ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔“

(از سیرت النبی ﷺ)

قرآنِ کریم کی بے شمار آیاتِ مبارکہ اور احادیث مبارکہ اس امر پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اللہ تبارک و تعالیٰ اور آپ ﷺ کی

تعلیمات اور سنتوں کا اتباع ہی انسان کی مکمل اصلاح کا نسخۂ اکسیر اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک مثالی نمونہ بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ، ہر معاملات، ہر دور، ہر حال میں اور عبادات و معاملات و معاشرت نیز عادات میں اس نمونے کے مطابق خود کو ڈھالیں اور دوسروں کو اس طرزِ عمل اپنانے کی فکر کریں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کا مطلب یہی ہے گویا رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور شمائل ایک حیثیت سے قرآنِ مجید ہے۔

اس لیے ہر زمانے کے علماء نے ہر زبان میں رسول اللہ ﷺ کے شمائل و خصائل کو مختصر اور مفصل مستقل رسالوں اور کتابوں کی صورت میں جمع فرما دیا ہے جو کہ ایک حیثیت سے پوری تعلیماتِ نبویہ کا خلاصہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن آقائے دو جہاں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی تلاوت سناؤ، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور (ﷺ) قرآنِ مجید تو آپ (ﷺ) پر ہی نازل ہوا ہے اور آپ ﷺ ہی کو سناؤں؟ اس پر نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے سنوں۔ اس پر میں نے امتثال امر میں شروع کیا اور سورۂ نسا کی تلاوت شروع کی جب میں اس آیت مبارکہ میں پہنچا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ط (سورۃ النساء۔آیت:۴۱)

ترجمہ: ”سو اس وقت کیا حال ہوگا جب کہ ہر ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر (جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے) گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے۔“

تو میں نے آقائے دو جہاں شفیع المذنبین رسولِ اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی ہیں۔

(شمائل ترمذی)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کے فقر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

- ”میرے رب نے مجھ سے کہا کہ اے نبی اگر تم چاہو تو تمہارے لیے وادی مکہ کو سونے کی بنا دیا جائے، میں نے عرض کیا کہ نہیں پروردگار، میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں، جس دن بھوکا رہوں تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں دل کی گہرائیوں سے تیرا شکر اور تیری تعریف بیان کروں۔“ (فتح الباری، مدارج النبوۃ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی پاک ﷺ کی زیارت ہوئی تو میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑا۔ ایک

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لیا اور فرمایا۔ اے عقبہ! میں تجھے نہ بتادوں کہ دنیا اور آخرت کے اخلاق فاضلہ کیا ہیں۔ (پھر فرمایا) تم اس سے جوڑ رکھو جو تم سے توڑ رکھے۔ اور جو تم کو محروم کرے نہ دے، تم اسے دو۔ جو تمہیں تکلیف پہنچائے تم اسے معاف کرو۔

(شرح السنۃ ج ۳ ص ۱۱۳، مجمع الزوائد حاکم ج ۸ ص ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مکارم اخلاق (اخلاق حسنہ کے بلند پایہ اعمال) یہ ہیں۔

جو تکلیف دے اسے معاف کرو۔ جو تم سے لڑے تم اس سے جوڑ رکھو۔ جو تم کو محروم رکھے۔ تم اس کو نوازو۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ

(اتحاف السادۃ ج ۷ ص ۳۱۸)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ہے کہ حسن اخلاق کے بلند پایہ اعمال یہ ہیں۔ توڑ رکھنے والوں سے جوڑ، محروم کر دینے والوں کے ساتھ دینے کا معاملہ، گالی دینے والوں کو معاف کرنا۔ (اتحاف ج ۷ ص ۳۱۸)

عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ برابر مغموم رہتے تھے، کسی وقت بھی آپ ﷺ کو چین نہ تھا (یہ کیفیت فکر آخرت سے تھی) اور دن میں ستر یا سو بار استغفار فرماتے تھے، میں کہتا ہوں کہ یہ یا تو تعلیم امت کے لیے تھا یا خود امت کے لیے مغفرت طلب کرنا مقصود تھا، یا یہ وجہ تھی کہ آپ دریائے قرب وعرفان میں مستغفرا رہتے تھے اور آناً فاناً ترقی کرتے رہتے تھے کیونکہ تجلیات متجدد ہوتی رہتی ہیں اور تجلی حسب استعداد محل تجلی کے ہوتی ہے اور آپ ﷺ کی استعداد برابر متزائد ہوتی جاتی

تھی اس لیے تجلیات بھی

لاتقف عند حد

"جن کی کوئی غایت نہ ہو۔"

فائز ہوتی تھیں پس جب مرتبہ مابعد کو اعلیٰ دیکھتے تھے تو اپنے کو مرتبہ ماقبل کے اعتبار سے تقصیر کی طرف سے منسوب فرماتے۔ (نشر الطیب)

امر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا اسم صفت "اول" کیسے ہے؟ تو یہ اولیت اسی بنا پر ہے کہ آپ ﷺ کی تخلیق، موجودات میں سب سے اول ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللهُ نُوْرِیْ

"اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔"

یہ کہ آپ ﷺ مرتبہ نبوت میں بھی اول ہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔

کُنْتُ نَبِیًّا وَّاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِهٖ

"میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم اپنے خمیر میں ہی تھے۔"

یہ کہ آپ ہی روزِ میثاق سارے جہان سے پہلے جواب دینے والے تھے۔

چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

"کیا میں تمہارا رب نہیں؟"

قَالُوْا بَلٰی

"سب نے کہا ہاں۔"

یہ کہ آپ ﷺ ہی سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَاَوَّلُ مَنْ اٰمَنَ بِاللہِ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ

"اللہ پر جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس کے حکم کی تعمیل کی

ان میں سب سے پہلے مومن ہوں۔"

یہ کہ جب زمین شق ہوگی اور لوگ اس سے نکلیں گے تو میرے لئے سب سے پہلے زمین شق ہوگی، یہ کہ (روزِ قیامت) سب سے پہلے میں ہی سجدہ کرنے کی اجازت پاؤں گا یہ کہ بابِ شفاعت سب سے پہلے میرے لئے ہی کھلے گا یہ کہ سب سے پہلے میں ہی جنت میں داخل ہوں گا۔

اس سبقت اولیت کے باوجود بعثت و رسالت میں آپ ﷺ آخر ہیں

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

" آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔"

اور یہ کہ کتابوں میں آپ ﷺ کی کتاب قرآن کریم آخری اور دینوں میں آپ ﷺ کا دین آخری ہے چنانچہ فرمایا:

نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔

تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں۔

کیونکہ بعثت میں یہ آخریت و خاتمیت اور فضیلت میں اولیت و سابقیت کا موجب ہے۔ اس لئے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہی گذشتہ تمام کتابوں اور دینوں کے ماحی اور ناسخ ہیں۔

یہ جتنے پیشوا آئے یہ جتنے انبیاء آئے
خبر لے کر انہیں آنا تھا بن کر مبتدا آئے

اب رہا آپ ﷺ کا ظاہر و باطن ہونا تو آپ ﷺ ہی کے انوار نے پورے آفاق کو گھیر رکھا ہے جس سے سارا جہاں روشن ہے کسی کا ظہور آپ ﷺ کے ظہور کی مانند اور کسی کا نور آپ ﷺ کے نور کے ہم پلہ نہیں اور باطن سے مراد آپ ﷺ کے وہ اسرار ہیں جن کی حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور قریب اور بعید کے لوگ آپ ﷺ کے جمال اور کمال میں کھو کر رہ گئے اور آپ ﷺ ہی ہر شے کے جاننے والے ہیں۔

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْم

وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

کا ارشاد بلاشبہ حضور اکرم ﷺ ہی کے لئے ہے کیونکہ:

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عِلْمٌ

"ہر صاحب علم کے اوپر اور زیادہ جاننے والا ہے۔"

کی صفات آپ ﷺ ہی میں موجود ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوبرو اور خوش خو تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

مَارَاَيْتُ شَيْئًا اَحْسَنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

"رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین و بہتر کسی چیز کو نہ دیکھا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول مَارَاَيْتُ شَيْئًا

"کسی چیز کو نہ دیکھا۔"

فرمایا اور:

مَارَأَیْتُ اِنْسَانًا یَارَجُلًا

"کسی انسان یا مرد کو نہ دیکھا۔"

نہیں فرمایا کیونکہ اس میں بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ مطلب یہ کہ آپ ﷺ کی خوبی وحسن ہر چیز پر فائق تھی اور انہوں نے فرمایا کہ چہرہ انور ایسا روشن وتاباں تھا کہ گویا آفتاب آپ ﷺ کے رخ انور میں تیر رہا تھا

تاشب نیست روز ہستی زاد
آفتابے چوتو ندار دیاد

"یعنی کسی رات کے بعد ایسا دن طلوع نہ ہوا جیسا آپ ﷺ کا چہرۂ انور روشن وتاباں تھا۔ مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ انور، روئے روشن کی آب وتاب بہت ہی زیادہ تھی۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ عرض ہے کہ وہ احقر کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور قارئین میں اسے مقبولِ عام وخاص بنائے۔ اس کتاب کے ذریعے لوگوں میں محبتِ رسول اللہ ﷺ اُجاگر ہو اور ہم سب کو اخلاص کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اپنے کرم سے ہمارے کردہ اور ناکردہ گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین ثم آمین

محمد حسیب القادری

باب اول:

سلسلہ نسب

ہمارے نبی اکرم محمد مصطفی ﷺ کا سلسلہ نسب جو عالم کے تمام سلاسل انساب سے اعلیٰ اور برتر اور سب سے افضل اور بہتر ہے وہ سلسلۃ الذہب اور شجرۃ النسب یہ ہے۔

محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ اور عدنان حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کی اولاد سے ہیں۔ اب ہم ان کا مختصر ذکر بیان کرتے ہیں۔

(بخاری کتاب مذکور ج ۱: ص ۵۴۳ 'باب مبعث النبی ﷺ)

معد بن عدنان:

معد بن عدنان کے ایک بھائی سعید بن عدنان تھے معد بن عدنان حضور ﷺ کے اجداد میں سے ہیں۔ (مدارج النبوت)

ابو جعفر بن حبیب اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فرماتے تھے کہ عدنان، معد، ربیعہ، خزیمہ اور اسد یہ سب ملت ابراہیمی پر تھے۔ ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرو اور زبیر بن بکار مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مضر اور ربیعہ کو برامت کہو، وہ اسلام پر تھے اور سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ

کی ایک مرسل روایت بھی اسی کی موید ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ج ۷: ص ۱۲۵)

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان بخت نصر کے زمانہ میں بارہ سال کے تھے۔ اس زمانہ کے پیغمبر ارمیاء بن حلقیاء پر اللہ کی طرف سے یہ وحی نازل ہوئی کہ بخت نصر کو اطلاع کر دو کہ ہم نے اس کو عرب پر مسلط کیا اور آپ معد بن عدنان کو اپنے براق پر سوار فرمالیں تاکہ معد کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

فانی مستخرج من صلبه نبیا کریما اختم به الرسل

(طبری محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک (۱/ ۱۱۱۲) ج ۲: ص ۲۷۱)

"اس لیے کہ میں معد کی صلب سے ایک محترم نبی پیدا کرنے والا ہوں جس سے پیغمبروں کا سلسلہ ختم کروں گا۔"

حضرت ارمیاء معد بن عدنان کو اپنے ہمراہ براق پر سوار کر کے ملک شام لے گئے۔ وہاں پہنچ کر معد نے بنی اسرائیل میں رہ کر نشوونما پایا۔

(سہیلی، روض الانف، ج ۱: ص ۱۱)

اسی وجہ سے علماء اہلِ کتاب کے نزدیک معد بن عدنان کا نسب معروف ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں ابو یعقوب تدمری سے نقل کیا ہے کہ بورخ بن ناریا نے جو ارمیاء رحمۃ اللہ علیہ کے کاتب اور منشی تھے معد بن عدنان کا جو نسب بیان کیا ہے وہ میرے پاس محفوظ ہے۔ (ابن سعد، الطبقات ج ۱: صفحہ ۵۷)

نزار:

نزار، نزر سے بنا ہے جس کے معنے قلیل کے ہیں کہتے ہیں کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں میں نور محمدی ﷺ کو چمکتے دیکھا اس

پر بہت خوش ہوئے اور اس خوشی میں مساکین کو کھانا کھلایا اور کہا کہ یہ سب کچھ اس بچے کی ولادت کی خوشی میں بہت کم ہے۔ اسی بنا پر ان کا نام "نزار" رکھا۔ ان کی کنیت ابوربیعہ تھی۔ (مدارج النبوت)

(نزار) نزار، نزر سے مشتق ہے جس کے معنی قلیل کے ہیں۔ ابوالفرج اصبہانی فرماتے ہیں نزار چونکہ اپنے زمانہ کے یکتا تھے یعنی ان کی مثال کم تھی اس لیے نزار ان کا نام ہو گیا۔ (ابن حجر، فتح الباری ج ۷: ص ۱۲۵)

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب نزار پیدا ہوئے تو ان کی پیشانی نور محمدی ﷺ سے چمک رہی تھی۔ باپ یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوئے اور اس خوشی میں دعوت کی اور یہ کہا:۔

هذا كله نزر لحق هذا المولود فسمى نزار الذالك

(سہیلی، روض الانف، ج ۱: صفحہ ۵)

"یہ سب کچھ اس مولود کے حق کے مقابلہ میں بہت قلیل ہے۔
اس لیے نزار نام رکھا گیا۔"

اور تاریخ الخمیس میں ہے۔

انه خرج اجمل اهل زمانه واكبرهم عقلا

(حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری، تاریخ الخمیس، ۱۳۰۲ھ، ج ۱: صفحہ ۱۶۸)

"نزار اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ حسین و جمیل اور سب سے زیادہ عاقل اور دانشمند نکلے۔"

اور بعض کہتے ہیں کہ نزار کے معنی نحیف اور دبلے پتلے کے ہیں۔ چونکہ نزار نحیف البدن اور لاغر تھے اس لیے ان کا نام نزار ہو گیا۔

مدینہ منورہ کے قریب مقام ذات الجیش میں ان کی قبر ہے۔

(زرقانی،شرح مواہب،ج ۱:صفحہ ۷۹)

مضر:

مضر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کے لئے حدی کو مقرر کیا یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے بہتر خوش آواز تھے۔اور یہ دین اسلام اور ملت ابراہیم پر قائم تھے۔(مدارج النبوت)

مضر کا اصل نام عمرو تھا،ابو الیاس کنیت تھی مضر ان کا لقب تھا۔مضر ماضر سے مشتق ہے جس کے معنی ترش کے ہیں۔ترشی اور دہی آپ کو بہت مرغوب تھی اس لیے مضر کے نام سے مشہور ہو گئے۔(زرقانی،شرح مواہب،ج ۱:صفحہ ۷۹)

بڑے حکیم و دانا تھے۔مضر کے کلمات حکمت میں ہے۔

من یزرع شرا یحصد ندامة وخیر الخیر اعجله

"جو شر کو بوئے گا وہ شرمندگی کو کاٹے گا اور بہترین خیر وہ ہے جو جلد ہو۔"

فاحملوا انفسکم علی مکروھا واصرفوھا عن ھواھا

فلیس بین الصلاح والفساد الا الصبر

(زرقانی،شرح مواہب،ج ۱:صفحہ ۷۹)

"پس اپنے نفسوں کو ناگوار خاطر چیزوں پر آمادہ کرو اور خواہشات سے نفسوں کو بچاؤ۔صلاح اور فساد کے مابین سوائے صبر کے کوئی حد فاصل نہیں۔"

نہایت خوش الحان تھے۔چلتے وقت اونٹوں پر حدی پڑھنا انہیں کی ایجاد

ہے۔(سہیلی، روض الانف، ج ا: صفحہ ۸)

ابن سعد نے طبقات میں عبداللہ بن خالد سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مضر کو برامت کہو وہ مسلمان تھا۔

(ابن سعد، الطبقات، ج ا: صفحہ ۳۰۔ابن حجر، فتح الباری، ج ۶: صفحہ ۳۸۴، باب المناقب)

ابن حبیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عدنان، ان کے باپ اور ان کے بیٹے سعد، ربیعہ، مضر، قیس، تمیم، اسد اور ضبہ ملت ابراہیم پر مسلمان مرے۔(ابن سعد الطبقات، ج ا: صفحہ ۳۰۔ابن حجر، فتح الباری، ج ۶: صفحہ ۳۸۴، باب المناقب)

الیاس:

الیاس پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت الحرام کی طرف اونٹوں کی ہدی بھیجی قاموس میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں یاس محرکہ یعنی سِل پہنچی ہے، منقول ہے کہ وہ اپنی پشت میں حج کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کے تلبیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔

(مدارج النبوت)

حضرت الیاس علیہ السلام کے ہم نام۔ بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے الیاس بن مضر ہی نے جاری کی۔ کہا جاتا ہے کہ الیاس بن مضر اپنی صلب (پشت) سے نبی اکرم ﷺ کا تلبیہ حج سنا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ الیاس کو برامت کہو وہ مومن تھا۔

(ابن حجر، کتاب مذکور ج ۶: صفحہ ۳۸۴)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ مجھ کو اس حدیث کا حال معلوم نہیں کہ یہ حدیث کس پایہ کی ہے۔(زرقانی، ج ا: صفحہ ۷۸)

مدرکہ:

مدرکہ کا نام عامر یا عمرو تھا۔ مدرکہ معنی پانے والے کے ہیں اس کی وجہ تسمیہ اہل سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا اس پر ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھ دیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔

بعض وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد جو عزت و شرف رکھتے تھے وہ سب ان میں جمع تھیں اس کلمہ کا "تاء" مبالغہ کے لئے کذافی روضۃ الاحباب اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تاء، صفت سے اسمیت وعلم کی جانب منتقل کرنے کے لئے ہو (واللہ اعلم)۔ (مدارج النبوت)

جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مدرکہ کا نام عمرو تھا۔ محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ ان کا نام عامر تھا۔ (ابن حجر، کتاب مذکور ج ۷: صفحہ ۱۲۵)

اور مدرکہ ان کا لقب تھا جو ادراک سے مشتق ہے۔ چونکہ انہوں نے ہر قسم کی عزت اور رفعت کو پایا اس لیے مدرکہ ان کا لقب ہو گیا۔ (زرقانی، شرح مواہب ج ۱: صفحہ ۷۹)

خزیمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خزیمہ ملت ابراہیمی پر مرے۔

(زرقانی، شرح مواہب ج ۱: صفحہ ۷۹)

کنانہ:

عرب میں بڑے جلیل القدر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے دور دراز سے لوگ مستقل ان کی زیارت کے لیے سفر کر کے آتے تھے۔

(ابن حجر، فتح الباری ج ۷: صفحہ ۱۲۵)

نضر:

نضر نضارۃ سے مشتق ہے جس کے معنی رونق اور ترو تازگی کے ہیں۔ حسن و جمال کی وجہ سے ان کو نضر کہنے لگے تھے۔ اصل نام قیس تھا۔

(زرقانی، کتاب مذکور، ج ا: صفحہ ۷۸)

مالک:

مالک نام تھا۔ ابوالحارث کنیت تھی۔ عرب کے بڑے سرداروں میں تھے۔

(زرقانی، کتاب مذکور، ج ا: صفحہ ۷۸)

فہر:

فہر کے بارے میں اہل سیر و تواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اس کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں چنانچہ جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اسے قریشی نہیں کنانی کہتے تھے اکثر اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ اور ان کی اولاد کو قرشی اور قریشی کہتے ہیں۔ (مدارج النبوت)

فہر اپنے وقت میں رئیس عرب تھا۔ اس کا ہم عصر احسان بن عبد کلال حمیری چاہتا تھا کہ کعبہ کے پتھر اُٹھا کر یمن میں لے جائے۔ تا کہ حج کے لیے وہیں کعبہ بنا دیا جائے۔ جب وہ اس ارادے سے حمیر وغیرہ کو ساتھ لے کر یمن سے آیا۔ اور مکہ سے ایک منزل پر مقام نخلہ میں اترا۔ تو فہر نے قبائل عرب کو جمع کر کے اس کا مقابلہ کیا۔ حمیر کو شکست ہوئی۔ حسان گرفتار ہوا اور تین برس کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر کی ہیبت و عظمت کا سکہ عرب کے دلوں میں جم گیا۔ (سیرت رسول عربی ﷺ)

فہر نام ہے۔ قریش لقب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نام ہے اور فہر لقب

ہے۔انہیں کی اولاد کو قریشی کہتے ہیں اور جو شخص فہر کی اولاد سے نہ ہو اس کو کنانی کہتے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

حافظ عراقی اپنی الفیہ سیرت میں فرماتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فہر

جماعها والاکثرون النضر

(زرقانی شرح مواہب ج ۱ صفحہ ۷۹)

حافظ علائی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور محققین کا قول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں اور بعض احادیث مرفوعہ بھی اسی کی موید ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام ہے۔

بعض حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ فہر کے باپ مالک نے سوائے فہر کے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اس لئے جو شخص فہر کی اولاد سے ہے وہ نضر کی اولاد سے بھی ہے لہٰذا قریش کی تعیین میں جو اقوال مختلف تھے وہ سب بحمداللہ متفق ہو گئے۔

قریش کی وجہ تسمیہ:

قریش نام رکھنے میں متعدد وجوہات بیان کئے گئے ہیں۔مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے کوئی دوسرا آبی جانور اسے نہیں کھاسکتا یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب و برتر رہتا ہے۔

صراح میں اس کی شہادت میں بعض شعراء متقدمین کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں چونکہ یہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے۔اور تقرش کے معنی ہی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔

تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحب ہنر تھے۔ اور قرش کے معنی کسب و ہنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کے لیے آتے تو یہ لوگ فقراء و مساکین کے احوال کی تفتیش کرتے اور ان کی امداد کرتے تھے یہاں تقریش کے معنی تفتیش کے ہیں۔ صراح میں تقریش کے معنے غالب آنے اور اقراش کے معنی کسی کے لئے سعی و کوشش کرنے کے ہیں۔ (مدارج النبوت)

حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے قریش کو قریش کہنے کی پندرہ وجہ تسمیہ بیان کی ہیں۔ (عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، بیروت، دار الفکر، ۱۹۷۹، ج ۷: ص ۴۸۶، باب مناقب قریش)

کعب بن لوی:

سب سے پہلے جمعہ کے دن جمع ہونے کا طریقہ کعب بن لوی نے جاری کیا۔ کعب بن لوی جمعہ کے روز لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھتے۔ اول خدا کی حمد و ثنا بیان کرتے کہ آسمان اور زمین اور چاند اور سورج یہ سب چیزیں خدا ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور پھر پند و نصائح کرتے، صلح رحمی کی ترغیب دیتے اور یہ فرماتے کہ میری اولاد میں ایک نبی ہونے والے ہیں اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ضرور ان کا اتباع کرنا اور پھر یہ شعر پڑھتے:

یا لیتنی شاھد فحواء دعوته
اذا قریش تبغی الحق خذلانا

"کاش میں بھی ان کے اعلان دعوت کے وقت حاضر ہوتا جس وقت قریش ان کی اعانت سے دست کش ہوں گے۔"

فراء اور ثعلب کہتے ہیں کہ اس سے پیشتر یوم جمعہ کو یوم العروبہ کہا جاتا تھا۔ سب

سے پہلے کعب بن لوی نے اس دن کا نام جمعہ رکھا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تاریخ میں کعب بن لوی کے خطبہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (زرقانی کتاب مذکور ج ص ۴۷۔ ابن کثیر ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر البدایہ والنہایہ لاہور مکتبہ قدوسیہ ۱۹۸۴ء ج ۲ ص ۲۴۴)

مرہ بن کعب:

یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ مقرر کیا۔ عروبہ بفتح عین، جمعہ کے دن کا نام ہے۔ وہ اس دن قریش کو جمع کرتا اور انہیں خطبہ دیتا اور نبی آخر الزمان ﷺ کی آمد کی بشارت دیتا یہ انہیں بتایا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا اس ضمن میں اس نے بہت سے اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

لیتنی شاهدًا فحواء دعوته

اذا قریش تنفی الحق خذلانا

(مدارج النبوت)

مرۃ مرارت سے مشتق ہے جس کے معنی تلخی کے ہیں۔ جو شخص شجاع اور بہادر ہوتا تھا عرب اس کو مرہ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص اپنے دشمنوں کے لئے بہت تلخ ہے اور مرہ میں تا' تانیث کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔ بہت تلخ۔ صدیق اکبر اور حضرت طلحہ انہیں کی اولاد سے ہیں۔

(زرقانی شرح مواہب ج ا ص ۴۷)

کلاب:

کلاب، یا تو مکالبہ سے مصدری معنی میں ہے جس کے معنی منازعت اور مخاصمت کے ہیں۔ کالبت العدو مکالبۃ یعنی دشمن نے دشمنی سے جنگ کی، یا کلاب، کلب

کے معنی میں اس کی جمع ہے اور معنوی مراد کثرت ہے جیسا کہ ایک درندے یعنی کتے کا نام ہے۔

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے فرزندوں کے کلب، ذئب یعنی کتے اور بھیڑئیے جیسے برے نام کیوں رکھتے ہو حالانکہ اپنے غلاموں کے مرزوق اور رباح وغیرہ جیسے اچھے نام رکھتے ہو۔ اس اعرابی نے جواب دیا:

"فرزندوں کے نام، دشمنوں کے لئے ہیں اور غلاموں کے نام اپنے لئے۔"

کلاب، ایک حکیم کا بھی نام ہے بعض کہتے ہیں کہ کلاب کا نام عروہ تھا۔

(مدارج النبوت)

کلاب' کلب کی جمع ہے۔ ابوالرقیش اعرابی سے کسی نے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم لوگ اپنی اولاد کے لئے کلب (کتا) ذئب (بھیڑیا) اس قسم کے برے نام اور اپنے غلاموں کے لئے مرزوق (رزق دیا ہوا) رباح (نفع پانے والا) اس قسم کے عمدہ نام تجویز کرتے ہو؟ ابوالرقیش اعرابی نے یہ جواب دیا کہ بیٹوں کے نام دشمنوں کے لئے اور غلاموں کے نام اپنے لئے رکھتے ہیں۔ یعنی غلام تو اپنی خدمت کے لئے رکھے جاتے ہیں بخلاف اولاد کے کہ وہ دشمنوں سے سینہ سپر ہو کر جنگ کرتی ہے اس لئے ان کے نام یہ تجویز کئے گئے تاکہ دشمن اس قسم کے نام سنتے ہی مرعوب ہو جائے۔ کلاب کا نام حکیم یا عروہ یا مہذب تھا علیٰ اختلاف الاقوال۔ کلاب شکار کے بہت شائق تھے شکاری کتے جمع رکھتے تھے اس لئے ان کا نام ہی کلاب پڑ گیا۔

(ابن حجر فتح الباری ج ۷: ص ۱۲۴)

قصی:

قصی، قصی کی تصغیر ہے جس کے معنے بعید کے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی والدہ جن کا نام فاطمہ تھا جب حاملہ ہوئیں تو وہ اپنے قبیلہ سے بہت دور، بلاد قضاعہ میں ٹھیری ہوئی تھیں۔ انہیں "مجمع" بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب کے قبائل خزاعہ کے غلبہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے متفرق اور منتشر ہو گئے تھے تو انہوں نے ان قبائل کو مجتمع کیا تھا، جب قصی نے ان سب کو اکٹھا کر لیا تو مکہ مکرمہ آ کر خزاعہ کے ہاتھ سے ملک لے لیا اور ان قبائل کو مکہ مکرمہ میں دوبارہ آباد کر دیا کہتے ہیں کہ قصی نے ہی "دار الندوہ" بنایا تھا چنانچہ جب قریش کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو وہ سب اس گھر میں جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے ندوہ کے لغوی معنی گفتگو کرنے کے ہیں۔ ندی نادیہ جس کے معنی مجلس کے ہیں اسی سے بنا ہے قصی کا نام زید تھا۔ (مدارج النبوت)

قصی کا نام مجمع تھا جو جمع سے مشتق ہے۔ قصی نے چونکہ قریش کے متفرق اور متشتت قبائل کو جمع کیا تھا اس لئے ان کو مجمع کہتے تھے قریش ابتداء میں متفرق تھے اور ایک جگہ آباد نہ تھے۔ کوئی پہاڑ میں رہتا تھا' کوئی صحرا میں' کوئی وادی میں' اور کوئی گھاٹی میں' کوئی غار میں۔ قصی نے سب کو مکہ کے دامن میں جمع کیا اور سب کے رہنے کے لئے الگ الگ مکان کے لئے جگہ دی اور سب کو ایک جگہ آباد کیا۔ اس وقت سے ان کو مجمع پکارا جانے لگا۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

ابو کم قصی کان یدعی مجمعا

به جمع الله القبائل من فهر

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی سے راوی ہیں کہ قصی کا نام زید تھا۔

(زرقانی' کتاب مذکور ج ۱: ص ۷۳)

قصی بڑے حکیم اور دانا تھے۔ ان کے کلمات حکمت میں نقل کیا گیا ہے جو لئیم اور کمینہ کا اکرام کرے وہ بھی اس کے لوم یعنی کمینہ پن میں شریک ہے۔ جو اپنے مرتبہ سے زیادہ طلب کرے وہ مستحق محرومی ہے اور حاسد دشمن خفی ہے اور مرتے وقت اپنے بیٹوں کو یہ نصیحت کی۔

اجتنبوا الخمر فانها تصلح الابدان وتفسد الاذهان

(ابن سعد الطبقات ج ا: ص ٦٦)

"شراب سے پرہیز کرنا وہ بدن کو درست کرتی ہے اور ذہن کو خراب کرتی ہے۔"

عرب میں قصی کو خاص اقتدار حاصل تھا۔ تمام لوگ ان کے مطیع اور فرماں بردار تھے۔ قصی نے دارالندوہ کے نام سے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس میں تمام اہم امور کے مشورے ہوتے تھے۔ نکاح اور ازدواج اور جنگی مہمات کے متعلق بھی اسی مجلس میں مشورہ ہوتا تھا۔ تجارت کے لئے جو قافلہ روانہ ہوتا وہ بھی اسی مقام سے روانہ ہوتا۔ سفر سے واپس آتے تو اول دارالندوہ میں آ کر اترتے۔ گویا کہ دارالندوہ عرب کا باب حکومت اور پارلیمان تھا۔ حجابت، سقایت، رفادہ، دارالندوہ اور لواء صرف قصی ان تمام مناصب کے منتہی، تنہا علم بردار اور تمام مہم خدمتوں کے ذمہ دار تھے ان کے بعد یہ منصب اور عہدے مختلف قبائل پر منقسم ہوئے۔

عبد مناف:

عبد مناف کا نام مغیرہ اور کنیت "ابو عبد الشمس" ہے مناف ایک بت کا نام تھا ان کے چار فرزند تھے ایک ہاشم جو نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ کے دادا ہیں دوسرے "عبد الشمس" جو بنی امیہ کے جد ہیں تیسرے نوفل جو حضرت جبیر بن

مطعم کے جد ہیں۔ چوتھے مطلب جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلیٰ ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہاشم اور عبدالشمس دونوں توام (جڑواں) تھے۔ اور دونوں کی پیشانیاں چپکی ہوئی تھیں۔ انہیں جدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر نہ ہوئی بالآخر تلوار سے ان کے چہرے جدا کئے گئے اسی بنا پر دونوں کی اولاد میں دشمنی اور شمشیر زنی ہوتی رہی ہے کذافی روضۃ الاحباب

بعض لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ دونوں کی کمریں جڑی ہوئی تھیں جسے تلوار سے جدا کر دیا گیا۔ (مدارج النبوت)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عبد مناف کا نام مغیرہ تھا۔ بہت حسین و جمیل تھے اسی وجہ سے ان کو قمر البطحا بھی کہتے تھے۔

(زرقانی شرح مواہب ج ا: ص ۷۳۔ سہیلی روض الانف ج ا: ص ۶)

موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ بعض پتھروں پر یہ لکھا ہوا پایا گیا۔

انا المغیرۃ بن قصی آمر بتقوی اللہ وصلۃ الرحم

(زرقانی شرح مواہب ج ا: ص ۷۳۔ سہیلی روض الانف ج ا: ص ۶)

"میں مغیرہ قصی کا بیٹا اللہ کے تقویٰ اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں۔"

ہاشم:

حضرت عبدالمطلب کے والد، ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہشم کے معنی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط کے زمانہ میں اشکنہ یعنی روٹی کے ٹکڑے پکا کے کھلائے وہ یہی تھے۔ اور علو مرتبت کے لحاظ سے ان کو "عمرو العلی" بھی کہتے ہیں یہ بہت خوبصورت اور صاحب جاہ و جلال تھے ہاشم کے چار فرزند تھے ایک اسد جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کے والد تھے۔

دوسرے نفیلہ تیسرے صفی، چوتھے عبدالمطلب جو ہمارے نبی ﷺ کے دادا تھے ان کی کوئی اولاد حضرت عبدالمطلب کے سوا باقی نہ رہی۔ (مدارج النبوت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہاشم کا نام عمرو تھا۔ مکہ میں قحط تھا ہاشم نے شوربہ میں روٹیاں چور کر اہلِ مکہ کو کھلائیں۔ اس لئے ان کا نام ہاشم ہو گیا۔ ہشم کے معنی چورا کرنے کے ہیں۔ ہاشم اسی کا اسم فاعل ہے۔

(سہیلی، روض الانف ج ۱: ص ۶)

عمرو العلا هشم الثريد لقومه

و رجال مكة مسنتون عجاف

"عمرو بلند مرتبہ نے اپنی قوم اور تمام اہل مکہ کو ثرید بنا کر کھلایا اور مکہ کے لوگ قحط کی وجہ سے لاغر اور ناتواں تھے۔"

ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اہل مکہ کو اس طرح سے کھلایا۔ نہایت سخی تھے۔ دستر خوان بہت وسیع تھا۔ ہر وارد و صادر کے لئے ان کا دستر خوان حاضر تھا۔ غریب مسافروں کو سفر کرنے کے لئے اونٹ عطا فرماتے تھے۔ نہایت حسین و جمیل تھے۔ نورِ نبوت آپ کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ علماء بنی اسرائیل جب آپ کو دیکھتے تو سجدہ کرتے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے۔

قبائل عرب اور علماء بنی اسرائیل نکاح کے لئے اپنی لڑکیاں ہاشم پر پیش کرتے تھے حتیٰ کہ ایک مرتبہ ہرقل شاہ روم نے ہاشم کو خط لکھا کہ مجھ کو آپ کے جود و کرم کی اطلاع پہنچی ہے۔ میں اپنی شہزادی کو جو حسن و جمال میں یگانہ روزگار ہے آپ کی زوجیت میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ یہاں آ جائیں تا کہ آپ سے شہزادی کا نکاح کر دوں۔ ہاشم نے شہزادی کے نکاح سے انکار کر دیا۔ شاہ روم کا مقصد اصلی یہ تھا کہ وہ

نورِ نبوت جو ہاشم کی پیشانی پر چمک رہا ہے اس کو اپنے گھرانے میں منتقل کرلے۔
کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت ہاشم کا سن ۲۵ سال کا تھا۔

(زرقانی شرح مواہب ج ۱: ص ۷۲)

ہاشم ہی نے سب سے پہلے قریش میں دستور جاری کیا کہ سال میں دو مرتبہ تجارت کے لئے قافلہ روانہ ہوا کرے۔ موسم گرما میں شام کی طرف اور موسم سرما میں یمن کی طرف۔ اسی دستور کے مطابق ہر موسم میں قافلہ روانہ ہوتا۔ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور برو بحر کو قطع کرتا ہوا موسم سرما میں یمن اور حبشہ تک پہنچتا۔
نجاشی شاہ حبشہ ہاشم کی بہت مدارات کرتا اور ہدایا پیش کرتا اور موسم گرما میں شام، غزہ اور انقرہ (انگورہ جو اس وقت قیصر روم کا پایہ تخت تھا) تک پہنچتا۔
قیصر روم بھی ہاشم کے ساتھ نہایت احترام کے ساتھ پیش آتا اور نذرانہ بھی پیش کرتا۔ (ابن سعد الطبقات ج ۱: ص ۴۳)
ایک شاعر کہتا ہے۔

سفرین نهاله و لقومه
سفر الشتآء و رحلة الاصیاف

"ہاشم نے اپنی قوم کے لیے دو سفروں کا طریقہ کار جاری کیا ایک سفر سردی اور دوسرا سفر گرمی کا"

(بغوی، محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، ملتان، تالیفات اشرفیہ، ج ۴: ص ۵۹)

اور ہاشم نے حکومت یمن اور حکومت روم سے قریش کے کاروان تجارت کی حمایت اور حفاظت کا حکم حاصل کیا۔ عرب کے راستے عموماً چونکہ لوٹ اور تجارت سے مامون نہ تھے اس لئے ہاشم نے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ ہم تمہاری ضرورتیں بہم پہنچایا

کریں گے اور تم ہمارے قافلہ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچانا۔ (ابن سعد، کتاب مذکور ج ۱: ص ۴۵)

ہاشم کی اس حسنِ تدبیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام راستے مامون ہو گئے۔ حق جل شانہ نے اپنے کلام میں قریش کو یہ انعام یاد دلایا ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (سورۃ القریش: ۱ تا ۴)

"چونکہ قریش اللہ کی رحمت سے موسم سرما و گرما کے سفر کے عادی ہو گئے اس لئے ان کو نعمت کے شکریہ میں اس خدا کی عبادت کرنی چاہیے جو اس گھر کا مالک ہے اور اس نے ان کو بھوک سے کھانے کو دیا اور خوف سے امن دیا۔"

جب ایامِ حج آتے تو ہاشم تمام حجاج کو گوشت اور روٹی اور ستو اور کھجور، یہ چیزیں کھلاتے اور زمزم کا پانی پلاتے۔ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں بھی اسی طرح کھانے اور پینے کا انتظام فرماتے۔

امیہ بن عبد شمس کو ہاشم کا یہ جود و کرم اور تمام عرب میں ان کا یہ اقتدار بہت شاق اور گراں تھا امیہ نے بھی اس کی کوشش کی کہ ہاشم کی طرح لوگوں کو کھلائے۔ مگر امیہ باوجود ثروت اور دولت کے ہاشم کا مقابلہ نہ کر سکا۔ بنی ہاشم سے بنی امیہ کی عداوت کا سلسلہ اول یہیں سے شروع ہوا۔

فی ھذہ الترجمہ اشارۃ الی ان ابتداء العداوۃ من بنی امیہ لا من بنی ھاشم

"ان حالات سے اشارہ ہے کہ دشمنی کی ابتداء بنو امیہ نے کی تھی نہ کہ

بنو ہاشم نے۔"

ایک بار ہاشم قافلہ تجارت کے ساتھ سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں مدینہ منورہ ٹھہرے۔ وہاں بازار میں ایک عورت پر نظر پڑی۔ حسین وجمیل ہونے کے علاوہ شرافت ونجابت، فہم اور فراست اس کے چہرے سے نمایاں تھی۔

ہاشم نے دریافت کیا یہ عورت کسی کی منکوحہ یا ناکتخدا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصیحہ بن جلاح کی منکوحہ تھی جس سے عمر اور معبد یہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بعد میں اصیحہ نے اس کو طلاق دے دی۔

ہاشم نے اس سے نکاح کا پیام دیا۔ ہاشم کی نسبی شرافت اور ذاتی مکارم کی وجہ سے اس نے اس پیام کو قبول کیا اور نکاح ہو گیا۔ اس عورت کا نام سلمیٰ بنت عمرو تھا جو قبیلہ بنی النجار سے تھی۔ نکاح کے بعد ہاشم نے ایک دعوت دی جس میں تمام قافلہ والے شریک تھے اور کچھ لوگ قبیلہ خزرج کے بھی مدعو تھے۔

ہاشم نے نکاح کے بعد کچھ روز مدینہ میں قیام کیا۔ سلمیٰ کو حمل ہو گیا جس سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ جس وقت پیدا ہوئے تو سر میں ایک بال سفید تھا اس لئے شیبہ نام رکھا گیا۔ ہاشم قافلہ کے ساتھ غزہ کی جانب روانہ ہوئے۔ غزہ پہنچ کر ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ وہیں مدفون ہوئے۔ (ابن سعد الطبقات، ج ۱، ص ۴۵، ۴۶)

حضرت عبدالمطلب:

اب ہم بعض ان اشخاص کا تذکرہ کرتے ہیں جو مشہور معروف اور متفق علیہ ہیں ان کا نام شیبہ بھی تھا ان کا یہ نام اس وجہ سے تھا کہ وقت ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے۔ انہیں "شیبۃ الحمد" بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے اکثر افعال پسندیدہ اور خوش آئند تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کی تعریف و ستائش کیا کرتے تھے بعض لوگ ان کو

"عامر" کے نام سے بھی یاد کرتے تھے کہ حضرت عبدالمطلب حضورِ اکرم ﷺ کے دادا تھے۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ قیتبہ کا قول ہے اور مجد شیرازی نے ان کی پیروی اختیار کی ہے حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابو الحارث تھی کیونکہ انہوں نے سب سے بڑے فرزند کا نام حارث رکھا تھا ان کا عبدالمطلب نام رکھے جانے میں بکثرت وجوہ مشہور ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد جن کا نام ہاشم تھا یہ کسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں جا کر اقامت گزیں ہوئے تو ان سے یہ فرزند پیدا ہوا جب ہاشم کے بھائی "مطلب" مدینہ میں آئے تو انہوں نے بچہ کو دیکھا جو حسین صورت اور خوش جمال تھا۔ دریافت کرنے لگے کہ یہ بچہ کس کا ہے ہم ہی میں سے معلوم ہوتا ہے اور ہمارا ہی ناک و نقشہ رکھتا ہے لوگوں نے کہا یہ ہاشم بن عبد مناف کا فرزند ہے پھر تو انہوں نے اس بچہ کو اٹھا کر اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ چونکہ بچہ کے کپڑے میلے کچیلے اور بری شکل میں تھے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا "عبد" ہے اس بنا پر انہیں عبد المطلب کہا جانے لگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہاشم اس جہان سے رحلت فرمانے لگے تو اپنے بھائی "مطلب" سے وصیت کی کہ اپنے اس "عبد" کو لے لو جو یثرب میں ہے اور اپنے اس فرزند کی طرف اشارہ کیا جو مدینہ میں مقیم تھا اس بنا پر لوگ ان کو عبدالمطلب کہنے لگے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی اور ان کے چچا مطلب نے ان کی پرورش کی عرب میں یہ دستور تھا کہ

پرورش کرنے والے کو "عبد" کہتے تھے۔ کذا فی روضۃ الاحباب
لیکن اس دستور کے قاعدہ کلیہ ہونے میں کلام ہے کیونکہ اہل عرب عام طور پر اپنی دیرینہ عادت وخصلت کی بنا پر بکثرت یتیموں کی پرورش کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان یتیموں کو ان کا "عبد نہیں کہتا تھا۔"

البتہ اس جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہے مگر الفاظ دستور قاعدہ کلیہ کا مقتضی ہے۔

جب حضرت عبد مطلب کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبد المطلب کے لئے مقرر ہوئی۔ اور خانہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا۔ اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع وفرمانبردار ہو گئے اور ان کی خوب تعظیم واحترام کرنے لگے۔

حضرت عبد المطلب کے جسم مبارک سے مشک وعنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں۔ آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ ﷺ کا نور تاباں و روشن تھا۔ اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل ثبیر پر لے جاتے۔ (جبل ثبیر بفتح ثاء کسر بادسکون یا مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے اور اس نور محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی ﷺ حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانہ کعبہ کے گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا۔ لوگ ان کے جلال و جمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انہیں کہاں سے حاصل ہوا اور ان کو کس نے اس مرتبہ بلند پر پہنچایا ہے

اس کے بعد ان کے والد انہیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا۔ کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نکاح کر دیں۔ غرضکہ کے والد نے ایک عورت "قیلہ" نامی سے نکاح کر دیا اور ان سے ایک فرزند حارث نامی پیدا ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔ اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہو گیا قیلہ کے بعد انہوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

واقعہ فیل:

جب ابرہہ حاکم یمن نے اصحمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت اللہ الحرام کے انہدام کے لئے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبدالمطلب کو اس کی خبر دی انہوں نے فرمایا اے قریش مت ڈرو۔ اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا۔

اس کے بعد ابرہہ قریش کی اونٹ بکریاں ہنکال کر لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے بھی چار سو اونٹ تھے حضرت عبدالمطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل ثبیر پر آئے اس وقت حضرت عبدالمطلب کی پیشانی پر نور محمدی ﷺ ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانہ کعبہ پر پڑھنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہو گیا۔

جب حضرت عبدالمطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے اے گروہ قریش جاؤ بلاشبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہو گی خدا کی قسم یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جبکہ ہمیں کامیابی اور ظفر مندی حاصل ہوتی ہے اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہو گئے۔

ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تا کہ وہ لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں

داخل ہوا اور حضرت عبد المطلب کے چہرۂ پُرنور پر نظر ڈالی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گائے کے ڈکرانے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگا جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبد المطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں تم قریش کے سچے سردار ہو۔

(مدارج النبوت)

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد المطلب، ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبد المطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ سجدہ میں گر گیا۔ حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبد المطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ سلام ہو اس پر جو اے عبد المطلب تمہاری پشت میں ہے اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔

اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لیکر دریا سے بھیجا ایک کنکری ان کے منہ میں تھی اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر گر پڑتا چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا حتیٰ کہ اس کے دل میں بھی چھید ہو گئے۔

نعوذ باللہ من غضب اللہ۔

یہ قصہ حضور اکرم ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے اس قسم کے معجزات کو "ارہاصات" کہتے ہیں جس کے معنے تاسیس و بنیاد

رکھنے کے ہیں انہیں معجزات میں سے حضور اکرم ﷺ پر قبل از اظہار بعثت ابر کا سایہ کرنا ہے۔ (مدارج النبوت)

جب حق تعالیٰ نے ابرہہ کے شر سے حضرت عبدالمطلب کو نجات بخشی تو ایک دن حضرت عبدالمطلب "حجرہ" میں سو رہے تھے انہوں نے ایک بہت بڑا خواب دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں سے بیان کیا کاہنوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو یقیناً تمہاری پشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہونگی۔ (مدارج النبوت)

چاہ زم زم اور عبدالمطلب کا خواب:

قبیلہ جرہم کا اصلی وطن یمن تھا۔ مشیتِ ایزدی سے یمن میں قحط پڑا۔ اس وجہ سے بنی جرہم معاش کی تلاش میں نکلے۔ اتفاق سے اثناء راہ میں اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سے چاہ زم زم کے قریب ملاقات ہوگئی۔

بنو جرہم کو یہ جگہ پسند آئی اور اسی جگہ قیام پذیر ہو گئے اور پھر بعد چندے اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی اسی قبیلہ میں ہوئی اور نبی ہونے کے بعد عمالقہ، جرہم اور اہلِ یمن کی طرف مبعوث ہوئے۔ ایک سو تیس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ حطیم میں اپنی والدہ ماجدہ کے قریب مدفون ہوئے۔

اسمٰعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد حسبِ وصیت ان کے بیٹے قیدار خانہ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اسی طرح بنو اسمٰعیل خانہ کعبہ کے متولی ہوتے رہے۔ مرورِ زمانہ کے بعد بنو اسمٰعیل اور بنو جرہم میں منازعت اور مخاصمت کی نوبت آئی۔

بالآخر بنی جرہم غالب آ گئے اور مکہ میں جرہم کی حکومت قائم ہوگئی۔ چند روز

کے بعد جرہم کے حکام لوگوں پر ظلم وستم ڈھانے لگے۔ یہاں تک ظلم کیا کہ اولادِ اسمٰعیل مکہ کے اطراف و جوانب میں آباد ہوگئی۔ جرہم کا جب ظلم وستم وفسق وفجور اور بیت اللہ کی بے حرمتی حد سے گزر گئی تو ہر طرف سے قبائل عرب مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔

مجبوراً قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکلنا اور بھاگنا پڑا۔ لیکن جس وقت مکہ سے نکلنے لگے تو خانہ کعبہ کی چیزوں کو بیر زمزم میں دفن کر گئے اور بیر زمزم کو اس طرح بند کر گئے کہ زمین کے ہموار ہو گیا اور زمزم کا نشان بھی نہ رہا۔ بنی جرہم کے چلے جانے کے بعد بنی اسمٰعیل مکہ میں واپس آ گئے اور آباد ہو گئے مگر بیر زمزم کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ کی۔ مرورِ زمانہ سے اس کا نشان بھی نہ رہا۔

یہاں تک کہ جب مکہ کی حکومت اور سرداری عبدالمطلب کے قبضہ میں آئی اور ارادہ خداوندی اس جانب متوجہ ہوا کہ چاہ زمزم جو عرصہ سے بند اور بے نام ونشان پڑا ہے اس کو ظاہر کیا جائے تو رویائے صالحہ یعنی سچے خواب کے ذریعہ سے عبدالمطلب کو اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کے نشانات اور علامات خواب میں بتلائے گئے۔

چنانچہ عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے خواب میں یہ کہا:

احفر برہ

"برہ کو کھودو۔"

میں نے دریافت کیا:

وما برۃ

"برہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا اگلے روز پھر اسی جگہ سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص

یہ کہہ رہا ہے:

احفر المضنونة

"مضنونہ کو کھودو۔"

میں نے دریافت کیا:

وما المضنونة

"مضنونہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا۔ تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص مجھ سے

یہ کہہ رہا ہے کہ:

احفر طيبة

"طیبہ کو کھودو۔"

میں نے کہا:

وما طيبه

"طیبہ کیا ہے؟"

تو وہ شخص چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا کہ وہ شخص مجھ سے یہ

کہہ رہا ہے کہ:

احفر زمزم

"زمزم کو کھودو۔"

میں نے کہا:

وما زمزم

"زم زم کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔

لا تنزف ابدا و لا تذم تسقی الحجیج الاعظم

"وہ پانی کا ایک کنواں ہے کہ جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے۔ بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے۔"

اور پھر اس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتلائے کہ اس جگہ کو کھودو۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات کے بتلانے سے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ سچا خواب ہے یعنی رویائے صادقہ ہے۔

عبدالمطلب نے قریش سے اپنا خواب ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے کھودنے کی مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور کدال اور پھاوڑہ لے کر اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور نشان کے مطابق کھودنا شروع کر دیا۔

عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد ایک من ظاہر ہوئی۔ عبدالمطلب نے فرطِ مسرت سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور یہ کہا۔

ہذا طوی اسمعیل

"یہی اسمٰعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔"

اس کے بعد عبدالمطلب نے چاہ زمزم کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جن میں آب زمزم بھر کر حاجیوں کو پلاتے۔ چند حاسدوں نے یہ شرارت شروع کی کہ شب میں ان حوضوں کو خراب کر جاتے۔ جب صبح ہوتی تو عبدالمطلب ان کو درست کرتے۔

گھبرا کر اس بارے میں اللہ سے دعا مانگی اس وقت ان کو خواب میں یہ بتلایا گیا کہ تم یہ دعا مانگو۔

اللھم انی لا احلھا لمغتسل ولکن ھی لشارب حل

"اے اللہ میں اس زمزم سے لوگوں کو غسل کرنے کی اجازت نہیں دیتا صرف پینے کی اجازت ہے۔"

صبح اٹھتے ہی عبدالمطلب نے اس کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد جس کسی نے حوض کے خراب کرنے کا ارادہ کیا وہ ضرور کسی بیماری میں مبتلا ہوا۔ جب بار بار اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوئے تو حاسدوں نے عبدالمطلب کے حوضوں سے تعرض کرنا چھوڑ دیا۔ (ابن سعد' الطبقات' ج ۱: ص ۴۹ '۵۰۔ سیوطی' جلال الدین' الخصائص الکبری' بیروت' دار الکتب العلمیہ ج ۱: ص ۴۳ '۴۴۔ زرقانی' شرح مواہب' ج ۱: ص ۹۴)

عبدالمطلب کی نذر:

چاہ زمزم کے کھودتے وقت عبدالمطلب کا سوائے اکلوتے بیٹے حارث کے اور کوئی یار و مددگار نہ تھا اس لئے منت مانی کہ اگر حق تعالیٰ مجھ کو دس بیٹے عطا فرمائے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بنیں تو ایک فرزند کو اللہ کے نام پر ذبح کروں۔

جب اللہ نے ان کی یہ تمنا اور آرزو پوری کی اور دس بیٹے پورے ہو گئے تو ایک رات خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں یہ دیکھا کہ ایک شخص ان سے یہ کہہ رہا ہے۔

یا عبدالمطلب اوف بنذرك لرب ھذا البیت

"اے عبدالمطلب اس نذر کو پورا کیجئے جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لئے مانی تھی۔"

عبد المطلب خواب سے بیدار ہوئے اور سب بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی نذر اور خواب کی خبر دی۔ سب نے یک زبان ہو کر یہ کہا:

اوف بنذرك وافعل ما شئت

"آپ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں۔"

عبد المطلب نے سب بیٹوں کے نام پر قرعہ ڈالا۔ حسن اتفاق سے قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام پر نکلا جن کو عبد المطلب سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ عبد اللہ کا ہاتھ پکڑ کر مذبح یعنی قربان گاہ کی طرف چلے اور چھری ساتھ تھی۔ حضرت عبد اللہ کی بہنیں یہ دیکھ کر رونے لگیں اور ان میں سے ایک بہن نے یہ کہا کہ اے باپ آپ دس اونٹوں اور عبد اللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھئے اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو دس اونٹوں کی قربانی کر دیجئے اور ہمارے بھائی عبد اللہ کو چھوڑ دیجئے اور اس وقت دس اونٹ ایک آدمی کی دیت اور خون بہا ہوتے تھے۔ قرعہ جو ڈالا گیا تو اتفاق سے حضرت عبد اللہ کے ہی نام پر نکلا۔ عبد المطلب دس دس اونٹ زیادہ کر کے قرعہ ڈالتے جاتے تھے مگر قرعہ عبد اللہ ہی کے نام پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ سو اونٹ پورے کر کے قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ اس وقت عبد المطلب اور تمام حاضرین نے اللہ اکبر کہا۔ بہنیں اپنے بھائی عبد اللہ کو اٹھا لائیں اور عبد المطلب نے وہ سو اونٹ صفا اور مروہ کے مابین نحر کئے۔ (ابن کثیر' حوالہ مذکور' ابن سعد' الطبقات' ج ۱' ص ۸۸)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اول دیت کی مقدار دس اونٹ تھی۔ سب سے پہلے عبد المطلب نے قریش اور تمام عرب میں یہ سنت جاری کی کہ ایک آدمی کی دیت سو اونٹ ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔

(ابن سعد' کتاب مذکور' ج ۱' ص ۸۹)

اسی واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ ذبیح کے لقب سے موسوم ہوئے اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو ابن الذبیحین کہتے ہیں یعنی دو ذبیح کے فرزند۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو عبدالمطلب کو ثبیر پہاڑ پر لے جاتے۔ ان کی برکت سے بارانِ رحمت کی دعا کرتے اور بارہا ایسا ہوا کہ قریش کی مشکلات عبدالمطلب کی برکت سے حل ہوئیں۔

ان کی شان عام اہل عرب سے بالکل جدا تھی۔ اپنی اولاد کو ظلم اور فساد سے منع کرتے اور مکارم اخلاق کی ترغیب دیتے' حقیر اور ادنی امور سے روکتے۔

عبدالمطلب نذر کے پورا کرنے کی تاکید فرماتے اور محارم (مثلاً بہن اور پھوپھی اور خالہ وغیرہ) سے نکاح کو منع کرتے۔ شراب اور زنا' لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے اور بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے سے لوگوں کو روکتے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتے۔ (زرقانی' شرح مواہب' ج ا: ص ۸۲)

اور یہ وہ امور ہیں کہ قرآن وحدیث میں جن کی تصدیق اور تاکید مذکور ہے۔

چنانچہ سیرت حلبیہ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ عبدالمطلب سے جو امور منقول ہیں ان میں سے اکثر کا قرآن وحدیث میں حکم آیا ہے مثلاً نذر کا پورا کرنا' نکاح محارم کی حرمت' چور کا ہاتھ کاٹنا' لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی ممانعت' شراب اور زنا کی حرمت' بیت اللہ کا برہنہ طواف کرنے کی ممانعت۔ (ابن جوزی سیرت حلبیہ ج ا: ص ۷)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے مشرق سے لے کر مغرب تک تمام زمین کو چھان ڈالا مگر بنی ہاشم سے افضل اور بہتر کسی کو نہ پایا۔

اس حدیث کو امام طبرانی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(طبرانی۔احمد بن حنبل امام مسند احمد بن حنبل)

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین نے پاک نفوس کی تلاش میں زمین کا چکر لگایا مگر زمانہ چونکہ جاہلیت کا تھا اس لئے جبرئیل نے ظاہری افعال واعمال پر نظر نہ کی بلکہ فطرت اور استعداد پر نظر کی۔اس اعتبار سے عموماً عرب اور خاص بنی ہاشم سے کسی کو افضل نہ پایا۔(زرقانی شرح مواہب ج ۱:ص ۶۸)

والدماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ:

حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کے والد ماجد کا اسم گرامی "عبداللہ" ہے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شکل وصورت کے لحاظ سے بہت زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا اخلاق حمیدہ بھی بہت عمدہ تھا۔قریش کے نزدیک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے مکمل،سب سے حسین،سب سے زیادہ پاک دامن اور سب سے زیادہ محبوب تھے۔کیونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے نورِ محمدی ﷺ چمکتا تھا اور صاف طور پر نظر آتا تھا۔(سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کے والد ماجد کا نام ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔(ابن حجر فتح الباری ج ۷:ص ۱۲۴)

یہ وہ نام ہے کہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ دو نام محبوب ہیں،ایک عبداللہ اور دوسرا عبدالرحمن۔(مسلم الجامع الصحیح ج ۲:ص ۲۰۸ کتاب الاداب)

اس لیے کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے جس کو امام طحاوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔

اسم اعظم هست الله العظیم

جان جان و محیی اعظم رمیم

(طحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد، مشکل الآثار، حیدرآباد دکن، دائرۃ معارف، ۱۳۳۳ھ، ج ۱: ص ۶۳)

تمام اسماء حسنیٰ اسم جلالہ کے تابع ہیں۔ اسم اللہ کے بعد اسم رحمٰن کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد اس طرف مشیر ہے:

قل ادعوا الله او ادعوا الرحمان (۱۷: الاسراء: ۱۱۰)

"آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن۔"

اس وجہ سے یہ دو نام سب سے زیادہ محبوب ہوئے۔ اول عبداللہ جو اسم اعظم کی طرف مضاف ہے اور دوسرا عبدالرحمن جو اسم رحمٰن کی طرف مضاف ہے جس کا مرتبہ اسم اعظم کے بعد ہے۔

قریشی لڑکیوں کی وارفتگی:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے سے نورِ محمدی ﷺ روشن ستارہ کی طرح چمکتا تھا۔ اس لئے حسین بھی بہت نظر آتے تھے۔ قریش کی لڑکیاں ان کو بہت پسند کرتی اور چاہتی تھیں۔ جب عبداللہ کی شادی ہوئی تو قبیلہ قریش میں بنی مخزوم، بنی عبد شمس، بنی عبد مناف میں کوئی لڑکی ایسی نہیں تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو کہ اس کی شادی نہ ہو۔ (سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی)

حضرت خواجہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پاک دامنی:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب شادی کے لئے جا رہے تھے۔ ورقہ بن نوفل کی بہن قتیلہ یا رقیہ کعبہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ عورت ایک عالمہ اور کاہنہ بھی تھی۔ اس

نے اپنے بھائی نوفل سے سن رکھا تھا کہ ایک نبی عربوں، خصوصاً قریش میں مبعوث ہونے والا ہے۔ اُس کا نور اُس کے والد کے چہرے سے جھلکتا ہوگا۔ اُس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے نورِ نبوت دیکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیا۔

"عبداللہ! کہاں جا رہے ہو؟"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "شادی کا ارادہ ہے۔"

قتیلہ نے اسی وقت جماع کی دعوت دی اور کہا اس کے بدلے میں سو (۱۰۰) اونٹ دوں گی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ شعر پڑھے:

ام الحرام فالممات دونه

والحل لاحل فاسينه

ترجمہ: "جہاں تک حرام کاری کی بات ہے، اس سے بہتر تو مرجانا ہے۔"

يحمى الكرم عوضه ودينه

فكيف بالامر الذى تبغينه

ترجمہ:...... "شریف آدمی اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ اس لئے تو کیسے ایک غلط کام کی طرف مجھے بلا رہی ہے۔" (سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے عقد:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال تھی جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہوا۔ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ کی بیٹی تھیں۔ زہرہ کے معنی سفیدی کے ہیں۔ بی بی آمنہ کی دادی یعنی وہب کی ماں کا نام قیلہ بنت ابوکبشہ تھا۔ بی

بی آمنہ رضی اللہ عنہ کے والد وہب انتقال فرما گئے تھے۔ وہ اپنا چچا وہیب ابن عبد مناف کی سرپرستی میں جوان ہوئی تھیں۔ خواجہ عبد المطلب وہیب بن عبد مناف کے پاس گئے، اس وقت یہی بنی زہرہ کے سردار تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ وہب بن عبد مناف نے خود ہی اپنی بیٹی بی بی آمنہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا اور رخصتی بھی کردی تھی۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مقام اور نسب کے اعتبار سے قریشی عورتوں میں سب سے زیادہ افضل تھیں۔

نورِ نبوی ﷺ کی منتقلی:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جب بی بی آمنہ رضی اللہ عنہ کے مالک بن گئے تو انہوں نے پیر کے دن شعب ابو طالب میں جمرہ وسطی کے مقام پر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ سے صحبت کی، جس کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی سے نورِ محمدی ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہ کے ہاں منتقل ہوگیا۔ (سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی، سیرت ابن ہشام)

قتیلہ سے پھر ملاقات:

عربوں کا دستور تھا کہ شادی کے بعد آدمی اپنے سسرال میں تین دن رہتا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تین دن کے بعد لوٹے تو قتیلہ نامی عورت سے ملے تو اُس کو کہا کہ تم پہلے والی بات دوبارہ کہتی ہو۔ اُس نے انکار کر دیا اور جواب دیا:

"کل جو نور تم میں نظر آتا تھا وہ اب تم سے جدا ہو چکا ہے۔ اس لئے آج مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

(سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی)

ظہورِ نبوت کی پیشین گوئی:

قتیلہ یا رقیہ نے خواجہ عبداللہ سے کہا۔

"خدا کی قسم! میں بدکار عورت نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے چہرے پر ایک نور دیکھا تھا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں آ جائے مگر اللہ کی مرضی یہ نہیں تھی۔ بلکہ جہاں اس نے چاہا وہاں اُس نور کو منتقل کر دیا۔ اپنی بیوی کو خوشخبری دو کہ دنیا کا بہترین انسان اس کے پیٹ میں ہے۔"

(سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تجارت کے لئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے یثرب (مدینہ) میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ خواجہ عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ یثرب (مدینہ) میں پہنچے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی، جس کا نام اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کو ترکہ میں ملیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا اصلی نام برکۃ تھا۔

(سیرت حلبیہ اُردو از مولانا محمد اسلم قاسمی، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد جز اول صفحہ ۶۲)

قافلہ والوں نے جب مکہ واپس لوٹ کر عبداللہ کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے خبر گیری کیلئے اپنے سب سے بڑے لڑکے "حارث" کو مدینہ بھیجا۔ ان کے

مدینہ پہنچنے سے قبل ہی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ حارث نے مکہ واپس آ کر جب وفات کی خبر سنائی تو سارا گھر ماتم کدہ بن گیا اور بنو ہاشم کے گھر میں ماتم برپا ہو گیا۔ خود حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کا ایسا پُر درد مرثیہ کہا ہے کہ جس کو سن کر آج بھی دل درد سے بھر جاتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرشتوں نے غمگین ہو کر بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ الٰہی! تیرا نبی یتیم ہو گیا۔ حضرت حق نے فرمایا کیا ہوا؟ میں اس کا حامی و حافظ ہوں۔ (مدارج النبوۃ جلد ص، ص ۱۴)

حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی "ام ایمن" جس کا اصل نام "برکہ" تھا۔ کچھ اونٹ کچھ بکریاں تھیں۔ یہ سب ترکہ حضور سرور عالم ﷺ کو ملا۔ اُم ایمن "بچپن میں حضور اقدس ﷺ کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ کھلاتیں کپڑا پہناتیں پرورش کی پوری ضروریات مہیا کرتیں۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ تمام عمر "اُم ایمن" کی دل جوئی فرماتے رہے۔ اپنے محبوب و متبنی غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کر دیا اور ان کے شکم سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔" (عامہ کتب سیر)

والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا:

حضورِ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "آمنہ" ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد کا اسم گرامی وہب ابن عبد مناف ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا لقب زہرا کا معنی "سفیدی" کے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد وہب ابن عبد مناف کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی قیلہ بنت ابو کبشہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد وہب ابن عبد مناف کا انتقال جلد ہی ہو گیا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی کفالت آپ رضی اللہ عنہا کے چچا وہیب ابن عبد مناف نے کی۔

حدیث مبارکہ ہے جو نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے

بارے میں خاص طور پر وارد ہے۔

ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں بسند ضعیف بروایت زہری از ام سماعہ بنت ابی رہم وہ اپنی والدہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدنا آمنہ رضی اللہ عنہا کی اس بیماری میں جس میں ان کی وفات ہوئی۔ موجود تھی۔ اور محمد ﷺ جو اُس وقت تقریباً چھ سال کی عمر کے بچے تھے ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے. والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ان کے چہرہ پر نظر ڈال کر کہا۔

بارك بيك الله من علام

بخايعون الملك المنعام

بمائة الملك المنعام

فانت مبعوث الى الا غام

تبعث فى الحل ونى الحرام

دين ابيك البرابر اهام

يا ابن الذى من حامة الحمام

قودى عذاة الضراب بالهام

ان صحرما الصبرت فى المنام

من عند ذى الجلال والا كرام

تبعث با لتحقيقم والاسلام

فالله ينهاك عن الاصنام

ان لاتو البها مع الاقوام

نبكى الفتاه البرة الامينه

زوجه عبد الله و لاقرينه

وصاحب المنير فی لامد ينه

ذات الجمال العفة الرزينه

ام بنی الله ذی السكينه

صارت لدی حفرتها رهنيه

"ہر دینے والی کے لئے موت ہے، ہر نئی چیز پرانی ہو جاتی ہے اور ہر بوڑھے کے لئے فنا ہے، اور میں بھی مرنے والی ہوں، اور میری یاد باقی رہنے والی ہے بلاشنہ میں بہتر کو چھوڑا، اور پاکیزہ بچہ تولد کیا ہے اسکے بعد وہ انتقال فرما گئیں۔ اور ہم ان پر جنات کے رونے کی آواز سنتے تھے ان کے کچھ اشعار ہم نے یاد کر لئے۔ یعنی ہم اس نوعمر، نیکو کار، امانتدار، حسن و جمال کی پیکر، صاحبِ عفت و عظمت جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ، اللہ کے نبی صاحب سکینہ، مدینہ منورہ میں منبر و محراب کے مالک کی والدہ ماجدہ کی رحلت پر روتے ہیں۔ اب یہ اپنی قبر کے گوشہ میں اقامت گزیں ہوں گی۔" (دلائل النبوۃ)

آپ ﷺ کے والدین کا نجات دہندہ ہونا:

نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین آپ کی بعثت نبوت سے پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور لوگ بعثت سے قبل گذر چکے ہیں وہ لائق عذاب نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل:۷)

"اور ہم عذاب کرنے والے نہیں حتی کہ ہم ان میں رسول بھیجیں۔"

اشاعرہ کے اصول وکلام کے ائمہ کا ایک طبقہ اور فقہائے شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ جو اس حال میں مرجائے کہ اس کسی نبی کی دعوت وتبلیغ نہ پہنچے، وہ نجات یافتہ ہوگا۔ اور یہ کہ اسے اس وقت تک قتل نہ کیا جائے۔ جب تک کہ اسلام کی دعوت نہ دی جائے، اور اگر دعوتِ اسلام سے پہلے اسے قتل کر دیا گیا، تو ضمان میں دیت وکفارہ لازم ہوگا۔ اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور تمام صحابہ کی نص صریح ہے بلکہ بعض صحابہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ایسے شخص کے قتل کر دینے سے قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ایسا شخص حقیقی مسلمان نہیں ہے اور قصاص کی شرط مکافات یعنی بدلہ دینا ہے۔ اور بعض فقہا نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ ایسا شخص جبکہ مرجائے، تو اسے عذاب نہ ہوگا، کیونکہ اس کی موت فترت پر ہے، اور اس کی جانب سے دشمنی کا اظہار نہیں ہو، اور کوئی رسول نہیں آیا، جس نہ اس کی تکذیب کی ہے۔

(مسالک الحنفاء فی والدین المصطفیٰ از علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

حضور نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں ایک اور حدیث ہے، جسے امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں نقل کر کے فرمایا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اگر میں اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو اس حال میں پاؤں کہ میں نماز عشاء ادا کر رہا ہوں، اور اس میں سورۃ الفاتحہ کو پڑھ رہا ہوں اس وقت وہ پکاریں یا محمد (ﷺ)! تو یقیناً میں قبول کر کے کہوں لبیک یعنی حاضر ہوں۔ (شعب الایمان)

بابِ دوم:

رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ ولادت

جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے تو حضور اقدس ﷺ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے۔ سر آسمان طرف اٹھا ہوئے (جس سے آپ اپنے علو مرتبہ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے) بدن بالکل پاکیزہ اور تیز بو کستوری کی طرح خوشبو دار ختنہ کیے ہوئے۔ ناف بریدہ۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی۔ آنکھیں قدرتِ الٰہی سے سرمگیں۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت درخشاں۔

آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو جو اس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا۔ وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف میں لے جا کر آپ ﷺ کے لیے صدق دل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

آپ ﷺ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی تو اس نے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از نور محمد بخش توکلی)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ بنت عبداللہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آمنہ کے پاس موجود تھی تو اس وقت یہ دیکھا کہ تمام گھر نور سے بھر گیا اور دیکھا کہ آسمان کے ستارے جھکے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھ کو یہ گمان ہوا کہ یہ ستارے مجھ پر آ گریں گے۔

(ابن حجر علی بن احمد العسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۳۸۳ ' ایضاً فتح الباری ج ۲ ص ۴۲)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے ولادت باسعادت کے وقت ایک نور دیکھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ یہ روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ روایت صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی مسند احمد میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(مکتبہ المعارف، ج ۸)

تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ:

ابولہب کی موت کے ایک سال بعد حضرت عباس نے خواب میں ابولہب کو برے حال میں دیکھا۔ پوچھا تجھے کیا ملا؟

ابولہب نے جواب دیا:

لم الق بعد کم غیر انّی سقیت فی ھذہ بعتاقتی ثویبۃ۔

"تمہارے بعد مجھے کچھ آرام نہیں ملا سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے سبب سے بمقدار اس (مغاک میان ابہام وسبابہ) کے پانی مل جاتا ہے جسے میں پی لیتا ہوں۔"

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی

ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔

(سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی)

اسمِ گرامی:

اس چہیتے بچے کا نام دادا نے "محمد" والدہ ماجدہ نے "احمد" رکھا۔ یہ دونوں لفظ "حمد" سے ماخوذ ہیں۔حمد جس طرح تعریف کرنے کو کہتے ہیں، ایسے ہی اس کے معنی پورا پورا حق ادا کرنے کے بھی ہیں۔ پس "محمد" یعنی جس کا حق پورا پورا ادا کر دیا گیا ہو۔

"احمد ﷺ" جس نے پورا پورا حق ادا کر دیا۔یعنی قدرت کی طرف سے نوع انسانی کو باطنی اور روحانی کمالات کی جس منزل تک پہنچانا تھا، جس کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ وہ اس کی آخری سرحد ہیں۔یعنی کمالاتِ انسانی کا نقطہ عروج، جس کا تقاضا معراج تھا۔جس کا شرف آپ ﷺ کو عطا ہوا۔پس آپ ﷺ من جانب اللہ "محمد" ہیں اور بندہ اور عبد ہونے کے لحاظ سے انسان پر اپنے رب اور خالق کے حضور میں جو عبدیت اور نیاز مندی لازم ہے، احمد ﷺ نے اس واجبی حق کو عجز و انکساری، اپنی نیاز مندی، وفاداری اور اطاعت شعاری سے پورا پوار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف آپ معصوم ہیں۔تقویٰ، طہارت اور ہر طرح کے گناہ سے تحفظ اور عصمت آپ کی فطرت ہے۔ چنانچہ آپ کو اور نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے رفقاء کو بھی بشارت دے دی گئی۔

دوسری طرف تقاضا عبدیت یہ ہے کہ دن کی چہل پہل کو آپ ﷺ صوم وصال کی سخت جانی پر قربان کرتے اور رات کی نیند کو شب بیداری کے سوز و گداز پر!

اس مخصوص نیاز مندی کا مخصوص انعام یہ ہے کہ تہجد آپ ﷺ پر فرض کیا گیا۔ تاکہ روزِ محشر میں آپ ﷺ وہ اعلیٰ ترین مقام حاصل کر سکیں جس کا نام مقام "محمود" ہے۔ پوری کائنات جس کی حمد و ستائش کرے گی اور جس پر تحسین و آفرین کی نذرِ عقیدت

پیش کرے گی۔ (محمد رسول اللہ ﷺ از حضرت میاں محمد رحمۃ اللہ علیہ)

رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا جو ابولہب کی لونڈی تھی۔

(بخاری باب من یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب "س")

گندگی سے پاک:

سیدنا نبی رحمت ﷺ اس طرح پیدا نہیں ہوئے، جس طرح عام بچے پیدا ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر گندگی اور خون وغیرہ لگا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ منہ کے اندر بھی آلائش بھری ہوتی ہے، جسے دایہ صاف کرتی ہے۔

سیدنا محمد عربی ﷺ جب پیدا ہوئے تو جسم اطہر پر خون کی آلائش اور گندگی نہیں لگی ہوئی تھی۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ کی ناف (آنول نال) کٹی ہوئی تھی۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

پیدائشی مختون:

حضرت سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ خود اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میرا اشرف جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے ہے، یہ ہے کہ ختنہ شدہ پیدا ہوا اور میری شرم گاہ کسی نے نہیں دیکھی۔"

حضرت عبدالمطلب یہ دیکھ کر بے حد حیران اور خوش تھے اور کہتے تھے کہ میرا یہ بیٹا نرالی شان کا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (سیرت حلبیہ جلد اوّل)

وقت ولادت شہادت توحید:

سیدنا سرور عالم ﷺ جب پیدا ہوئے تو اس طرح تشریف لائے کہ آپ ﷺ کی مٹھی بندھی تھی اور شہادت کی انگلی اس طرح اُٹھی ہوئی تھی، جس طرح اس سے تسبیح کیا کرتے ہیں۔

سیدہ آمنہ بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس طرح اُٹھا رکھی تھیں، جیسے کوئی انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔

علامہ شامی رضی اللہ عنہ ابن سعد سے بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں پر جھکے ہوئے اور سر آسمان کی جانب اُٹھائے ہوئے تھے۔

(سیرت حلبیہ جلد اوّل)

کنیت:

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی مشہور و معروف کنیت ابو القاسم ہے جو آپ ﷺ کے سب سے بڑے صاحبزادے قاسم کے نام پر ہے۔ دوسری کنیت ابو ابراہیم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ فرمایا:

السلام علیك یا ابا ابراھیم

"سلام ہو آپ پر اے ابو ابراہیم۔" (حاکم المستدرک ج ۲ ص ۶۰۴)

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا:

حضرت ثوبیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ جن ماؤں نے سید دو عالم ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی، اُن میں خولہ بنت منذر، ام ایمن جو بنی سعد کی خاتون تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جنہوں نے سب سے زیادہ عرصہ دودھ پلایا اور سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ کو دو سال تک اپنی گود میں رکھا۔

رؤسائے عرب کے گھروں میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنے بچوں کو اپنی ماں کے نرم وگداز آغوش میں پلتے ہوئے دیکھنے کے بجائے بچوں کو صحرا نشین قبیلوں کے پاس بھیج دیتے تھے۔ تاکہ بچوں میں مضبوطی بدن پیدا ہو اور وہ فصیح و بلیغ زبان سیکھ کر بہترین قائد و خطیب اور شائستہ بن سکیں۔ کیونکہ عرب کی دیہاتی آبادی میں بہت زیادہ فصیح اور شائستہ عربی زبان بولی جاتی تھی۔ سیدنا رسول عربی ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میں عربی بولنے کے لحاظ سے تم لوگوں میں زیادہ فصیح و بلیغ ہوں۔ کیونکہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں میں نے دودھ پیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہِ نبوی میں التماس کی کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ فصیح عربی بولنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ سیدنا رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کیسے نہیں ہوں گا، میں قبیلے کے لحاظ سے قریشی ہوں اور بنی سعد میں، میں نے دودھ پیا ہے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کا نام بنی ہوازن تھا۔ بنی سعد ابن بکر ابن ہوازن کی اولاد میں تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ دستور اور رواج کے مطابق مکہ میں بنی سعد کی دس عورتیں بچوں کو لینے کے لئے آئیں۔ میری گود میں میرا

بیٹا عبداللہ بھی تھا، جس کو میں ابھی دودھ پلاتی تھی۔

خشک سالی کا وہ سال تھا۔ سب لوگ بارانِ رحمت کے منتظر تھے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا خاوند حارث رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھا۔ آپ فرماتی ہیں ہماری سواری مادہ خر تھی، جو بھوک پیاس کی وجہ سے بہت کمزور تھی۔ ایک قدم راہ کا طے کرنا بھی دشوار تھا اور میرے سینہ میں بھی دودھ بالکل خشک ہوگیا تھا۔ بچہ عبداللہ بھوک کی وجہ سے سونے بھی نہ دیتا تھا۔ ہماری سواری ایک بوڑھی اونٹنی تھی، جس کے تھنوں میں بھی دودھ خشک ہوچکا تھا۔ غرض اس کمزور اور دبلی پتلی اونٹنی کی وجہ سے قافلے سے بہت پیچھے رہ جاتی تھی۔ جس کے سبب لوگ پریشان ہوتے تھے۔ آخر کار ہم مکہ پہنچ گئے اور دودھ پینے والے بچے تلاش کرنے لگے۔

خواجہ عبدالمطلب اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا:

دایہ یتیم بچے کو نہ لیتی تھیں۔ کیونکہ اُن کو انعام کی اُمید نہ تھی۔ جنابِ رسولِ رحمت ﷺ کو ہر دایہ پر پیش کیا گیا لیکن انہوں نے یتیم جان کر انکار کر دیا۔ آخر کار خواجہ عبدالمطلب کی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ خواجہ عبدالمطلب نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا۔

"حلیمہ سعدیہ۔"

یہ سن کر خواجہ عبدالمطلب مسکرائے اور بولے:

"واہ واہ! سعادت اور حلم دونوں ایسی خوبیاں ہیں، جن میں زمانے کی بھلائی اور ہمیشہ ہمیشہ کی عزت ہوتی ہے۔ اے حلیمہ! میرے پاس ایک یتیم لڑکا ہے، جسے میں نے دودھ پلانے کے

لئے قبیلہ بنی سعد کی عورتوں سے بات کی۔ مگر انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ یتیم بچے کو لے کر ہمیں کیا مل جائے گا۔ ہم بچوں کے باپ سے انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے بچے لیتے ہیں۔ اس لئے تم بتاؤ کیا تم اس بچے کو دودھ پلانے کے لئے لے سکتی ہو، ممکن ہے وہ بچہ تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب بن جائے۔"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا:

"مجھے اتنی مہلت دو کہ میں اپنے شوہر سے مشورہ کرلوں۔" (سیرت حلبیہ)

دونوں جہاں کی برکتیں:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند حارث کو یہ بات بتائی تو اُس کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔ اُس نے کہا:

"حلیمہ! یہ بچہ لے لو۔"

خواجہ عبدالمطلب میرے انتظار میں تھے۔ میں نے ان سے کہا بچے کو لائیے۔ خواجہ عبدالمطلب نے خوش ہو کر میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت سیدہ آمنہ کے گھر لے گئے۔ حضرت سیدہ آمنہ نے خوش آمدید کہا اور مجھے اُس حجرے میں لے گئیں، جہاں حضرت سید دو عالم رحمۃ للعالمین ﷺ آرام فرما تھے۔ آپ ﷺ ایک اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ آپ ﷺ کے نیچے سبز رنگ کا ایک ریشمی کپڑا تھا۔ آپ ﷺ سیدھے لیٹے ہوئے سو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے سانس کی آواز سے خوشبو سی نکل رہی تھی۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو جگانا مناسب

نہیں سمجھا، بلکہ پیار سے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے سینۂ اقدس پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ مسکرائے اور آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھنے لگے اور ایک نور آپ ﷺ کی آنکھوں سے نکلا، جو آسمان تک پہنچ گیا۔ میں نے آپ ﷺ کی جبین اقدس پر بوسہ لیا اور اپنی گود میں لے لیا۔ (سیرت حلبیہ)

عجائبات کا ظہور:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو گود لینے کے بعد واپس اپنے قافلے میں آئیں، دودھ پلانے کے لئے اپنی گود میں لٹایا تو آپ ﷺ میری داہنی چھاتی سے دودھ پینے لگے اور سیر ہو گئے۔ بائیں چھاتی خشک تھی، اللہ کی قدرت سے اس میں بھی دودھ جاری ہو گیا، اُس سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے عبداللہ دودھ پیتے تھے۔

حارث رضی اللہ عنہ جو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے، اپنی کمزور اونٹنی کے پاس گئے تو دیکھا کہ اُس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ حارث رضی اللہ عنہ نے اونٹنی کے تھنوں سے دودھ نکالا اور اُن دونوں میاں بیوی نے خوب سیر ہو کر پیا اور رات آرام سے گزاری۔ صبح ہوئی تو حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"خدا کی قسم! تم بڑا مبارک بچہ لائی ہو۔"

(سیرت ابن ہشام)

خچر کی تیز رفتاری اور گویائی:

حضرت سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ واپسی کے لئے میں اپنے خچر پر سوار ہوئی تو نبی رحمت ﷺ میری گود میں تھے۔ خچر اتنی تیز رفتاری سے چلا کہ قافلے کو پیچھے چھوڑ گیا۔ میرے ساتھ والی دایائیں مجھ سے پوچھنے لگیں:

"اے بنت ابوذوہب کیا یہ وہی خچر نہیں ہے، جس پر تم آئی تھیں
اور جسے ایک قدم چلنا مشکل تھا؟"
اسی اثناء میں خچر نے جواب دیا:
"خدا کی قسم! میرا معاملہ تو خاص سے زیادہ خاص اور عجیب سے
بھی زیادہ عجیب ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے موت (یعنی
انتہائی کمزوری) کے بعد دوبارہ زندہ کیا اور کمزوری کے بعد
طاقت وقوت عطا فرمائی۔ اے بنی سعد کی عورتو! تمہارا برا ہو، تم
بڑی غفلت اور بے خبری میں ہو۔ کیا تم کو خبر ہے کہ میری کمر پر
کون سوار ہے؟ میری کمر پر وہ ہیں، جو بہترین نبی ہیں، پیغمبروں
کے سردار ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں میں سب سے بہترین انسان
ہیں اور پروردگارِ عالم کے محبوب ہیں۔" (سیرت حلبیہ)

خچر کا سجدۂ شکر:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں مکہ سے روانہ ہوتے وقت خچر نے
تین مرتبہ کعبہ کی طرف سجدہ کیا۔ یعنی اپنا سر جھکایا، پھر اس نے اپنا سر آسمان کی طرف
اُٹھایا اور چل پڑا۔ (سیرت حلبیہ)

بنجر زمین میں سبزہ:

خشک سالی کی وجہ سے جنگل میں گھاس کا کوئی پتہ نہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے
قدموں کی برکت سے ہماری بکریاں پیٹ بھر کر جنگل سے آتی تھیں اور خوب دودھ
دیتی تھیں۔ ساری قوم کی بکریاں جنگل سے بھوکی واپس آتی تھیں اور دودھ بھی ان کے
تھنوں میں نہ ہوتا تھا۔ لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم کیوں نہیں بکریاں وہاں

چراتے، جہاں حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چرتی ہیں۔

اس کے باوجود اُن کی بکریاں بھوکی رہتی تھیں، میری بکریاں خوب پیٹ بھر کر واپس آتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی برکتوں کا مشاہدہ ہر روز ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اتنی تیزی کے ساتھ بڑے ہو رہے تھے کہ عام بچے اس طرح نہیں بڑھتے۔ آپ ﷺ دو سال کی عمر ہی میں تندرست اور مضبوط لڑکے معلوم ہوتے تھے۔

(سیرت ابن ہشام)

سید کائنات ﷺ کی گفتگو:

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ دو مہینے کے ہوئے تو آپ ﷺ ہر طرف پھرتے تھے۔ جب آپ ﷺ آٹھ مہینے کے ہوئے تو آپ اچھی طرح بولنے لگے تھے۔ آپ ﷺ نو مہینے کے ہوئے تو بہت صاف گفتگو فرماتے تھے۔ ایک روز محبوبِ رب العالمین ﷺ حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھے کہ سامنے سے بکریاں آئیں، ان میں سے ایک قریب آئی اور اُس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے سر مبارک کو بوسہ دیا، پھر وہ دوسری بکریوں میں جا ملی۔

(سیرت حلبیہ)

نور کا نزول:

حضرت سعدیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر روزانہ ایک ایسی روشنی اور نور اُترتا تھا جیسا کہ سورج کی روشنی ہوتی ہے، پھر وہ اوجھل ہو جاتی تھی۔

(سیرت حلبیہ)

دودھ چھڑانے کے وقت تکبیر:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔جس وقت حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کا دودھ چھڑایا تو آپ ﷺ نے اُس وقت یہ کلام فرمایا:

الله اکبر کبیرا والحمد لله کثیرا وسبحان الله بکرة واصیلا

"اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا ہے۔اللہ تعالیٰ کے لئے بے حد تعریف ہے اور صبح وشام اُس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔"

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور خواجہ عبدالمطلب کا تقاضہ:

سیدنا محمد عربی ﷺ چار سال سے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے کلیجہ کو ٹھنڈک اور رونق بخش رہے تھے۔لیکن اب حضرت آمنہ کی ممتا چاہتی ہے کہ اپنے لختِ جگر کو اپنے پاس رکھے۔مگر حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے خاوند حارث کو آپ ﷺ سے بہت محبت ہو چکی تھی کہ اُن کو جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔لیکن حضرت آمنہ اور خواجہ عبدالمطلب کا تقاضہ زیادہ ہوا تو چارو ناچار اِن کو مکہ شریف میں حضرت محمد ﷺ کو لانا پڑا۔لیکن اُن دنوں مکہ شریف میں وبا پھوٹی ہوئی تھی۔آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔"میرے بیٹے کو واپس اپنے ساتھ لے جاؤ،مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس پر مکے کی بیماریوں کا اثر نہ پڑ جائے۔کیونکہ خدا کی قسم! یہ بچہ بڑی شان والا ہوگا۔" (سیرت حلبیہ)

شق صدر:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا واپس اپنے قبیلہ میں آپ ﷺ کو لے آئیں۔چند ماہ

کے بعد شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ سیدنا محمد عربی ﷺ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ گھر کے پیچھے بکریوں کے چرانے میں مشغول تھے کہ دو آدمی سفید لباس میں آئے اور آپ ﷺ کو لٹا کر سینہ چاک کر دیا اور ایک سیاہ نقطہ نکال کر اُس کو پھینک دیا۔ سونے کے طشت میں رکھے ہوئے برفاب سے شکم مبارک کو دھویا۔

رضاعی بھائی عبداللہ چیختے چلاتے، بھاگتے ہوئے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا:

"میرے قریشی بھائی کی خبر لیں۔"

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حارث کے ساتھ دوڑتی ہوئی آئیں تو جناب رحمت عالم ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ اُڑا ہوا اور خوف کے آثار پائے جا رہے تھے۔ میاں بیوی نے آپ ﷺ کو اپنے سینہ سے لگایا اور پوچھا:

"اے فرزند کیا ہوا؟"

آپ ﷺ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو مکان میں لے آئیں۔ حارث نے کہا۔

"اے حلیمہ! اس بچہ کو اس کی والدہ کے پاس مکہ پہنچا دینا مناسب ہے۔ کیونکہ اس کے یہاں رہنے سے اندیشہ ہے کہ کوئی خرابی بچہ کو نہ پہنچے ورنہ ہم کو جواب دینا پڑے گا۔"

(طبقات ابن سعد جلد اول)

سیدنا نبی رحمت ﷺ کی مکہ واپسی:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس مکہ واپس لے آئیں۔ سیدہ آمنہ نے حلیمہ سے کہا:

"تم تو محمد کو اپنے پاس رکھنے پر حریص تھیں!"

حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"اپنا حق ادا کر چکی ہوں۔ حوادث سے اندیش ناک ہو کر فرزند کو لائی ہوں۔ بصحت وسلامت امانت آپ کے سپرد کر رہی ہوں۔"

سیدہ آمنہ نے فرمایا:

"سچ سچ کہو کیا معاملہ ہے؟"

حلیمہ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ شق صدر کا بیان کر دیا۔

سیدہ آمنہ نے فرمایا:

"حلیمہ محمد پر شیطان کا خوف ہوا؟"

حلیمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

"ہاں۔"

سیدہ آمنہ نے فرمایا:

"تمہارا خوف لاحاصل ہے۔ خدا کی قسم ہے محمد ﷺ پر شیطان کا کچھ اختیار نہیں اور میرا فرزند بہت بڑی شان والا ہے۔"

(طبقات ابن سعد جلد اول)

ابر کا سایہ:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"بچپن سے ہی آپ ﷺ پر ابر کا سایہ رہا ہے۔ آپ ﷺ چلتے تو وہ ابر بھی چلتا تھا۔ آپ ﷺ ٹھہر جاتے تو ابر بھی ٹھہر جاتا تھا۔" (طبقات ابن سعد جلد اول)

یہودی کا شور مچانا:

عرب جنات کو مانتے تھے۔ایسی باتوں کو جنات کی حرکت سمجھا کرتے تھے۔ پڑوسیوں نے حلیمہ اور حارث کو مشورہ دیا کہ کسی کاہن یا کسی یہودی، عیسائی عالم کے پاس لے جاؤ اور اُس سے پوچھیں یہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ کو یہودی عالم کے پاس لے گئے۔مگر وہاں یہ واقعہ پیش ہوا کہ یہودی نے آپ ﷺ کو دیکھنے کے بعد شور مچانا شروع کر دیا۔

"یہی بچہ ہے جو عرب میں انقلاب برپا کرے گا۔اُس وقت کے مذہبوں کو ختم کردے گا۔ پوجا پاٹ بند اور مورتیوں کا کھنڈن کرے گا۔اے لوگو! اپنا مذہب بچانا چاہتے ہو تو اس بچہ کو ختم کردو، جان سے ماردو۔"

(سیرت ابن ہشام، ابن کثیر، خصائص کبریٰ، محمد رسول اللہ ﷺ از سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ)

آپ ﷺ کی گمشدگی:

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا نبی رحمت ﷺ کو واپس مکہ شریف لا رہی تھیں کہ مکہ کے بالائی علاقے میں سرورِ کائنات ﷺ گم ہو گئے۔حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا پریشانی کی حالت میں خواجہ عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور اُن سے کہنے لگیں۔

"محمد ﷺ مکے کے بالائی علاقہ میں گم ہو گئے ہیں۔"

خواجہ عبدالمطلب بے تابی کی حالت میں حرم میں پہنچے اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ابن سعد نے اس دُعا کے چند شعر نقل کئے ہیں۔

لاھم ادرا کبی محمدا

ادہ الی واصطنع عندی یدا

ترجمہ:..... "خداوندا! میرے سوار محمد (ﷺ) کو پہنچادے اس کو میرے پاس پہنچادے اور مجھ پر احسان فرما۔"

انت الذی جعلقہ لی عضدا

لا یبعدا الدھر فیبعدا

ترجمہ:..... "تو ہی ہے جس نے اُسے میرا بازو بنایا ہے، اس کو کبھی بھی گردشِ زمانہ کی تباہی میں نہ ڈال۔"

انت الذی سمیتہ محمدا

ترجمہ:..... "تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد (ﷺ) رکھا ہے۔"

بہر حال یہ بے تابی بتقاضاء محبت تھی۔ تھوڑی دیر میں کسی نے آپ ﷺ کو پہنچادیا تو خواجہ عبدالمطلب نے گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا۔

طبقات ابن سعد جلد اوّل میں یہ واقعہ اس طرح بھی تحریر ہے کہ خواجہ عبدالمطلب کا اونٹ گم ہوگیا تھا تو آپ ﷺ کو تلاش کے لئے بھیجا تھا۔ (سیرت حلبیہ ج۱)

جب خواجہ عبدالمطلب نے بیت اللہ شریف کے پاس دعائیہ اشعار پڑھے تو آسمان سے آواز آئی:

"لوگو! پریشان مت ہو۔ محمد کا پروردگار موجود ہے۔ وہ نہ اس کو رسوا کرے گا اور نہ ضائع ہونے دے گا۔"

آواز کے جواب میں خواجہ عبدالمطلب نے کہا:

"محمد کو ہمارے پاس کون پہنچائے گا؟"

دوبارہ آواز آئی:

"محمد تہامہ کی وادی میں شجر یمنی کے پاس ہیں۔"

خواجہ عبدالمطلب اور ورقہ بن نوفل اسی وقت سوار ہو کر اس طرف روانہ ہوئے، اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے حضرت محمد ﷺ کھڑے ہوئے ہیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے پوچھا:

"لڑکے تم کون ہو؟"

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔"

خواجہ عبدالمطلب یہ سنتے ہی بولے۔

"تم پر میری جان قربان ہو، میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں۔"

خواجہ عبدالمطلب نے آپ ﷺ کو اپنے سینہ سے لگایا اور رونے لگے۔

سیدہ آمنہ کا سفر اور وفات:

جب حضرت نبی رحمت ﷺ کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی، سیدہ آمنہ آپ ﷺ کو لے کر یثرب (مدینہ شریف) کے سفر پر روانہ ہوئیں۔ بعض مؤرخین یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لئے گئیں۔

(سیرت النبی ﷺ از مولانا شبلی نعمانی)

آپ ﷺ کے دادا انھیال کے خاندان نجار سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تعلق رکھتی تھیں، اس لئے وہیں قیام کیا۔ اس سفر میں اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں، جو آپ ﷺ کی دایہ تھیں۔ ایک ماہ تک مدینہ شریف میں قیام کیا۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، پہنچیں تو وہاں حضرت آمنہ کا

انتقال ہو گیا۔ اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا حضرت رحمت دو عالم ﷺ کو لے کر خواجہ عبدالمطلب کے پاس مکہ آئیں۔

قیام مدینہ کی بہت سی یادیں آپ ﷺ کو یاد رہ گئی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ بنو عدی کے علاقے سے گزرے تو ارشاد فرمایا اس مکان میں میری والدہ ماجدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وہ تالاب ہے، جس میں، میں نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان میں، میں انیسہ نام کی ایک لڑکی سے کھیلا کرتا تھا۔ (طبقات ابن سعد)

خواجہ عبدالمطلب کی کفالت:

سیدہ آمنہ کی وفات کے بعد خواجہ عبدالمطلب آپ ﷺ کی نگرانی اور پرورش کرنے لگے۔ آپ ﷺ کے دادا کو آپ ﷺ سے بے انتہا محبت تھی۔ بیت اللہ کے سائے میں ایک فرش بچھایا جاتا تھا، جس پر خواجہ عبدالمطلب بیٹھا کرتے تھے۔ خاندان کا کوئی فرد ان کے احترام میں اُس پر نہ بیٹھتا تھا۔ مگر آپ ﷺ اُس فرش پر جا کر بیٹھ جاتے۔ آپ کے چچا آپ ﷺ کو ہٹانا چاہتے مگر خواجہ عبدالمطلب کہتے:

"میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ خدا کی قسم! یہ بڑی شان والا ہے۔"

نبوت کی علامتیں بچپن ہی سے:

نبی مدلج کے کچھ لوگ قیافہ شناس تھے جو چہرہ مہرہ دیکھ کر آدمی کے مستقبل کا حال بتا دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ عبدالمطلب سے ان قیافہ شناسوں نے کہا۔ "مقام ابراہیم علیہ السلام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا جو نشان ہے، اس سے مشابہت رکھنے والے قدم ہم نے محمد ﷺ کے سوا کسی بچے کے نہیں دیکھے۔ یہ بچہ قدم کی اس مشابہت کی وجہ سے بہت بڑی شان والا ہوگا۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

نجران کا پادری:

بیت اللہ شریف میں حجر اسود کے قریب خواجہ عبدالمطلب بیٹھے ہوئے تھے، اُن کے پاس نجران کے عیسائیوں کا بڑا پادری بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خواجہ عبدالمطلب سے باتیں کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔

"ہماری کتابوں میں ایک نبی کی علامتیں ہیں، جو اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں ہوگا۔ مکہ اُس کی جائے ولادت ہوگا اور یہ یہ نشانیاں ہوں گی۔"

اُسی لمحہ کوئی آپ ﷺ کو لے کر حاضر ہوا۔ جونہی پادری کی نظر آپ ﷺ پر پڑی تو اس نے فوراً آپ ﷺ کی آنکھوں اور پیٹھ یعنی مہر نبوت اور پیروں کو دیکھا تو ایک دم بول پڑا:

"یہی وہ نبی ہے، یہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟"

خواجہ عبدالمطلب نے جواب میں کہا:

"یہ میرا بیٹا ہے۔"

پادری نے کہا:

"اپنی کتابوں میں ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ وہ یتیم ہوگا۔"

خواجہ عبدالمطلب نے جواب دیا:

"یہ میرا پوتا ہے۔ ابھی یہ بچہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ والد گرامی قدر کا انتقال ہوگیا تھا۔"

پادری نے کہا:

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

پھر خواجہ عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

"اپنے بھتیجے کی حفاظت کرو۔ کیونکہ تم سن رہے ہو، کیا کہہ رہے ہیں۔"

(سیرت حلبیہ جلد اول)

آشوبِ چشم:

سید کائنات نبی رحمت ﷺ جب سات سال کے ہوئے تو آپ ﷺ کی آنکھیں دُکھنے لگیں۔ کئی دن آپ کو تکلیف رہی۔ کسی نے خواجہ عبدالمطلب کو کسی راہب کی اطلاع دی جو آشوبِ چشم کا علاج کرتا تھا۔ وہ مکہ اور مدینہ شریف کے درمیان رہتا تھا۔ بے شمار مخلوق خدا اُس کے ہاتھوں شفا پا چکی تھی۔

خواجہ عبدالمطلب آپ ﷺ کو اُس راہب کے پاس لے گئے۔ جیسے ہی راہب نے آپ ﷺ کو دیکھا، وہ اپنے عبادت خانے میں گیا اور نہا دھو کر کپڑے بدلے، پھر ایک صحیفہ (کتاب) نکال کر لایا۔ کبھی وہ اس کتاب میں کچھ دیکھتا اور پھر آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تھا۔ آخر اس راہب نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا۔

"خدا کی قسم! یہی وہ نبی ہیں جو خاتم النبیین ﷺ ہیں۔"

پھر اس راہب نے کہا۔

"اِن کی آشوبِ چشم کی دوا تو خود ان کے پاس ہی موجود ہے۔
اے خواجہ عبدالمطلب! ان کا لعاب دہن لو اور ان کی آنکھوں پر لگا دو۔"

خواجہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا تو آپ ﷺ کی آنکھیں اسی وقت ٹھیک ہو گئیں۔

راہب نے مزید کہا:

"اے خواجہ عبدالمطلب! یہی وہ انسان ہے کہ جس کے نام پر
میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے۔"

عبدالمطلب کا انتقال:

دو سال تک آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی تربیت میں رہے۔ جب عمر شریف آٹھ سال کو پہنچی تو عبدالمطلب بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ علی اختلاف الاقوال بیاسی، پچاسی، پچانوے، ایک سو دس یا ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور حجون میں مدفون ہوئے۔ ابو طالب چونکہ حضرت عبداللہ کے حقیقی اور عینی بھائی تھے اس لئے عبدالمطلب نے مرتے وقت آپ کو ابو طالب کے سپرد کیا اور یہ وصیت کی کہ کمال شفقت اور غایت محبت سے ان کی کفالت اور تربیت کرنا۔ (عیون الاثر ج ا ص ۴۰)

اُم ایمن کہتی ہیں کہ جس وقت عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آپ کو دیکھا کہ آپ جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے۔ (ابن سعد الطبقات ص ۱۱۰، ج ۱)

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو عبدالمطلب کا مرنا یاد ہے؟ آپ نے فرمایا میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔ (ابی نعیم دلائل ج ا ص ۵۱)

ابو طالب کی کفالت:

عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی آغوشِ تربیت میں آ گئے۔ ابو طالب نے آپ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور اس شفقت اور محبت سے مرتے دم تک آپ کی تربیت کی کہ حق یہ ہے کہ تربیت اور کفالت کا حق پورا پورا ادا کر دیا۔ افسوس کہ ابو طالب باوجود اس والہانہ اور عاشقانہ تربیت اور کفالت کے دولتِ ایمان اور نعمتِ اسلام سے محروم رہے۔

ایک بار مکہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے ابو طالب سے درخواست کی کہ آپ بارش کے لئے دعا کیجئے۔ ابو طالب ایک مجمع کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو لے کر حرم میں حاضر ہوئے اور آپ کی پشت کو خانہ کعبہ سے لگا دیا۔

آپ نے بطورِ تضرع اور التجا انگشت شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا۔ بادل کا کہیں نام و نشان نہ تھا اشارہ کرتے ہی ہر طرف بادل امنڈ آئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ تمام ندی نالے بہنے لگے۔

اسی بارے میں ابو طالب نے کہا ہے۔

و ابیض یستقی الغمام بوجهه

ثمال الیتامی عصمة للارامل

"ایسے روشن اور منور کہ ان کے چہرے کی برکت سے خدا سے بارش مانگی جاتی ہے۔ جو یتیموں کی پناہ اور بیواؤں کا ماویٰ اور ملجا ہے۔" (زرقانی شرح مواہب ج ا ص ۱۹۰)

دستر خوان:

ابو طالب غریب آدمی تھے۔ دونوں وقت کھانا اتنا کم ہوتا تھا کہ اولاد ابو طالب کو وہ پیٹ بھر کر نہ ملتا تھا۔ خواہ اکٹھے کھائیں یا علیحدہ علیحدہ کھائیں۔ دو پہر یا رات کے کھانے کا وقت ہوتا اور سب دستر خوان پر بیٹھ جاتے تو ابو طالب اپنی اولاد سے کہتے۔

"یوں ہی بیٹھے رہیں تا کہ میرا بیٹا آ جائے۔" (سیرت حلبیہ جلد اول)

برکت:

جب نبی رحمت ﷺ تشریف لے آتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تو آپ ﷺ کی برکت سے سب سیر ہو جاتے اور کھانا بھی بچ جاتا۔

اگر دودھ کا پیالہ ہوتا تو پہلے آپ ﷺ نوش فرماتے اور بعد میں ابو طالب کے بیٹے پیتے تھے۔ ایک ہی پیالہ سے وہ سارے کے سارے سیراب ہو جاتے تھے۔

(سیرت حلبیہ جلد اول)

نیند سے بیدار:

جنابِ سرورِ کائنات ﷺ جب صبح کو بیدار ہوتے تو آپ ﷺ کے بال سنورے ہوئے ہوتے تھے اور آنکھوں میں سرمے کی ڈوریں ہوتی تھیں۔

(سیرت حلبیہ جلد اول)

مسند ابو طالب:

ابو طالب کی مسند پر ایک تکیہ رکھا رہتا تھا، جس پر وہ بیٹھا کرتے تھے۔ جب رسولِ رحمت ﷺ تشریف لاتے تو آکر اس تکیہ پر بیٹھ جاتے۔ تب ابو طالب کہتے:

"میرے بیٹے کو اپنے بلند مرتبے کا احساس ہے۔"

(سیرت حلبیہ جلد اول)

طفولیت میں حضرت کی دعا سے نزولِ باراں:

ایک دفعہ ابو طالب نے حضرت محمد ﷺ کو ساتھ لے کر بارش کے لیے دعا کی تھی جو حضور ﷺ کی برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔

چنانچہ ابن عساکر جہلمہ بن عرفطہ سے ناقل ہے کہ اس نے کہا کہ میں مکہ میں آیا۔ اہل مکہ قحط میں مبتلا تھے۔ ایک بولا کہ لات وعزّیٰ کے پاس چلو دوسرا بولا کہ منات کے پاس چلو۔ یہ سن کر ایک خوبرو جید الرائے بوڑھے نے کہا تم کہاں الٹے جا رہے ہو۔ حالانکہ ہمارے درمیان باقیہ ابراہیم وسلالہ اسماعیل موجود ہے۔ وہ بولے کیا تمہاری مراد ابو طالب ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ پس وہ سب اٹھے اور میں بھی ساتھ ہو

لیا۔ جا کر دروازے پر دستک دی ابوطالب نکلا تو کہنے لگے:

"ابو طالب! جنگل قحط زدہ ہو گیا۔ ہمارے زن و فرزند قحط میں مبتلا ہیں۔ چل مینہ مانگ۔"

پس ابوطالب نکلا اس کے ساتھ ایک لڑکا تھا۔ گویا آفتاب تھا۔ جس سے ہلکا سیاہ بادل دور ہو گیا ہو۔ اس کے گرد اور چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ ابوطالب نے اس لڑکے کو لیا اور اس کی پیٹھ کعبہ سے لگائی۔ اس لڑکے (محمد ﷺ) نے التجا کرنے والے کی طرح اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ اس وقت آسمان پر کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا۔ اشارہ کرنا تھا کہ چاروں طرف سے بادل آنے لگے۔ برسا اور خوب برسا جنگل میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اور آبادی و وادی سب سرسبز و شاداب ہو گئے۔ اسی بارے میں ابوطالب نے کہا ہے:

وابیض یستقی الغمام بوجهه
ثمال الیتمیٰ عصمة للارامل

"اور گورے رنگ والے جن کی ذات کے وسیلہ سے نزول باراں طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کے ملجا و ماوی۔ رانڈوں اور درویشوں کے نگہبان۔"

بعثت کے بعد جب قریش آنحضرت ﷺ کو ستا رہے تھے تو ابوطالب نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو سیرت ابن ہشام میں دیا ہوا ہے۔

شعر مذکور اسی قصیدے میں سے ہے۔ اس شعر میں ابوطالب قریش پر بچپن سے حضرت کے احسانات جتا رہا ہے۔ اور گویا کہہ رہا ہے کہ ایسے قدیم بابرکت محسن کے درپے آزار کیوں ہو؟ (مواہب و زرقانی)

شام کا پہلا سفر:

جب حضرت کی عمر مبارک بارہ سال کی ہوئی تو ابو طالب حسب معمول قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو جانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ حضرت ابوطالب سے لپٹ گئے۔ اس لیے حضرت ابوطالب نے آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے لیا۔

جب قافلہ شہر بُصریٰ میں پہنچا تو وہاں بحیرا راہب نے آپ ﷺ کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، یہ سارے جہان کا سردار ہے۔ رب العالمین کا رسول ہے۔ اللہ اس کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گا۔

قریشیوں نے پوچھا تجھے یہ کیوں کر معلوم ہوا۔ اس نے کہا کہ جس وقت تم گھاٹی سے چڑھے کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا۔ درخت اور پتھر پیغمبر کے سوا کسی دوسرے شخص کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے پھر اس راہب نے کھانا تیار کیا۔ جب وہ ان کے پاس کھانا لایا تو حضرت اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔

اس نے کہا، آپ ﷺ کو بلالو۔ آپ ﷺ آئے تو بادل نے آپ ﷺ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ جب آپ ﷺ قوم کے نزدیک آئے تو ان کو درخت کے سایہ کی طرف آگے بڑھے ہوئے پایا جس وقت آپ ﷺ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ ﷺ کی طرف ہٹ آیا۔ پھر کہا:

"تمہیں خدا کی قسم بتاؤ ان کا ولی کون ہے؟"

انہوں نے کہا ابو طالب۔ پس اس نے ابو طالب سے بتاکید تمام کہا کہ ان کو مکہ واپس لے جاؤ۔ کیونکہ اگر تم آگے بڑھو گے تو ڈر ہے کہیں یہودی ان کو قتل کر دیں۔

لہٰذا ابو طالب آپ ﷺ کو واپس لے آیا۔ اور شہر بُصریٰ سے آگے نہ بڑھے اور اس راہب نے حضرت کو خشک روٹی اور زیتون کا تیل زادِ راہ دیا۔

(الخصائص الکبریٰ جلد ا ص ۴۸)

حربِ فجار میں شرکت:

آغازِ اسلام سے پہلے عرب میں جو لڑائیاں ان مہینوں میں پیش آتی تھیں جن میں لڑنا ناجائز تھا حروب فجار کہلاتی تھیں۔ چوتھی یعنی اخیر حرب فجار میں حضور اقدس ﷺ نے بھی شرکت فرمائی تھی۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ ہر سال اپنا تجارتی مال بازار عکاظ میں فروخت ہونے کے لیے اشراف عرب میں سے کسی کی پناہ میں بھیجا کرتا تھا۔ اس دفعہ جو اس نے اونٹ لدوا کر تیار کیے۔

اتفاقاً عرب کی ایک جماعت اس کے پاس حاضر تھی جن میں بنی کنانہ میں سے براض اور ہوازن میں سے عروہ رحال موجود تھا۔

نعمان نے کہا: اس قافلہ کو کون پناہ دے گا؟

براض بولا: میں بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔

نعمان نے کہا میں ایسا شخص چاہتا ہوں جو اہل نجد تہامہ سے پناہ دے۔ یہ سن کر عروہ نے کہا:

اكلب خليع يجير هالك

"کیا راندہ قوم کتا تیرے قافلے کو پناہ دے گا؟"

(عقد الفرید لابن عبد ربہ)

میں اہل نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔

براض نے کہا اے عروہ کیا تو بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟

عروہ نے کہا: تمام مخلوق سے۔

پس عروہ اس قافلہ کے ساتھ نکلا۔ براض بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پا کر عروہ کو ماہ حرام میں قتل کر ڈالا۔ ہوازن نے قصاص میں براض کو قتل کرنے سے انکار کیا۔ کیونکہ عروہ ہوازن کا سردار تھا۔ وہ قریش کے کسی سردار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش نے منظور نہ کیا۔ اس لیے قریش و کنانہ اور ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔

کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کا باپ اور حضرت امیر معاویہ کا دادا تھا۔ اور ہوازن کا سپہ سالار اعظم مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ لشکر کنانہ کے ایک پہلو پر عبداللہ بن جدعان اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ اس جنگ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔

ان میں سے ایک میں حضور ﷺ کے چچا آپ ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ مگر آپ ﷺ نے خود لڑائی نہیں کی۔ بلکہ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے۔ چنانچہ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

و کنت انبل علی اعمامی

"اور میں تیر اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے رہا تھا۔"

بعضے کہتے ہیں آپ ﷺ نے بھی تیر پھینکے تھے۔ بہرحال اخیر میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

حلف الفضول میں شرکت:

جب قریشی حرب فجار سے واپس آئے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شہر زبید کا ایک

شخص اپنے مالِ تجارت مکہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبد الدار و مخزوم و جمح و سہم و عدی بن کعب سے مدد مانگی مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کیا۔ پھر اس نے جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی۔ جسے قریش کعبہ میں سن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضور نبی کریم ﷺ کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنو ہاشم زہرہ اور بنو اسد بن عبد العزیٰ سب عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور باہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے اور مظالم واپس کرا دیا کریں گے اس کے بعد وہ سب عاص بن وائل کے پاس گئے اور ان سے زبیدہ کا مال واپس کرایا۔

اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت مکہ میں بریں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسانی کیا کریں گے۔ اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا۔ جن میں سے فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لیے اس کو "حلف الفضول" سے موسوم کیا گیا تھا۔

اس معاہدہ قریش میں آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں اسے نہ توڑتا اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں پسند نہ کرتا۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم ال حلف الفضول کہہ کر پکارے تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔

شام کا دوسرا سفر:

جب حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی تو آپ ﷺ کے صدق و امانت کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ ﷺ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو ایک معزز مالدار خاتون تھیں آپ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں، آپ ﷺ کو اس کا مضاعف دوں گی۔

حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور مالِ تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ ﷺ کے ساتھ تھا جو آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور آپ ﷺ کی ضروریات کا متکفل تھا۔

جب آپ ﷺ شام میں پہنچے تو بازار بُصرٰے میں ایک راہب نسطورا نام کی خانقاہ کے نزدیک اترے۔ وہ راہب میسرہ کی طرف آیا اور اسے جانتا تھا۔ کہا:

"اے میسرہ! یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اترا ہے۔"

میسرہ نے کہا۔ اہل حرم میں سے قریش سے ہے راہب نے کہا۔ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترا۔ پھر اس نے پوچھا۔ کیا اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے۔

میسرہ نے جواب دیا ہاں۔ اور کبھی دور نہیں ہوتی۔ یہ سن کر راہب بولا:

"یہ وہی ہیں اور یہی آخر الانبیاء ہیں۔ کاش میں ان کو پاؤں جس وقت یہ مبعوث ہوں گے۔"

اور میسرہ سے کہا کہ:

"ان سے جدا نہ ہونا اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا، کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے۔"

حضرت بازار بُصرٰ ے میں خرید وفروخت کر کے مکہ واپس آئے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو عورتوں کے درمیان ایک بالا خانے میں بیٹھی تھی آپ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا تو دو فرشتے آپ ﷺ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کیے ہوئے تھے میسرہ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ میں نے تمام سفر میں آپ ﷺ کا یہی حال دیکھا ہے اور اس راہب کے قول ووصیت کی خبر دی۔

اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں بے پناہ نفع دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو دیکھا اور سنا اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ بے شک ساری مخلوق کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ (سیرت رسول عربی ﷺ از مولانا نور بخش توکلی)

ابن سعد کی روایت میں ہے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت قریش کے تمام سامان کے برابر ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی خواہش ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو سامانِ تجارت دے کر بھیجیں جو ایماندار ہوں اور منافع کا درست حساب کرنے والے ہوں۔

حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس ہو چکی تھی اور حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جب حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کو بلایا اور دورانِ گفتگو کہا۔

> "آپ ﷺ میرا سامان تجارت کی غرض سے لے کر ملک شام جائیں۔ میں اپنا مال لے جانے کا جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں آپ ﷺ کی امانت اور دیانت کی بدولت اس سے دوگنا

معاوضہ دوں گی۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش کو قبول کرلیا۔ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سامانِ تجارت کے ساتھ اپنے ایک خاص غلام "میسرہ" کو بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ملک شام روانہ کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ سامانِ تجارت لے کر ملک شام روانہ ہوئے تو اس سفر میں ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا۔

جب آپ ﷺ سامانِ تجارت لے کر ملک شام کے مشہور بازار بصری پہنچے تو وہاں ایک راہب نسطورا سے ملاقات ہوئی۔

نسطورا جو کہ میسرہ کو جانتا تھا اس نے میسرہ سے دریافت کیا۔

"یہ تمہارے ساتھ آنے والے کون ہیں؟"

روایات میں آتا ہے اس وقت حضور نبی کریم ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے۔میسرہ نے کہا۔

"ان کا نام محمد (ﷺ) ہے اور یہ صادق اور امین کے لقب سے مشہور ہیں ان کا تعلق قریش کے مشہور قبیلے بنوہاشم سے ہے۔"

نسطورا نے جب میسرہ کی باتیں سنیں تو کہنے لگا۔

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں آیا، مجھے یقین ہے یہ آخری نبی ہیں اور آخری نبی کی جو نشانیاں میں نے تورات اور انجیل میں پڑھی ہیں وہ سب مجھے ان میں نظر آرہی ہیں، کاش میں اس وقت زندہ ہوں جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے۔میں ان کی مدد کروں اور اپنی تمام زندگی ان کی خدمت میں بسر

کروں۔

اے میسرہ! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تم ان سے جدا نہ ہونا اور ان
کی خدمت کرنا کیونکہ یہ آخری نبی ہیں۔"

میسرہ نے دورانِ تجارت دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ سامانِ تجارت کو فروخت کرتے وقت لات وعزیٰ کی قسمیں نہ کھاتے تھے جبکہ دیگر تاجروں کی یہ عادت تھی کہ وہ مال کی اہمیت بڑھانے کے لئے لات وعزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی نیک عادات اور سچ بولنے کی عادت کی وجہ سے بصری کے لوگ آپ ﷺ کے اخلاق واوصافِ حمیدہ کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ اگرچہ سالارِ قافلہ تھے مگر قافلے کے دیگر لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ انتہائی نرم اور مشفق تھا اور وہ سب آپ ﷺ کی تعریف کرتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بصری میں تمام سامانِ تجارت فروخت کیا اور مکہ مکرمہ واپس روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت ایک بالا خانے میں موجود تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا اور اس وقت آپ ﷺ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھے۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ منظر دیکھا تو طبیعت میں ایک بے چینی پیدا ہوئی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس سے سفر کے متعلق دریافت کیا۔ میسرہ نے سفر میں پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات اور راہب نسطورا کی باتوں کے متعلق بتایا۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے غلام میسرہ کی باتیں سنیں تو

آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور ﷺ کی عزت و تکریم پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم ﷺ کی ملاقات ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے سامانِ تجارت کی خرید و فروخت سے آگاہ کیا اور جب آپ رضی اللہ عنہا کو مال میں بہت زیادہ منافع کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے وعدہ کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کو دوگنا معاوضہ دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰۔ تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۶)

ورقہ بن نوفل کا مشورہ:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے غلام میسرہ کی باتیں سنیں تو آپ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو کہ تورات اور انجیل کے عالم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کی بتائی ہوئی باتیں انہیں بتائیں تو ورقہ بن نوفل کہنے لگے۔

"اگر یہ حقیقت ہے تو یہ تورات اور انجیل میں مذکور اس آخری نبی کی جانب اشارہ ہے اور وہ نبی یقیناً محمد (ﷺ) ہی ہیں۔"

اُم المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب ورقہ بن نوفل کی باتیں سنیں تو دل میں حضور نبی کریم ﷺ سے شادی کی خواہش پیدا ہوئی۔

(عیون الاثر جلد اول صفحہ ۱۲۰)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا خواب:

کتب سیر میں منقول ہے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب ان کے گھر میں اتر آیا اور پھر مکہ مکرمہ کے تمام گھر اس کی روشنی سے

منور ہو گئے اور آپ رضی اللہ عنہا نے اس خواب کا ذکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر بیان کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری شادی نبی آخرالزمان ﷺ سے ہوگی۔"

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح:

اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں۔ ان کی دو شادیاں ہو چکی تھیں۔ ان کی پاکدامنی کے سبب لوگ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے امورِ مذکورہ بالا کو مدنظر رکھ کر واپس آنے کے قریباً تین مہینے بعد یعلے بن منیہ کی بہن نفیسہ کی وساطت سے آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے اس درخواست کی خبر اپنے چچاؤں کو دی۔ انہوں نے قبول کیا۔ پس تاریخ معین پر ابو طالب اور امیر حمزہ اور دیگر روسائے خاندان خدیجہ کے مکان پر گئے۔ اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کر دیا۔

شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی پہلی شادی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آنحضرت نے چند شادیاں اور کیں۔ تمام ازواج مطہرات کا مہر پانسو درہم ہی مقرر ہوا۔ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن سے ہوئی صرف ایک صاحب زادے جن کا نام ابراہیم تھا حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے جو سنہ آٹھ ہجری میں پیدا ہوئے اور سنہ دس ہجری میں انتقال فرما

گئے۔(سیرت رسول عربی ﷺ از مولانا نور بخش توکلی)

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ کو بیان کیا ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کا پیغام دیتے وقت کہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا۔

"میں آپ ﷺ کے اچھے اخلاق، دیانت وایمانداری اور سچائی کی بدولت پسند کرتی ہوں اور آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شادی کے پیغام کے متعلق اپنے چچا جناب ابوطالب اور خاندان کے دیگر معتبر لوگوں سے مشورہ کیا اور تمام خاندان والوں نے اس رشتے کو قبول کرلیا۔ جناب ابوطالب نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا۔

"تم ان سے ضرور نکاح کرو اس سے لوگوں کی نظروں میں تمہاری عزت میں اضافہ ہوگا اور بھلائی کے کام جو تم کرتے ہو اس میں تمہیں کامیابی حاصل ہوگی۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے جب خاندان والوں کی رضامندی حاصل کرلی تو حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کی قبولیت کا پیغام بھیجا۔ پھر وقت مقررہ پر حضور نبی کریم ﷺ اپنے چچاؤں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور جناب ابوطالب اور دیگر معززین کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے جہاں حضور نبی کریم ﷺ کا نکاح آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ ہیں۔ نکاح کا خطبہ جناب

ابوطالب نے پڑھایا جس کا ترجمہ ذیل ہے۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بنایا۔ اس نے ہمیں معد اور مضر کے خاندان میں پیدا فرمایا اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ بنایا۔ اس نے ہمیں علم وحکمت والا گھر عطا فرمایا جس کا حج کیا جاتا ہے اور یہ ایسا گھر ہے جو امن والا ہے۔ اس نے ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر کیا۔ یہ میرے بھائی کا بیٹا محمد (ﷺ) ہے۔ یہ ایسا جوان ہے جس کا موازنہ قریش کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر چہ اس کے پاس مال نہیں ہے تو کیا ہوا مال تو ڈھلنے والی اور بدل جانے والی شے ہے۔ تم میرے بھتیجے کی قرابت اور محبت کو خوب جانتے ہو۔ وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) بنت خویلد سے نکاح کرتا ہے اور مہر بیس اونٹ مقرر کیا گیا ہے۔ میرے بھتیجے کا مستقبل نہایت شاندار ہے اور یہ بلند مرتبہ کا حامل ہوگا۔"

جناب ابوطالب جب خطبہ پڑھ چکے تو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کھڑے ہوئے اور انہوں نے ذیل کا خطبہ دیا۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں وہ فضیلت عطا کی جس کا ذکر جناب ابوطالب نے کیا۔ بے شک ہم عرب کے سردار ہیں اور کوئی بھی قبیلہ ہماری فضیلت سے انکار نہیں کرتا۔ بے شک ہم لوگوں نے آپ کے ساتھ رشتہ کرنے کو پسند کیا۔ اے قریش! تم

گواہ رہو کہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) بنت خویلد کو ہم نے محمد (ﷺ) بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں دیا۔"

روایات میں آتا ہے کہ جب ورقہ بن نوفل خطبہ ارشاد فرما چکے تو عمرو بن اسد جو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سرپرست تھے ان سے جناب ابوطالب نے کہا کہ وہ اس نکاح کی توثیق کریں جس پر عمرو بن اسد نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اے قریش! گواہ رہنا کہ میں نے خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح محمد (ﷺ) بن عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے کیا۔"

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۵ تا ۴۶)

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کے بعد اپنا تمام مال آپ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کے بعد ولیمہ کی دعوت بھی کی جس میں آپ ﷺ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی شاندار دعوت کی۔ شادی کے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس تھی جبکہ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔

(زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۲۰)

تعمیر کعبہ اور آپ ﷺ کی تحکیم:

ابتدائے عالم سے اس وقت تک خانہ کعبہ کی تعمیر پانچ مرتبہ ہوئی۔ اول بار حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔ دلائل بیہقی میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت جبرئیل کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تعمیر بیت اللہ کا حکم دے کر بھیجا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام اس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ہوا کہ اس گھر کا

طواف کرو اور یہ ارشاد ہوا کہ تم پہلے انسان ہو اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔(ابن حجر فتح الباری ج۶ ص ۲۸۵)

جب نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا تو بیت اللہ کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک یہی حالت رہی۔ اس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کا حکم ہوا کیونکہ بنیادوں کے نشان بھی باقی نہ رہے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے آکر بنیادوں کے نشان بتلائے تو حضرت خلیل اللہ نے حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کی اعانت وامداد سے تعمیر شروع کی۔

تیسری بار بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب آپ ﷺ کی عمر شریف پینتیس سال کی تھی، قریش نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ بناء ابراہیمی میں خانہ کعبہ غیر مسقف تھا، دیواروں کی بلندی کچھ زیادہ نہ تھی۔ قدِآدم سے کچھ زائد نو ہاتھ کی مقدار میں تھی۔ مرور زمانہ کی وجہ سے بہت بوسیدہ ہو چکا تھا نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کا تمام پانی اندر بھر جاتا تھا، اس لئے قریش کو اس کی تعمیر کا از سرنو خیال پیدا ہوا۔

جب تمام روساء قریش اس پر متفق ہو گئے کہ بیت اللہ کو منہدم کر کے از سرنو بنایا جائے تو ابو وہب بن عمرو مخزومی (رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد کے ماموں) کھڑے ہوئے اور قریش سے مخاطب ہو کر یہ کہا کہ دیکھو بیت اللہ کی تعمیر میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ کسب حلال ہو اور زنا، چوری اور سود وغیرہ کا کوئی پیسہ اس میں شامل نہ ہو، صرف حلال مال اس کی تعمیر میں لگایا جائے۔

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے گھر میں پاک ہی پیسہ لگاؤ۔ اور اس خیال سے کہ تعمیرِ بیت اللہ کے شرف سے کوئی محروم نہ رہ جائے، اس لئے تعمیرِ بیت اللہ کو مختلف قبائل پر تقسیم کر دیا کہ فلاں قبیلہ بیت اللہ کا فلاں حصہ تعمیر کرے

اور فلاں قبیلہ فلاں حصہ تعمیر کرے۔

دروازے کی جانب بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصہ میں آئی، حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنی مخزوم اور دیگر قبائل قریش کے حصہ میں آیا، بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور بنی سہم کے حصہ میں آئی اور حطیم بنی عبد الدار بن قصی، بنی اسد اور بنی عدی کے حصہ میں آیا۔ اسی اثنا میں قریش کو یہ خبر لگی کہ ایک تجارتی جہاز جدہ کی بندرگاہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا ہے۔

ولید بن مغیرہ سنتے ہی جدہ پہنچا اور اس کے تختے خانہ کعبہ کی چھت کے لئے حاصل کر لئے۔ اس جہاز میں ایک رومی معمار بھی تھا۔ جس کا نام باقوم تھا۔ ولید نے تعمیرِ بیت اللہ کے لئے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔ قال الحافظ فی الاصابہ رجالہ ثقات مع ارسالہ۔ (ابن حجر الاصابہ (۸۵۳) ج ۱ ص ۱۳۷)

ان مراحل کے بعد جب قدیم عمارت کے منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ بیت اللہ کے ڈھانے کے لئے کھڑا ہو۔ بالآخر ولید بن مغیرہ پھاوڑا لے کر کھڑا ہوا اور یہ کہا کہ:

اللھم لا نرید الا الخیر

"اے اللہ ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں۔"

معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں اور یہ کہہ کر حجرِ اسود اور رکن یمانی کی طرف سے ڈھانا شروع کیا۔ اہل مکہ نے کہا کہ رات انتظار کرو کہ ولید پر کوئی آسمانی بلا تو نازل نہیں ہوتی، اگر اس پر کوئی بلائے آسمانی اور آفت ناگہانی نازل ہوئی تو ہم بیت اللہ کو پھر اصلی حالت پر بنا دیں گے ورنہ ہم بھی ولید کے معین و مددگار ہوں گے۔ صبح ہوئی کہ ولید صحیح و سالم پھر پھاوڑا لے کر حرم محترم میں آپہنچا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے اس فعل

سے اللہ راضی ہے اور سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب مل کر دل و جان سے اس کام میں شریک ہو گئے اور یہاں تک کھودا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نمودار ہو گئیں۔

ایک قریشی نے جب بنیاد ابراہیمی پر پھاوڑا چلایا تو دفعۃً تمام مکہ میں ایک سخت دھماکہ ظاہر ہوا جس کی وجہ سے آگے کھودنے سے رک گئے اور انہیں بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ تقسیم سابق کے مطابق ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے تعمیر شروع کی۔ جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ تلواریں کھنچ گئیں اور لوگ جنگ و جدال اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔

جب چار پانچ روز اسی طرح گزر گئے اور کوئی بات طے نہ ہوئی تو ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور سن رسیدہ تھا، یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے مسجد حرام کے دروازے سے داخل ہو، اسی کو اپنا حکم بنا کر فیصلہ کرالو۔ سب نے رائے کو پسند کیا۔ صبح ہوئی اور تمام لوگ حرم میں پہنچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سب سے پہلے آنے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی سب کی زبانوں سے بے ساختہ یہ لفظ نکلے۔

هذا محمد الامين رضينا هذا محمد الامين

"یہ تو محمد امین ہیں، ہم ان کے حکم بنانے پر راضی ہیں۔ یہ تو محمد امین ہیں۔"

آپ نے ایک چادر منگوائی اور حجرِ اسود کو اس میں رکھ کر یہ فرمایا کہ ہر قبیلہ کا سردار چادر کو تھام لے تا کہ اس شرف سے کوئی قبیلہ محروم نہ رہے۔ اس فیصلہ کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی۔ جب سب کے سب اسی چادر کو اٹھائے اس جگہ پہنچے جہاں اس کو رکھنا تھا تو آپ بہ نفس نفیس آگے بڑھے اور اپنے دست مبارک سے

حجرِ اسود کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ (زرقانی شرح مواہب، ج ا: ص ۲۰۳ تا ۲۰۶۔ سیرۃ النبویہ ج ا ص ۲۰۱، ابن ہشام، سیرۃ النبی ج ا: ص ۲۱۰، سہیلی، روض الانف، ج ا: ص ۱۲۷، طبری، تاریخ الامم و الملوک، (۱۱۳۹/۱) ج ۲: ص ۲۹۰)

چوتھی بار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیت اللہ کو شہید کر کے ازسرِ نو تعمیر کرایا۔

پانچویں بار اس حجاج بن یوسف نے بنایا کہ اولین اور آخرین میں جس کے جور و ستم اور ظلم و تعدی کی نظیر نہیں۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ الفیہ السیر میں فرماتے ہیں:

و اذ بنت قریش البیت اختلف
ملاهم تنازعا حتی وقف
امرهم فیمن یکون یضع
الحجر الاسود حیث یوضع
اذ جاء قالوا کلهم رضینا
لوضعه محمدا الامینا
فحط فی ثوب و قال یرفع
کل قبیل طرفا فرفعوا
ثمة اودع الامین الحجرا
مکانه و قد رضوا بما جری

(عراقی الفیہ السیر)

کعبہ کتنی بار تعمیر کیا گیا:

حضرت علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ مکہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "خانہ کعبہ" دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔

1. سب سے پہلے فرشتوں نے ٹھیک "بیت المعمور" کے سامنے زمین پر خانہ کعبہ کو بنایا۔
2. پھر حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر فرمائی۔
3. اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے فرزندوں نے اس عمارت کو بنایا۔
4. اس کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس مقدس گھر کو تعمیر کیا جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔
5. قوم عمالقہ کی عمارت۔
6. اس کے بعد قبیلہ جرہم نے اس کی عمارت بنائی۔
7. قریش کے مورثِ اعلیٰ "قصی بن کلاب" کی تعمیر۔
8. قریش کی تعمیر جس میں خود حضور ﷺ نے بھی شرکت فرمائی اور قریش کے ساتھ خود بھی اپنے دوش مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔
9. حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضور ﷺ کے تجویز کردہ نقشہ کے مطابق تعمیر کیا۔ یعنی حطیم کی زمین کو کعبہ میں داخل کر دیا اور دروازہ سطح زمین کے برابر نیچا رکھا اور ایک دروازہ مشرق کی جانب اور ایک دروازہ مغرب کی سمت بنا دیا۔
10. عبدالملک بن مردان اموی کے ظالم گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کو ڈھا دیا

اور پھر زمانہ جاہلیت کے نقشہ کے مطابق کعبہ بنا دیا جو آج تک موجود ہے۔
لیکن علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ نئے سرے سے کعبہ کی تعمیر جدید صرف تین ہی مرتبہ ہوئی۔

١. حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تعمیر۔
٢. زمانہ جاہلیت میں قریش کی عمارت اور ان دونوں تعمیروں میں دو ہزار سات سو پینتیس (2735) برس کا فاصلہ ہے۔
٣. حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی تعمیر جو قریش کی تعمیر کے تقریباً بیاسی سال بعد ہوئی۔

حضرت ملائکہ اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کی تعمیرات کے بارے میں علامہ حلبی نے فرمایا کہ یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہی نہیں ہے۔ باقی تعمیروں کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ عمارت میں معمولی ترمیم، یا ٹوٹ پھوٹ کی مرمت تھی۔ تعمیر جدید نہیں تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(حاشیہ بخاری ج ا ص ٢١٥ باب فضل مکہ)

مخصوص احباب:

اعلان نبوت سے قبل جو لوگ حضور ﷺ کے مخصوص احباب و رفقاء تھے۔
اُن میں سب سے زیادہ مقرب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔ جو برسوں آپ ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں رہے اور تجارت نیز دوسرے کاروباری معاملات میں ہمیشہ آپ ﷺ کے شریک کار و راز دار رہے۔

اسی طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی حضرت حکیم بن خرام رضی اللہ عنہ جو قریش کے نہایت ہی معزز رئیس تھے اور جن کا ایک خصوصی شرف یہ ہے کہ ان کی

ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ یہ بھی حضور ﷺ کے مخصوص احباب میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ جو زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔

حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد یہ اپنے گاؤں سے مکہ آئے تو کفار قریش کی زبانی یہ پراپیگنڈہ سنا کہ محمد ﷺ مجنون ہو گئے ہیں پھر یہ دیکھا کہ حضور ﷺ راستہ میں تشریف لے جارہے ہیں اور آپ کے پیچھے لڑکوں کا ایک غول ہے جو شور مچا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو کچھ شعبہ پیدا ہوا اور پرانی دوستی کی بنا پر ان کو انتہائی رنج و قلق ہوا۔

چنانچہ یہ حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ میں طبیب ہوں اور جنون کا علاج کرسکتا ہوں۔ یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے خدا کی حمد و ثناء کے بعد چند جملے ارشاد فرمائے۔ جن کا حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے قلب پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ فوراً ہی مشرف با اسلام ہو گئے۔

(مشکوۃ باب علامات نبوۃ ص ۲۲۵، ومسلم ج ا ص ۲۸۵ کتاب الجمعہ)

حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ تجارت کے کاروبار میں آپ کے شریک کار رہا کرتے تھے اور آپ کے گہرے دوستوں میں سے تھے کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کا معاملہ اپنے تجارتی شرکاء کے ساتھ ہمیشہ نہایت ہی صاف ستھرا رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا پیش نہیں آتا تھا۔ (استیعاب ج ۲، ص ۵۳۷)

موحدین عرب سے تعلقات:

عرب میں اگرچہ ہر طرف شرک پھیل گیا تھا اور گھر گھر میں بت پرستی کا چرچا

تھا۔ مگر اس ماحول میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے جو توحید کے پرستار اور شرک و بت پرستی سے بیزار تھے۔ انہی خوش نصیبوں میں زید بن عمرو بن نفیل ہیں۔ یہ علی الاعلان شرک و بت پرستی سے انکار اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں۔ شرک و بت پرستی کے خلاف اعلان مذمت کی بنا پر ان کا چچا "خطاب بن نفیل" ان کو بہت زیادہ تکلیفیں دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کو مکہ سے شہر بدر کر دیا تھا اور ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ ہزاروں ایذاؤں کے باوجود عقیدہ توحید پر پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ کے دو شعر بہت مشہور ہیں جن کو یہ مشرکین کے میلوں اور مجمعوں میں با آواز بلند سنایا کرتے تھے

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ

اَدِیْنُ اِذَا تُقُسِّمَتِ الْاُمُوْرُ

تَرَکْتُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا

کَذَالِكَ یَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِیْرُ

"یعنی کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ایک ہزار رب کی؟ جب کہ لوگوں کے دینی معاملات تقسیم ہو چکے ہیں۔ میں نے تو لات و عزیٰ کو چھوڑ دیا ہے اور ہر بصیرت والا ایسا ہی کرے گا۔" (سیرت ابن ہشام ج ۲۲۶)

یہ مشرکین کے دین سے متنفر ہو کر دین برحق کی تلاش میں شام چلے گئے تھے۔ وہاں ایک یہودی عالم سے ملے۔ پھر ایک نصرانی پادری سے ملاقات کی اور جب آپ نے یہودی و نصرانی دین کو قبول کر لیا تو ان دونوں نے "دین حنیف" کی

طرف آپ کی رہنمائی کی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین تھا اور ان دونوں نے بھی بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی اور وہ ایک خدائے واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ یہ سن کر زید بن عمرو بن نفیل ملک شام سے مکہ واپس آگئے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر مکہ میں با آواز بلند یہ کہا کرتے تھے کہ اے لوگو! گواہ رہو کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہوں۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۵)

اعلان نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے ساتھ زید بن عمرو بن نفیل کا بڑا خاص تعلق تھا اور کبھی کبھی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتیں تھیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک مرتبہ وحی نازل ہونے سے پہلے حضور ﷺ کی مقام "بلدح" کی ترائی میں زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے دستر خوان پر کھانا پیش کیا۔

جب حضور ﷺ نے کھانے سے انکار کر دیا تو زید بن عمرو بن نفیل کہنے لگے کہ میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا۔ میں صرف وہی ذبیحہ کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر قریش کے ذبیحوں کی برائی بیان کرنے لگے اور قریش کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ بکری کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے گھاس اُگائی۔ پھر اے قریش! تم بکری کو اللہ کے غیر (بتوں) کے نام پر ذبح کرتے ہو؟

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے کہتے تھے کہ اے جماعت قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں سے کوئی بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر نہیں ہے۔

(بخاری جلد ۱، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل ص ۵۴۰)

کاروباری مشاغل:

حضور اقدس ﷺ کا اصل خاندانی پیشہ تجارت تھا اور چونکہ آپ بچپن ہی میں ابوطالب کے ساتھ کئی تجارتی سفر فرما چکے تھے۔ جس سے آپ کو تجارتی لین دین کا کافی تجربہ بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے ذریعہ معاش کے لئے آپ نے تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا اور تجارت کی غرض سے شام بصریٰ اور یمن کا سفر فرمایا اور ایسی راستبازی اور امانت و دیانت کے ساتھ آپ نے تجارتی کاروبار کیا کہ آپ کے شرکاء کار اور تمام اہلِ بازار آپ کو "امین" کے لقب سے پکارنے لگے۔

ایک کامیاب تاجر کے لئے امانت، سچائی، وعدہ کی پابندی، خوش اخلاقی تجارت کی جان ہیں۔ ان کی خصوصیات میں مکہ کے تاجر امین نے جو تاریخی شاہکار پیش کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں نادر روزگار ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے آپ سے کچھ خرید و فروخت کا معاملہ کیا۔ کچھ رقم میں نے ادا کی، کچھ باقی رہ گئی تھی۔ میں نے وعدہ کیا کہ میں ابھی ابھی آ کر باقی رقم بھی ادا کروں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔

تیسرے دن جب میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ تو حضور ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ مگر میری اس وعدہ خلافی سے حضور ﷺ کے ماتھے پر اک ذرہ بل نہیں آیا۔ بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۳۴ باب فی العدۃ، مجتبائی)

اسی طرح ایک صحابی حضرت سائب رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے ان سے حضور ﷺ کے "خلق عظیم" کا تذکرہ کرنا شروع کیا تو

انہوں نے فرمایا کہ میں حضور ﷺ کو تم لوگوں سے زیادہ جانتا ہو۔اعلان نبوت سے پہلے آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ معاملہ اتنا صاف اور ستھرا رکھا کہ کبھی بھی کوئی تکرار یا تو تو میں میں کی نوبت نہیں آئی۔

(سنن ابوداؤد ج ۲،ص ۷ا۳ باب کراہتہ المراد مجتبائی)

غیر معمولی کردار:

حضور اقدس ﷺ کا زمانہ طفولیت ختم ہوا اور جوانی کا زمانہ آیا تو بچپن کی طرح آپ ﷺ کی جوانی بھی عام لوگوں سے نرالی تھی۔آپ ﷺ کا شباب مجسم حیاء اور چال چلن عصمت ووقار کا کامل نمونہ تھا۔

اعلان نبوت سے قبل حضور ﷺ کی تمام زندگی بہترین اخلاق و عادات کا خزانہ تھی۔سچائی، دیانتداری، وفاداری، عہد کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت، رشتہ داروں سے محبت، رحم وسخاوت، قوم کی خدمت، دوستوں سے ہمدردی، عزیزوں کی غمخواری، غریبوں اور مفلسوں کی خبر گیری، دشمنوں کے ساتھ نیک برتاؤ مخلوق خدا کی خیر خواہی۔

غرض تمام نیک خصلتوں اور اچھی اچھی باتوں میں آپ ﷺ اتنی بلند منزل پر پہنچے ہوئے تھے کہ دنیا کے بڑے سے بڑے انسانوں کیلئے وہاں تک رسائی تو کیا؟ اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔

کم بولنا،فضول باتوں سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور خوش روئی کے ساتھ دوستوں اور دشمنوں سے ملنا۔ ہر معاملہ میں سادگی اور صفائی کے ساتھ بات کرنا۔حضور ﷺ کا خاص شیوہ تھا۔

حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب خوری، بدکاری، ناچ گانا، لوٹ مار،

چوری، فحش گوئی، عشق بازی، یہ تمام بُری عادتیں اور مذموم خصلتیں جو زمانہ جاہلیت میں گویا ہر بچے کے خمیر میں ہوتی تھیں حضور ﷺ کی ذات گرامی ان تمام عیوب و نقائص سے پاک صاف رہی۔

آپ ﷺ کی راست بازی اور امانت و دیانت کا پورے عرب میں شہرہ تھا اور مکہ کے ہر چھوٹے بڑے کے دلوں میں آپ کے برگزیدہ اخلاق کا اعتبار اور سب کی نظروں میں آپ کا ایک خاص وقار تھا۔

بچپن سے تقریباً چالیس برس کی عمر شریف ہوگئی۔ لیکن زمانہ جاہلیت کے ماحول میں رہنے کے باوجود تمام مشرکانہ رسومات اور جاہلانہ اطوار سے ہمیشہ آپ ﷺ کا دامن عصمت پاک ہی رہا۔ مکہ شرک و بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔

خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے خاندان والے ہی کعبہ کے متولی اور سجادہ نشین تھے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے کبھی بھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔

غرض نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی مقدس زندگی اخلاص حسنہ اور محاسنہ افعال کا مجسمہ اور تمام عیوب و نقائص سے پاک و صاف رہی۔
چنانچہ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کے دشمنوں نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی ادنیٰ سا عیب یا ذرا سی خلاف تہذیب کوئی بات آپ ﷺ کی زندگی میں کسی دور میں بھی مل جائے تو اس کو اچھال کر آپ کے وقار پر حملہ کر کے لوگوں کی نگاہوں میں آپ ﷺ کو ذلیل و خوار کر دیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ ہزاروں دشمن سوچتے تھک گئے لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں مل سکا جس سے وہ آپ ﷺ پر انگشت نمائی کر سکیں۔

لہٰذا ہر انسان اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہے کہ بلاشبہ حضور ﷺ کا

کردار انسانیت کا ایک ایسا محیر العقول اور غیر معمولی کردار ہے۔ جو نبی کے سوا کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سعید روحیں آپ ﷺ کا کلمہ پڑھ کر تن من دھن کے ساتھ اس طرح آپ ﷺ پر قربان ہونے لگیں کہ ان کی جان نثاریوں کو دیکھ کر شمع کے پروانوں نے جاں نثاری کا سبق سیکھا اور حقیقت شناس لوگ فرط عقیدت سے آپ ﷺ کے حسن صداقت پر اپنی عقلوں کو قربان کر کے آپ ﷺ کے بتائے ہوئے اسلامی راستہ پر عاشقانہ اداؤں کے ساتھ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ۔

چلو وادیٔ عشق میں پا برہنہ!
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

نبوت کا طلوع شمس:

جب سیدنا محبوب العالمین ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کو پہنچی، یہی پیغمبروں کی بعثت کی عمر ہے اور یہی سن کمال ہے۔ تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے چاہا کہ روئے زمین کے باشندوں پر اس رحمت کا فیضان ہو۔

غارِ حرا:

سیدنا نبی رحمت ﷺ "غارِ حرا" میں، جسے آج کل "جبل نور" کہا جاتا ہے میں خلوت نشین تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت سے مشرف فرمایا۔

جبل نور میں سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی آمد:

۱۷ رمضان کو سیدنا رسول رحمت ﷺ کے اکتالیس سال کا واقعہ ہے۔ (مطابق ۶- اگست ۶۱۰ء) جو حالت بیداری اور شعور کی حالت میں پیش آیا کہ سیدنا

حبیب کبریا ﷺ کے سامنے سیدنا جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے۔

(نبی رحمت ﷺ از مولانا ابوالحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیرت حلبیہ جلد دوم)

سیدنا جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا:

"اے محمد (ﷺ)! آپ کو خوش خبری ہو، میں جبرائیل ہوں اور آپ ﷺ اس اُمت کے نبی ہیں۔"

اس کے بعد سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے ایک ریشمی رومال نکالا، جس پر جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس رومال کو سیدنا نبی رحمت ﷺ کے ہاتھ پر رکھ کر کہا۔

"پڑھئے!"

سیدنا خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں اور نہ اس تحریر کو جانتا ہوں۔"

اس کے بعد سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے مجھے اپنے سینے سے لگا کر اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے سخت تھکن ہوگئی۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے تین مرتبہ ایسا ہی کیا۔ اور ہر مرتبہ مجھے پڑھنے کا فرماتے تھے۔

غرض اس کے بعد سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ (سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: "آپ (ﷺ) اپنے پروردگار کے نام کی مدد سے پڑھئے جو خالق ہے تمام کائنات کا خصوصاً انسان کا جس کو خون کے

لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپ پڑھیے کہ آپ کا رب بہت ہی کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھلایا اور انسان کو وہ چیزیں بتلائیں جن کو وہ نہیں جانتا۔"

(سیرت حلبیہ جلد دوم۔ سیرت المصطفیٰ ﷺ از حضرت ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "نبی رحمت ﷺ" میں وحی کے نزول کے بعد سیدنا شفیع الامم ﷺ کی کیفیت کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ اس عجیب واقعہ سے خوف زدہ ہو گئے۔ اس لئے کہ ایسا نہ کبھی آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا اور نہ آپ ﷺ نے اس طرح کی بات کبھی سنی تھی۔ نبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عہد پر ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوا اور آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

شدتِ خوف سے آپ ﷺ کے شانہ مبارک پر کپکپی طاری تھی۔ آپ ﷺ نے پہنچتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھے جلد اوڑھا دو، مجھے جلد اوڑھا دو (مراد چادر کے)، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ ایک عقل مند اور ذی شعور خاتون تھیں۔ نبوت، انبیاء اور فرشتوں کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ اپنے چچا زاد بھائی وَرقہ بن نوفَل کے پاس (جنہوں نے عیسائیت قبول کرلی تھی، صحف سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور اہل توریت اور اہل انجیل سے ان کی نشست و برخاست تھی) کبھی کبھی جایا کرتی تھیں اور اہلِ مکہ کی

نامناسب باتوں اور عادتوں کو پسند نہ کرتی تھیں۔ جن کو فطرتِ سلیم اور ذہن مستقیم رکھنے والا کوئی شخص طبعاً پسند نہ کرے گا۔

وہ آپ ﷺ کے رشتۂ زوجیت، شب و روز کی رفاقت اور آپ ﷺ کی ہر ظاہر و پوشیدہ چیز سے واقفیت نیز اس خصوصی اعتماد تعلق کی وجہ سے جو ان کو حاصل تھا، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ سے سب سے زیادہ واقف تھیں، آپ ﷺ کے شمائل و خصائل کو دیکھ کر ان کو اس کا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق ہر لمحہ آپ ﷺ کے شامل حال ہے۔

آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے منتخب و مقبول بندے ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت بھی محبوب و پسندیدہ سیرت ہے، اور جو شخص ایسے اخلاق اور ایسی سیرت اور ایسے اعلیٰ و پاکیزہ خصائل کا حامل ہو گا، اس پر کسی شیطان یا جن اور آسیب کا اثر ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و شفقت سے بعید اور اس کی سنّتِ جاریہ کے منافی ہے۔ انہوں نے بڑے یقین و اعتماد کے لہجہ میں اور پوری قوت کے ساتھ کہا:

> "ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرے گا، آپ صلۂ رحمی اور رشتہ داری کا پاس و لحاظ کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت و خاطر مدارات کرتے ہیں، راہِ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔" (نبی رحمت ﷺ از ابوالحسن علی ندوی)

ورقہ بن نوفل سے ملاقات:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل تورات اور انجیل کا عالم تھا۔

ورقہ بن نوفل نے جب آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو کہا۔

"یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا تھا۔
کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ
کو مکہ مکرمہ سے نکال دے گی۔"

حضور ﷺ نے جب ورقہ بن نوفل کی باتیں سنیں تو آپ ﷺ کو یقین ہو گیا مجھے جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سخت ہیں اور یہ راستہ کٹھن ہے۔ اب میرے اپنے میرے مخالف ہو جائیں گے اور میری تکذیب کریں گے۔

ابو میسرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا۔

"میں آپ ﷺ کو بشارت دیتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ ہی وہی نبی ہیں جن کی مسیح علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ﷺ بھی موسیٰ علیہ السلام کی مانند نبی ہیں اور اللہ عزوجل عنقریب آپ ﷺ کو جہاد کا حکم دے گا۔"

(صحیح بخاری جلد اول کتاب الوحی حدیث ۳)

اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی تا کہ آپ ﷺ کا شوق و انتظار زیادہ ہو جائے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ (مدثر: ۱ تا ۵)

"اے لحاف میں لپٹے اٹھ کھڑا ہو۔ پس ڈرسنا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔"

آغاز دعوت:

قم فانذر سے آپ پر دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی۔ مگر اعلان دعوت کا حکم نہ آیا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے پہلے خفیہ طور سے ان لوگوں کو دعوت اسلام دی جن پر آپ ﷺ کو اعتماد تھا اور جو آپ ﷺ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔

اس دعوت پر کئی مرد و زن ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، آزاد کیے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایمان لاتے ہی دعوت اسلام شروع کر دی۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ۔ یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کی ترغیب سے مشرف باسلام ہوئے۔

ان کے بعد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، ابو ذر غفاری ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، عبیدہ بن حارث حصین رضی اللہ عنہ والد عمران بن حصین، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ وغیرہ ہم سابقین اولین کے زمرہ میں شامل ہوئے۔

اور عورتوں میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب ہمشیرہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا، اسماء بنت سلامہ رضی اللہ عنہا، تمیمیہ رضی اللہ عنہا، اسماء بنت عمیس خشعمیہ رضی اللہ عنہا، فاطمہ

بنت المجلل قرشیہ عامریہ رضی اللہ عنہا، فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا، رملہ بنت ابی عوف رضی اللہ عنہا اور امینہ بنت خلف خزاعیہ رضی اللہ عنہا، سابقات الی الاسلام میں سے ہیں۔

لیکن یہ سب کچھ جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نماز بھی شعاب مکہ میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور کچھ اصحاب مکہ کے کسی شعب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے دیکھ کر اس فعل کو برا کہا۔ پس باہم لڑائی ہوگئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کے تالو کی ہڈی ان نابکاروں میں سے ایک پر ماری اور سر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب دار ارقم میں جو کوہ صفا کے نشیب میں تھا رہتے اور وہیں نماز پڑھتے۔

تبلیغ علی الاعلان:

خفیہ دعوت کو جب تین سال ہو چکے تو اعلان کا حکم اس طرح آیا:

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾ (سورۂ حجر)

"پس تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے کنارہ کر۔"

نیز حکم آیا:

وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء: ۲۱۴)

"اور ڈرا اپنے نزدیک کے ناطے والوں کو۔"

اس پر آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبیلہ قریش کے بطون کو یوں پکارا۔ یا بنی فہر یا بنی عدی یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آسکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجتا تا کہ دیکھے کہ یہ پکار کیسی ہے۔ پس ابولہب اور قریش آ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بتاؤ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت وتاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آجائے گا؟"

وہ بولے:

"ہاں۔ کیوں کہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔"

اس پر ابولہب بولا:

"تجھ پر آئندہ ہمیشہ ہلاک وزیاں ہو۔ کیا اس کے لیے تو نے ہم کو جمع کیا ہے؟"

تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ (لہب: ۱، ۲)

"ہلاک ہوں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور ہلاک ہو وہ۔ کام نہ آیا اس کو مال اس کا اور نہ جو کچھ کمایا۔"

جب آنحضرت ﷺ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی اعلانیہ مذمت شروع کی تو سرداران قریش عتبہ وشیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس، ابوسفیان، ابوجہل ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اس کو منع کردو۔ یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس

سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔

آپ ﷺ نے تبلیغ کو جاری رکھا مگر قریش بجائے رو براہ ہونے کے آپ ﷺ سے عداوت زیادہ کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو آپ ﷺ سے لڑنے پر ابھارنے لگے۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"ابوطالب! بے شک ہم میں تیری قدر و منزلت ہے ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کر دو۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! ہم اپنے معبودوں اور آباؤ اجداد کی توہین گوارا نہیں کر سکتے۔ تم اس کو روک دو ورنہ وہ اور تم میدان میں آجاؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔"

وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔

ابوطالب نے حضور ﷺ کو بلا کر کہا:

"اے میرے بھتیجے! تیری قوم نے میرے پاس آ کر ایسا ایسا کہا ہے تو اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کر۔ اور مجھ امر مالایطاق کی تکلیف نہ دے۔"

یہ سن کر حضور نے بدیں خیال کہ اب میرے چچا نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میری مدد سے عاجز آگیا ہے یوں فرمایا:

"اے میرے چچا! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تا کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی میں اس کو نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں۔"

(سیرت ابن ہشام)

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید
یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

پھر آپ ﷺ آبدیدہ ہوئے اور رو پڑے۔ آپ ﷺ واپس ہوئے تو ابوطالب نے کہا:

"اے میرے بھتیجے! جو کچھ آپ چاہیں کہیں میں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔"

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب اس طرح نہیں مانتا۔ تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس آئے، کہنے لگے: اے ابوطالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت قوی اور خوبصورت نوجوان ہے۔ ہم یہ تجھے دیتے ہیں۔ تو اس کو اپنا بیٹا بنا لے۔ اور اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دے۔

ابوطالب نے کہا:

"اللہ کی قسم! تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو۔ کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے پالوں اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ اسے قتل کر ڈالو! اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہ ہوگا۔"

یہ سن کر قریش اور بھی برافروختہ ہو گئے وہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید مذکور فصاحت و بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ ایام حج قریب تھے ولید و قریش میں یوں گفتگو ہوئی:

ولید: اے گروہ قریش! حج کا موسم آ گیا ہے۔ عرب کے قبائل تمہارے پاس آئیں گے جنہوں نے تمہارے صاحب کا حال سن لیا ہے۔ اس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو۔

قریش: آپ ہی ایک رائے قائم کر دیں۔ہم اسے تسلیم کرلیں گے۔

ولید: نہیں،تم کہو میں سنتا ہوں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے۔

ولید: اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں۔ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں۔اس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ دیوانہ ہے۔

ولید: وہ دیوانہ نہیں۔ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے۔وہ دیوانہ کا غیظ وغضب نہیں نہ دیوانہ کا خلجان ووسوسہ ہے۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔

ولید: وہ شاعر نہیں۔ہمیں تمام اقسام شعر رجز، ہزج، قریض، مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں۔اس کا کلام شعر نہیں۔

قریش: ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔

ولید: وہ جادوگر نہیں۔ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں۔یہ جادو گروں کا پھونک مارنا نہیں۔اور نہ ان کا رسیوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے۔

قریش: ابوعبدشمس! پھر تم بتاؤ ہم کیا کہیں؟

ولید: اللہ کی قسم،اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے۔ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے۔وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔اس کے بارے میں صحت سے قریب تر یہ قول ہے کہ تم کہو۔وہ جادوگر ہے۔اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔اس کلام میں وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں

بیوی میں اور خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

ولید کا کلام سن کر وہ مجلس سے چلے گئے۔ جب موسم حج میں لوگ آنے لگے تو وہ ان کے راستوں میں بیٹھتے۔ جو کوئی ان کے پاس سے گزرتا وہ اس کو آنحضرت ﷺ سے ڈرا دیتے اور آپ کا حال بیان کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَّجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَّبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ (المدثر: ۱۱ تا ۱۶)

"چھوڑ دے مجھ کو اور اس کو جو میں نے بنایا اکیلا۔ اور دیا میں نے اس کو مال پھیلا کر اور بیٹے موجود (یعنی زندگی والے) اور تیار کر دی اس کی خوب تیاری۔ اور پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف۔"

ان کے بعد کی اور کئی آیتیں ولید ہی کے بارے میں ہیں۔

(سیرت ابن ہشام)

اسی طرح ایک دن جب کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سردار قوم عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور قریش میں یوں گفتگو ہوئی:

عتبہ: اے گروہ قریش! کیا میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں تا کہ اس سے کلام کروں اور چند باتیں اس کے آگے پیش کروں۔ شاید وہ ان میں سے ایک بات کو پسند کرے۔ پس ہم وہ کر دیں اور وہ ہم سے باز رہے۔

قریش: ہاں اے ابوالولید۔ آپ جائیے اور اس سے گفتگو کیجئے۔

عتبہ: (حضرت سے مخاطب ہو کر) بھائی کے بیٹے! آپ کو معلوم ہے کہ خویش و اقارب میں آپ بزرگ و برگزیدہ اور نسب میں عالی رتبہ ہیں۔آپ اپنی قوم میں ایک نیا مذہب لائے ہیں جس سے آپ نے ان کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔آپ نے ان کے داناؤں کو نادان بتایا۔ان کے معبودوں اور ان کے دین کو برا کہا۔اوران کے گزشتہ آباؤ اجداد کو کافر بتایا۔سنیئے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔شاید آپ ان میں سے ایک بات پسند فرمائیں۔

آنحضرت ﷺ: ابوالولید! بیان کر میں سنتا ہوں۔

عتبہ: بھائی کے بیٹے! اس نئے مذہب سے آپ کا مقصود اگر مال ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔اگر اس سے ہم پر شرف مقصود ہے تو آپ کو اپنا سردار بنالیتے ہیں۔آپ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کریں گے۔اگر آپ کو ملک مطلوب ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔اگر ہم آپ سے اس جن کو نہ روک سکیں جو آپ کے پاس آتا ہے تو آپ کا علاج کرائیں گے اور علاج میں اپنا خرچ کریں گے۔یہاں تک کہ وہ جن بھاگ جائے۔

آنحضرت ﷺ: ابوالولید کیا تو کہہ چکا جو کہنا تھا؟

عتبہ: ہاں۔

آنحضرت ﷺ: مجھ سے سن۔

عتبہ: سنایئے۔

(آنحضرت ﷺ نے سورہ حم السجدہ کی آیات تا آیہ سجدہ تلاوت فرما کر سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا سنتا رہا)۔

آنحضرت ﷺ: ابوالولید! تو نے سنا؟

عتبہ: میں نے سن لیا۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

قریش: (عتبہ کو آتا دیکھ کر ایک دوسرے سے) اللہ کی قسم ابوالولید وہ چہرہ لے کر نہیں آیا جو لے کر گیا تھا۔ (عتبہ کو پاس بیٹھا دیکھ کر) ابو الولید! وہاں کا حال سنائیے۔

عتبہ: اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے۔ نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم میں نے جو کلام اس سے سنا ہے اس کی بڑی عظمت و شان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

قریش: ابوالولید! اللہ کی قسم اس نے اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔

عتبہ: اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم جو چاہو کرو۔

اب رسول اللہ ﷺ کا ذکر بلاد عرب میں دور دور پہنچ چکا تھا قریش روز بروز تشدد میں زیادتی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کمینے لوگوں کو آپ پر برانگیختہ کیا۔ آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ آپ ﷺ پر استہزاء کیا۔ آپ ﷺ کو شاعر کہا۔ جادوگر بتایا۔ کاہن کہا۔ سڑی اور پاگل بتایا مگر آپ ﷺ برابر تبلیغ فرماتے رہے۔

ایک روز آپ ﷺ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف

میں اس وقت قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کی ترغیب سے ذبح کیے ہوئے اونٹوں کی اوجھ سجدے کی حالت میں آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی یہ دیکھ کر وہ سب نابکار قہقہہ مار کر ہنسے۔

کسی نے آپ ﷺ کی صاحب زادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی آئیں اور آپ ﷺ کی پشت مبارک سے وہ پلیدی دور کر دی اور ان کو برا بھلا کہا۔ یہ نابکار حرمات اللہ کی بے حرمتی بھی کیا کرتے تھے۔ اس لیے جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو یوں بددعا فرمائی۔

"یا اللہ! تو گروہ قریش کو پکڑ۔ یا اللہ! تو ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو پکڑ۔"

(صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب طرح جیف المشرکین فی البئر)

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے دن مقتول دیکھا اور امیہ کے سوا سب چاہ بدر میں پھینک دیئے گئے۔ امیہ موٹا تھا۔ جب اسے کھینچنے لگے تو چاہ میں ڈالنے سے پہلے ہی اس کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اسی طرح شیاطین قریش ایک دن خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ ابو جہل ایک بھاری پتھر اٹھا کر سجدے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک کو کچلنے کے لیے آگے بڑھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا تو وہ خوف زدہ اور رنگ بدلا ہوا پیچھے بھاگا۔ اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔

قریش نے پوچھا: ابوالحکم! تجھے کیا ہوا؟ بولا جب میں نزدیک گیا تو میں نے اس کے پیچھے ایک اونٹ دیکھا۔ اللہ کی قسم میں نے اس کا وہ سر اور گردن اور دانت

دیکھے کہ کبھی کسی اونٹ کے دیکھنے میں نہیں آئے۔

وہ اونٹ مجھے کھانے لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"وہ جبرائیل تھے۔ اگر ابوجہل اور نزدیک آتا تو اسے پکڑ لیتے۔"

(سیرت ابن ہشام)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ نابکار کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ ﷺ کی گردن مبارک میں چادر ڈالی۔ پھر اسے کھینچا یہاں تک کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دوڑے آئے اور فرمانے لگے۔

"کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔"

یہ سن کر وہ ہٹ گئے۔ (صحیح بخاری، مناقب ابوبکر)

یہ اذیتیں آنحضرت ﷺ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کے اصحاب بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ وہ غریب مسلمان جن کا مکہ میں کوئی قبیلہ اور یار و یاور نہ تھا۔ خصوصیت سے قریش کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ اذیتیں مختلف انواع کی تھیں مثلاً آگ پر لٹا دینا۔ تپتی ریت پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ دینا تاکہ کروٹ نہ لے سکے۔ چابک سے اس قدر مارنا کہ ٹوٹ جائے۔ چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دینا۔ جکڑ کر کوٹھڑی میں بند کر دینا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر تپتی ریت پر گھسیٹنا۔ گلا اس قدر گھونٹنا کہ دم نکل جانے کا گمان ہو جائے۔ زدوکوب سے بے ہوش و مختل الحواس کر دینا نیزہ مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ۔

ہجرت حبشہ:

کفار مکہ نے جب اپنے ظلم وستم سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو حضور رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو "حبشہ" جا کر پناہ لینے کا حکم دیا۔

بادشاہ نجاشی:

حبشہ کا بادشاہ جس کا نام "اصحمہ" اور لقب نجاشی تھا۔ عیسائی دین کا پابند تھا مگر بہت ہی انصاف پسند اور رحم دل تھا اور تورات وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کا بہت ہی ماہر عالم تھا۔

اعلان نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان مہاجرین کرام کے مقدس نام حسب ذیل ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ہیں۔

1. حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔
2. حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔
3. حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ۔
4. حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
5. حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ۔
6. حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔
7. حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ۔
8. حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم یا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

⑨ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ۔

⑩ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۰)

کفار مکہ کو جب ان لوگوں کی ہجرت کا پتہ چلا تو ان ظالموں نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے ان کا تعاقب کیا۔ لیکن یہ لوگ کشتی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے اس کے لئے کفار ناکام واپس لوٹے۔ یہ مہاجرین کا قافلہ حبشہ کی سرزمین پر اتر کر امن و امان کے ساتھ خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ چند دنوں کے بعد ناگہان یہ خبر پھیل گئی کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے۔ یہ خبر سن کر چند لوگ حبشہ سے مکہ لوٹ آئے۔ مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ چنانچہ بعض لوگ تو پھر حبشہ چلے گئے مگر کچھ لوگ مکہ میں روپوش ہو کر رہنے لگے۔ لیکن کفار مکہ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا اور ان لوگوں پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم ڈھانے لگے تو حضور ﷺ نے پھر لوگوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ حبشہ سے واپس آنے والے اور ان کے ساتھ دوسرے مظلوم مسلمان کل تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۸۷)

کفار کا سفیر نجاشی کے دربار میں:

تمام مہاجرین نہایت امن وسکون کے ساتھ حبشہ میں رہنے لگے مگر کفار مکہ کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ فرزندان توحید کہیں امن وچین کے ساتھ رہ سکیں۔ ان ظالموں نے کچھ تحائف کے ساتھ "عمرو بن العاص" اور "عمارہ بن ولید" کو بادشاہ حبشہ کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچ کر تحفوں کا نذرانہ پیش کیا اور بادشاہ کو سجدہ کر کے یہ فریاد کرنے لگے کہ اے بادشاہ! ہمارے ان مجرموں کو

ہمارے حوالے کر دیجئے۔ یہ سن کرنجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر گفتگو کیلئے آگے بڑھے اور دربار کے آداب کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا بلکہ صرف سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ درباریوں نے ٹوکا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے میں بادشاہ کو سجدہ نہیں کر سکتا۔

(زرقانی علی المواہب ج۱ص ۲۸۸)

عمار بن یاسر کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ وہ مہاجرین حبشہ میں تھے یا نہیں۔ محمد بن اسحاق نے مہاجرین حبشہ میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک بھی ذکر کیا ہے۔ واقدی اور دیگر علماء اس کے منکر ہیں' بعض علماء نے یہاں تک کہہ دیا کہ محمد بن اسحاق جیسے امام پر اس کا مخفی رہنا نہایت مستبعد ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری یمن کے رہنے والے ہیں۔ ابتداء بعثت میں مکہ مکرمہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے پھر یمن واپس ہو گئے اور جب حضرت جعفر اور دیگر صحابہ کا ہجرت کر کے حبشہ آنا معلوم ہوا تو چونکہ حبشہ یمن سے قریب تھا' اس لئے ابوموسیٰ یمن سے ہجرت کر کے حبشہ چلے آئے اور وہیں مقیم رہے اور پھر حضرت جعفر کے ساتھ ۷ ہجری میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے' چونکہ ابوموسیٰ اشعری نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی' اگر چہ وہ ہجرت مکہ سے نہ تھی بلکہ یمن سے تھی اس لئے محمد بن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری کو بایں معنی مہاجرین حبشہ کی فہرست میں ذکر کر دیا کہ جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی خواہ وہ مکہ سے ہو یا یمن سے یا اور کسی مقام سے ان میں ابوموسیٰ اشعری بھی شامل ہیں' ہاں اگر محمد بن اسحاق یہ فرماتے کہ ابوموسیٰ اشعری نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو بے شک قابل رشک انکار تھا۔

(ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، بیروت، الرسالہ، ج ۳: ص ۲۸۔ ابن حجر فتح الباری، ج ۷: ص ۱۴۳)

قریش نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ حبشہ میں جا کر مطمئن ہو گئے اور اطمینان کے ساتھ ارکان اسلام بجالانے لگے تو مشورہ کر کے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو حبشہ روانہ کیا اور کہا کہ نجاشی اور اس کے تمام ندماء اور مقربین کو تحائف اور ہدایات دے کر اپنا ہم خیال بنالینا چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں حبشہ پہنچے، اول تمام ندماء اور مصاحبین کو نذریں پیش کیں اور یہ بیان کیا کہ ہمارے شہر کے چند سفیہ اور نادان اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے شہر میں پناہ گزین ہوئے ہیں، انہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا یعنی عیسائی بھی نہیں ہوئے، بلکہ ایک نیا دین اختیار کیا ہے، جس سے نہ ہم اور نہ آپ کوئی بھی واقف نہیں، ہماری قوم کے اشراف اور سر برآوردہ لوگوں نے ہم کو بادشاہ کی خدمت میں اس لئے بھیجا ہے کہ یہ لوگ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں۔

آپ حضرات بادشاہ سے سفارش کیجئے کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ اور گفتگو کے ہمارے سپرد کر دے، چنانچہ جب یہ لوگ باریاب ہوئے اور تحائف اور ہدایا کی نذر پیش کر کے اپنے مدعا کو پیش کیا تو مقربین اور مصاحبین نے پوری تائید کی، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو یہ بہت شاق اور گراں تھا کہ شاہ حبشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر ان سے کچھ دریافت کرے یا ان کی کسی بات کو سنے۔

ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ان لوگوں کو شاہ حبشہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی سوال یا گفتگو کا کرنا کیوں شاق اور گراں تھا اور یہ کیوں چاہتے تھے کہ بادشاہ بغیر کسی مکالمے اور گفتگو کے ان لوگوں کو ہمارے سپرد کر دے۔ وجہ ظاہر ہے وہ یہ کہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ حق ان لوگوں کی زبان سے نکلا اور ادھر دل میں اترا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے اپنا مدعا پیش کیا اور درباراور درباریوں نے پوری تائید کی کہ یہ لوگ اس

وفد کے حوالے کر دیئے جائیں۔ جس چیز کا اندیشہ تھا وہی سامنے آئی۔

نجاشی کو غصہ آگیا اور صاف کہہ دیا کہ میں بغیر دریافت حال اور بدون گفتگو کے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا، یہ کیسے ممکن ہے کہ جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر میرے قلمرو میں آٹھہرے ہیں ان کو بغیر کسی تحقیق اور تفتیش کے ان کے مخالفوں کے حوالے کر دوں اور ایک آدمی صحابہ کے بلانے کے لئے روانہ کیا۔

قاصد صحابہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ اس وقت صحابہ میں سے کسی نے یہ کہا کہ دربار میں پہنچ کر کیا کہو گے۔ (یعنی بادشاہ تو عیسائی ہے اور ہم مسلمان ہیں۔ بہت سے عقائد میں اس کے خلاف ہیں) صحابہ نے یہ کہا کہ ہم دربار میں وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے ہم کو سکھایا اور بتایا ہے، جو کچھ بھی ہو اس سے سرمو تجاوز نہ کریں گے۔

دربار میں پہنچے اور صرف سلام پر اکتفا کیا۔ بادشاہ کو سجدہ کسی نے نہ کیا، شاہی مقربین کو مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل بہت گراں گزرا، چنانچہ اسی وقت ندماء اور مصاحبین مسلمانوں سے سوال کر بیٹھے کہ آپ لوگوں نے شاہ ذی جاہ کو سجدہ کیوں نہیں کیا اور ایک روایت میں ہے، بادشاہ نے خود بھی سوال کیا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم سوائے اللہ کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا اس نے ہم کو یہی حکم دیا ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کو سجدہ نہ کریں، مسلمانوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خبر دی ہے کہ اہلِ جنت بھی اسی طرح ایک دوسرے کو سلام کریں گے، رہا سجدہ تو اللہ کی پناہ کہ ہم سوائے خدا کے کسی کو سجدہ کریں اور تم کو اللہ کے برابر گردانیں، نجاشی نے صحابہ سے مخاطب ہو کر

دریافت کیا کہ عیسائیت اور بت پرستی کے سوا وہ کون سا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے۔ صحابہ کی جماعت میں سے حضرت جعفر بادشاہ کے جواب کے لئے اٹھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر:

اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دربار شاہی میں اس طرح تقریر شروع فرمائی کہ:

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک و بت پرستی کرتے تھے۔ لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، ظلم و ستم اور طرح طرح کی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری قوم میں ایک شخص کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس رسول نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک دیا اور صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم و ستم اور تمام برائیوں اور بدکاریوں سے ہم کو منع کیا۔ ہم اس رسول پر ایمان لائے اور شرک بت پرستی چھوڑ کر تمام بُرے کاموں سے تائب ہو گئے۔ بس یہی ہمارا گناہ ہے جس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ان لوگوں نے ہمیں اتنا ستایا کہ ہم اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر آپ کی سلطنت کے زیر سایہ پُر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب یہ لوگ ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم پھر اسی پرانی گمراہی میں واپس لوٹ جائیں۔"

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کے علاوہ اور بھی تعلیماتِ اسلام کا ذکر کر کے

فرمایا پس ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ من جانب اللہ لے کر آئے اس کا اتباع اور پیروی کی چنانچہ ہم صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے. حلال چیزوں کو کرتے ہیں اور حرام چیزوں سے بچتے ہیں. محض اس پر ہماری قوم نے ہم کو طرح طرح سے ستایا اور قسم قسم کی اذیتیں پہنچائیں، تا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر گزشتہ بے حیائیوں میں پھر مبتلا ہو جائیں، جب ہم ان کے مظالم سے تنگ آ گئے اور اپنے دین پر چلنا اور ایک خدا کی عبادت اور بندگی کرنا دشوار ہو گیا تب ہم نے اپنا وطن چھوڑا اور اس امید پر کہ آپ ظلم نہ کریں گے آپ کی ہمسائیگی کو سب پر ترجیح دی۔

نجاشی نے کہا، کیا تم کو اس کلام میں سے کچھ یاد ہے جو تمہارے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے ہیں. حضرت جعفر نے فرمایا: ہاں! نجاشی نے کہا اچھا اس میں سے کچھ پڑھ کر مجھ کو سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا، بادشاہ اور تمام درباریوں کے آنسو نکل آئے روتے روتے بادشاہ کی ڈاڑھی تر ہو گئی (معلوم ہوا کہ بادشاہ ڈاڑھی رکھتا تھا اور یہی تمام انبیاء علیہم السلام کا طریق رہا، معاذ اللہ کسی پیغمبر نے کبھی ڈاڑھی نہیں منڈوائی، ڈاڑھی رکھنا خاص حضراتِ انبیاء و مرسلین کا طریق رہا) جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تلاوت ختم فرما چکے۔ (دلائل ابی نعیم ج ۱: ص ۸۱)

تو نجاشی نے کہا یہ کلام اور وہ کلام جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، دونوں ایک ہی شمع دان سے نکلے ہوئے ہیں اور قریش کے وفد سے صاف طور پر کہہ دیا کہ میں ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کروں گا اور نہ اس کا کوئی امکان ہے۔ جب عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اس طرح بادشاہ کے دربار سے بے نیل و مرام باہر نکلے تو عمرو بن العاص نے کہا کہ میں کل بادشاہ کے سامنے ایسی بات کہوں گا جس سے وہ ان

لوگوں کو بالکل نیست و نابود ہی کر دے گا۔

عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا ایسا ہرگز نہ کرنا، ان لوگوں سے ہماری قرابتیں ہیں یہ ہمارے عزیز اور رشتہ دار ہیں اگرچہ مذہباً ہمارے مخالف ہیں، مگر عمرو بن العاص نے ایک نہ سنی، اگلا روز ہوا کہ عمرو بن العاص نے نجاشی سے کہا کہ اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت ہی سخت بات کہتے ہیں، نجاشی نے صحابہ کو بلا بھیجا۔ اس وقت صحابہ کو بہت تشویش ہوئی، جماعت میں سے کسی نے کہا کہ بادشاہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہو گے، اس پر سب نے متفقہ طور پر کہا کہ خدا کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے اور اس کے رسول نے کہا ہے۔ جو کچھ بھی ہو ذرہ برابر اس کے خلاف نہ کہیں گے۔

مسلمان دربار میں پہنچے، نجاشی نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ تم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور خدا کا خاص کلمہ تھے، نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اٹھا کر یہ کہا خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کہا ہے عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں، اس پر درباریوں نے بہت ناک بھوں چڑھائے، مگر نجاشی نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ تم کتنا ہی ناک بھوں چڑھاؤ مگر حقیقت یہی ہے اور مسلمانوں سے کہا کہ تم امن سے رہو، ایک سونے کا پہاڑ لے کر بھی تم کو ستانا پسند نہیں کرتا۔

(رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۶: ص ۳۱ باب الہجرۃ الی الحبشۃ)

اور حکم دیا کہ قریش کے تمام تحائف اور ہدایا واپس کر دیئے جائیں، مجھ کو ان کے

نذرانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ واللہ خدا نے میرا ملک اور میری سلطنت بغیر رشوت کے مجھ کو دلائی۔ لہٰذا میں تم سے رشوت لے کر ان لوگوں کو ہرگز تمہارے سپرد نہ کروں گا، دربار ختم ہوا اور مسلمان نہایت شاداں و فرحاں اور قریش کا وفد نہایت ذلت و ندامت کے ساتھ باہر نکلا۔ (ہیثمی مجمع الزوائد ج ۶: ص ۲۷۔ ابن ہشام سیرۃ النبی ج ۱: ص ۱۱۵)

نجاشی کے اس اعلان کے بعد مہاجرین اطمینان کے ساتھ حبشہ میں مقیم رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اکثر لوگ تو خبر سنتے ہی حبشہ سے مدینہ واپس آگئے، جن میں چوبیس آدمی غزوہ بدر میں شریک ہوئے، باقی ماندہ لوگ حضرت جعفر کی معیت میں ۷ ہجری فتح خیبر کے وقت حبشہ سے مدینہ پہنچے۔

(ابن سید الناس عیون الاثر ج ۱: ص ۱۱۹۔ ابن حجر فتح الباری ج ۷: ص ۱۸۲ باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینہ)

واضح رہے کہ نجاشی بادشاہ مسلمان ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس کے انتقال پر حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حالانکہ نجاشی بادشاہ کا انتقال حبشہ میں ہوا تھا اور وہ حبشہ ہی میں مدفون بھی ہوئے۔ مگر حضور نبی کریم ﷺ نے غائبانہ ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔

(سیرت المصطفیٰ ﷺ از عبد المصطفیٰ ازہری)

حضرت ابوبکر اور ابن دغنہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مگر جب آپ رضی اللہ عنہ مقام "برک الغماد" میں پہنچے۔ تو قبیلہ قارہ کا سردار "مالک بن دغنہ" راستے میں ملا اور دریافت کیا کہ کیوں؟ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! کہاں چلے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے مظالم کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب میں اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین پر پھرتا رہوں گا اور خدا کی عبادت کرتا رہوں گا۔

ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ جیسا آدمی نہ شہر سے نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ دوسروں کا بار اٹھاتے ہیں۔ مہمانان حرم کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ خود کما کما کر مفلسوں اور محتاجوں کی مالی امداد کرتے ہیں۔ حق کے کاموں میں سب کی امداد اعانت کرتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ میرے ساتھ مکہ واپس چلئے میں آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔

ابن دغنہ آپ رضی اللہ عنہ کو زبردستی مکہ واپس لایا اور تمام کفار مکہ سے کہہ دیا کہ میں نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ لہٰذا خبردار! کوئی ان کو نہ ستائے۔ کفار مکہ نے کہا کہ ہم کو اس شرط پر منظور ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں تا کہ ہماری عورتوں اور بچوں کے کان میں قرآن کی آواز نہ پہنچے۔

ابن دغنہ نے کفار کی شرط کو منظور کر لیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چند دنوں تک اپنے گھر کے اندر قرآن پڑھتے رہے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جذبہء اسلامی اور جوش ایمانی نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ معبودان باطل لات وعزی کی عبادت تو علی الاعلان ہو اور معبود برحق اللہ تعالیٰ کی عبادت گھر کے اندر چھپ کر کی جائے۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے گھر کے باہر اپنے صحن میں ایک مسجد بنالی اور اس مسجد میں علی الاعلان نمازوں میں بلند آواز سے قرآن پڑھنے لگے اور کفار مکہ کی عورتیں اور بچے بھیڑ لگا کر قرآن سننے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر کفار مکہ نے ابن دغنہ کو مکہ بلایا اور شکایت کی کہ ابوبکر گھر کے باہر قرآن پڑھتے ہیں۔ جس کو سننے کے لئے ان کے گرد ہماری عورتوں اور بچوں کا میلہ لگ جاتا ہے۔ اس سے ہم کو بڑی تکلیف ہوتی ہے! لہٰذا تم ان سے کہہ دو کہ یا تو وہ گھر میں قرآن پڑھیں ورنہ تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے دست بردار ہو جاؤ۔

چنانچہ ابن دغنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ)! آپ رضی اللہ عنہ گھر کے اندر چھپ کر قرآن پڑھیں۔ ورنہ میں اپنی پناہ سے کنارہ کش ہو جاؤں گا اس کے بعد کفار مکہ آپ رضی اللہ عنہ کو ستائیں گے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابن دغنہ! تم اپنی پناہ کی ذمہ داری سے الگ ہو جاؤ مجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ کافی ہے اور میں اس کی مرضی پر راضی برضا ہوں۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۰۷ باب جوار ابی بکر الصدیق)

حضرت حمزہ مسلمان ہو گئے:

اعلان نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دو ایسی ہستیاں اسلام میں آ گئیں۔ جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جاہ و جلال اور ان کے عزت و اقبال کا پرچم بہت ہی سر بلند ہو گیا۔

حضور ﷺ کے چچاؤں میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ سے بڑی والہانہ محبت تھی اور وہ صرف دو تین سال حضور ﷺ سے عمر میں زیادہ تھے اور چونکہ انہوں نے بھی حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بہت ہی طاقتور اور بہادر تھے اور شکار کے بہت ہی شوقین تھے۔ روزانہ صبح سویرے تیر کمان لے کر گھر سے نکل جاتے اور شام کو شکار سے واپس لوٹ کر حرم میں جاتے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور قریش کے سرداروں کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھا کرتے تھے۔

ایک دن حسب معمول شکار سے واپس لوٹے تو ابن جدعان کی لونڈی اور خود ان کی بہن حضرت بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بتایا کہ آج ابو جہل نے کس کس طرح تمہارے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی کی ہے۔ یہ ماجرا سن کر

مارے غصہ کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون کھولنے لگا۔ ایک دم تیر کمان لئے ہوئے مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اپنی کمان سے ابو جہل کے سر پر اس زور سے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور کہا کہ تو میرے بھتیجے کو گالیاں دیتا ہے؟ تجھے خبر نہیں کہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔

یہ دیکھ کر قبیلہ ء بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے تو ابو جہل نے یہ سوچ کر کہ کہیں بنو ہاشم سے جنگ نہ چھڑ جائے۔ یہ کہا کہ اے بنی مخزوم! آپ لوگ حمزہ کو چھوڑ دیجئے۔ واقعی آج میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی خراب قسم کی گالیاں دی تھیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۔ زرقانی ج ۱ ص ۲۵۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہو جانے کے بعد زور زور سے ان اشعار کو پڑھنا شروع کر دیا۔

حَمِدْتُّ اللهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِيْ
اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

”میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس وقت کہ اس نے میرے دل کو اسلام اور دین حنیف کی طرف ہدایت دی۔“

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهٗ عَلَيْنَا
تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِى اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

”جب احکام اسلام کی ہمارے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو باکمال عقل والوں کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔“

وَاَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعٌ
فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ

"اور خدا کے برگزیدہ احمد ﷺ ہمارے مقتدی ہیں تو (اے کافرو) اپنی باطل بکواس سے ان پر غلبہ مت حاصل کرو۔"

فَلَا وَاللهِ نُسْلِمُهٗ لِقَوْمٍ!

وَلَمَّا نَقْضِ فِيهِمْ بَالسُّيُوْف

"تو خدا کی قسم ہم انہیں قوم کفار کے سپرد نہیں کریں گے۔ حالانکہ ابھی تک ہم نے ان کافروں کے ساتھ تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا ہے۔" (زرقانی ج ۱ ص ۲۵۶)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا اسلام:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد تیسرے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے واقعات میں بہت سی روایات ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک دن غصہ میں بھرے ہوئے ننگی تلوار لے کر اس ارادہ سے چلے کہ آج میں اس تلوار سے پیغمبر اسلام کا خاتمہ کر دوں گا۔ اتفاق سے راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ قریشی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اسلام کی خبر نہیں تھی۔

حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیوں؟ اے عمر! اس دوپہر کی گرمی میں ننگی تلوار لے کر کہاں چلے؟ کہنے لگے کہ آج بانیء اسلام کا فیصلہ کرنے کے لئے گھر سے نکل پڑا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن "فاطمہ بنت الخطاب" اور تمہارے بہنوئی "سعید بن زید" بھی تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ بہن کے

گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ گھر کے اندر چند مسلمان چھپ کر قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سب لوگ ڈر گئے اور قرآن کے اوراق چھوڑ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ بہن نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلا کر بولے کہ اے اپنی جان کی دشمن کیا تو بھی مسلمان ہوگئی ہے؟ پھر اپنے بہنوئی حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ پر جھپٹے اور ان کی داڑھی پکڑ کر ان کو زمین پر پٹخ دیا اور سینے پر سوار ہو کر مارنے لگے۔

ان کی بہن فاطمہ اپنے شوہر کو بچانے کے لئے دوڑ پڑیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایسا طمانچہ مارا کہ ان کے کانوں کے جھومر ٹوٹ کر گر پڑے اور ان کا چہرہ خون سے لہولہان ہوگیا۔ بہن نے صاف صاف کہہ دیا کہ عمر! سن لو۔ تم سے جو ہو سکے کرلو۔ مگر اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہن کا خون آلودہ چہرہ دیکھا اور ان کا عزم استقامت سے بھرا ہوا یہ جملہ سنا تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور ایک دم دل نرم پڑ گیا۔

تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ پھر کہا کہ اچھا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی دکھاؤ۔ بہن نے قرآن کے اوراق سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو اس آیت پر نظر پڑی کہ:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

اس آیت کا ایک ایک لفظ صداقت کی تاثیر کا تیر بن کر دل کی گہرائی میں پیوست ہوتا چلا گیا اور جسم کا ایک ایک حصہ لرزہ براندام ہونے لگا۔ جب اس آیت پر پہنچے کہ:

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید)

تو بالکل ہی بے قابو ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ:

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

یہ وہ وقت تھا کہ حضور اکرم ﷺ حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہن کے گھر سے نکلے اور سیدھے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ کنڈی بجائی۔ اندر کے لوگوں نے دروازہ کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے۔ لوگ گھبرا گئے اور کسی میں دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اندر آنے دو۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ آیا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ ورنہ اس کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو حضور ﷺ نے خود آگے بڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑا اور فرمایا کہ اے خطاب کے بیٹے تو مسلمان ہو جا آخر تو کب تک مجھ سے لڑتا رہے گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند کلمہ پڑھا۔ حضور ﷺ نے مارے خوشی کے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور تمام حاضرین نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے یارسول اللہ! یہ چھپ چھپ کر خدا کی عبادت کرنے کے کیا معنی! اٹھئے ہم کعبہ میں چل کر علی الاعلان خدا کی عبادت کریں گے۔ خدا کی قسم میں کفر کی حالت میں جن جن مجلسوں میں بیٹھ کر اسلام کی مخالفت کرتا رہا ہوں میں اب ان تمام مجالس میں اپنے اسلام کا اعلان کروں گا۔

پھر حضور ﷺ صحابہ کی جماعت کو لے کر دو قطاروں میں روانہ ہوئے۔ ایک صف کے آگے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے اور دوسری صف کے آگے آگے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس شان سے مسجد حرام میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کعبہ میں مشرکین کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ یہ سنتے ہی ہر طرف سے کفار دوڑ پڑے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں سے لڑنے لگے۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں ابو جہل آ گیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیسا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے ہیں اس لئے لوگ برہم ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر اپنی آستین سے اشارہ کر کے اعلان کر دیا اور میں نے اپنے بھانجے عمر رضی اللہ عنہ کو پناہ دی۔

ابو جہل کا یہ اعلان سن کر سب لوگ ہٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے بعد میں ہمیشہ کفار کو مارتا اور ان کی مار کھاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا ایک سبب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کفر کی حالت میں قریش کے بتوں کے پاس حاضر تھا۔ اتنے میں ایک شخص گائے کا ایک بچھڑا لے کر آیا اور اس کو بتوں کے نام پر ذبح کیا۔ پھر بڑے زور سے چیخ مار کر کسی نے یہ کہا۔

یَا جَلِیْحُ اَمْرٌ نَّجِیْحٌ رَجُلٌ فَصِیْحٌ یَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یہ آواز سن کر سب لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اس آواز دینے والے کی تحقیق کئے بغیر ہرگز ہرگز یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ اس کے بعد پھر یہی آواز آئی کہ:

یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ۔

"یعنی اے کھلی ہوئی دشمنی کرنے والے! ایک کامیابی کی چیز ہے
کہ ایک فصاحت والا آدمی "لا الہ الا اللہ" کہہ رہا ہے حالانکہ بتوں
کے آس پاس میرے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں تھا۔"

اس کے فوراً ہی بعد حضور ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا۔ اس واقعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد متاثر تھے۔ اس لئے ان کے اسلام لانے کے اسباب میں اس واقعہ کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۶، زرقانی ج ۱ ص ۲۷۶ باب اسلام عمر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ نے بہت زیادہ ستایا تو عاص بن وائل سہمی نے بھی آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ جو زمانہء جاہلیت میں آپ کا حلیف تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار کی مار دھاڑ سے بچ گئے۔ (بخاری باب اسلام عمر ج ۱ ص ۵۴۵)

شعب ابی طالب:

اعلان نبوت کے ساتویں سال نبوی میں کفار مکہ نے جب دیکھا کہ روز بروز مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور حضرت حمزہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے بہادران قریش بھی دامن اسلام میں آگئے تو غیظ و غضب میں یہ لوگ آپے سے باہر ہو گئے اور تمام سرداران قریش اور مکہ کے دوسرے کفار نے یہ سکیم بنائی کہ حضور ﷺ اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے اور ان لوگوں کو کسی تنگ و تاریک جگہ میں محصور کر کے ان کا دانہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائیں۔

چنانچہ اس خوفناک تجویز کے مطابق تمام قبائل قریش نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ جب تک بنی ہاشم کے خاندان والے حضور ﷺ کو قتل کے لئے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

1. کوئی شخص بنو ہاشم کے خاندان سے شادی بیاہ نہ کرے۔
2. کوئی شخص ان لوگوں کے ہاتھ کسی قسم کے سامان کی خرید و فروخت نہ کرے۔
3. کوئی شخص ان لوگوں سے میل جول، سلام و کلام اور ملاقات، بات نہ کرے۔
4. کوئی شخص ان لوگوں کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ جانے دے۔

منصور بن عکرمہ نے اس معاہدہ کو لکھا اور تمام سرداران قریش نے اس پر دستخط کر کے اس دستاویز کو کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔ ابو طالب مجبوراً حضور اقدس ﷺ اور دوسرے تمام خاندان والوں کو لے کر پہاڑ کی اس گھاٹی میں جس کا نام "شعب ابی طالب" تھا پناہ گزین ہوئے۔

ابولہب کے سوا خاندان ابو ہاشم کے کافروں نے بھی خاندانی حمیت و پاسداری کی بنا پر اس معاملہ میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا اور سب کے سب پہاڑ کے اس تنگ و تاریک درہ میں محصور ہو کر قیدیوں کی زندگی بسر کرنے لگے اور یہ تین برس کا زمانہ اتنا سخت اور کٹھن گزرا کہ بنو ہاشم درختوں کے پتے اور سوکھے چمڑے پکا پکا کر کھاتے تھے۔ سنگدل اور ظالم کافروں نے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا تھا کہ کہیں سے بھی گھاٹی کے اندر دانہ پانی نہ جانے پائے۔ (زرقانی علی المواہب ج۱ ص۲۷۸)

مسلسل تین سال تک حضور ﷺ اور خاندان بنو ہاشم ان ہوش ربا مصائب کو جھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ خود قریش کے کچھ رحم دلوں کو بنو ہاشم کی ان مصیبتوں پر رحم آگیا اور ان لوگوں نے اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑنے کی تحریک اٹھائی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو عامری، زہیر بن امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود وغیرہ یہ سب مل کر ایک ساتھ حرم کعبہ میں گئے اور زہیر نے جو عبدالمطلب کے نواسے تھے۔ کفار قریش کو مخاطب کر کے اپنی پرجوش تقریر میں یہ کہا کہ اے لوگو! یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہ ہم

لوگ تو آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور خاندان بنو ہاشم کے بچے بھوک پیاس سے بے قرار ہو کر بلبلا رہے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک اس وحشیانہ معاہدہ کی دستاویز پھاڑ کر پاؤں سے نہ روند دی جائے گی۔ میں ہرگز ہرگز چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔

یہ تقریر سن کر ابو جہل نے تڑپ کر کہا کہ خبردار! ہرگز ہرگز تم اس معاہدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ یہ تقریر سن کر ابو جہل کو للکارا اور اس زور سے ڈانٹا کہ ابو جہل کی بولتی بند ہو گئی۔ اسی طرح مطعم بن عدی اور ہشام بن عمرو نے بھی خم ٹھونک کر ابو جہل کو جھڑک دیا اور ابو البختری نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ اے ابو جہل اس ظالمانہ معاہدہ سے نہ ہم پہلے راضی تھے اور نہ اب اس کے پابند ہیں۔

اس مجمع میں ایک طرف ابو طالب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے لوگو! میرے بھتیجے محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کی دستاویز کو کیڑوں نے کھا ڈالا ہے اور صرف جہاں جہاں خدا کا نام لکھا ہوا تھا ان کو کیڑوں نے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس دستاویز کو نکال کر دیکھو اگر واقعی اس کو کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ جب تو اس کو چاک کر کے پھینک دو اور اگر میرے بھتیجے کا کہنا غلط ثابت ہوا تو میں محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔

یہ سن کر مطعم بن عدی کعبہ کے اندر گیا اور دستاویز کو اتار لایا اور سب لوگوں نے اس کو دیکھا تو واقعی بجز اللہ تعالیٰ کے نام کے پوری دستاویز کو کیڑوں نے کھا لیا تھا۔ مطعم بن عدی نے سب کے سامنے اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیا اور پھر قریش کے چند بہادر باوجودیکہ یہ سب کے سب اس وقت کفر کی حالت میں تھے۔ ہتھیار لے کر گھاٹی میں پہنچے اور خاندان بنو ہاشم کے ایک ایک آدمی کو وہاں سے نکال کر لائے اور ان کو ان کے مکانوں میں آباد کر دیا۔ یہ واقعہ دس نبوی کا ہے۔ منصور بن عکرمہ جس نے اس

دستاویز کو لکھا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ اس کا ہاتھ شل ہو کر سوکھ گیا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۴۲ وغیرہ)

غم کا سال:

حضور اقدس ﷺ "شعب ابی طالب" سے نکل کر اپنے گھر میں تشریف لائے اور چند ہی روز کفار قریش کے ظلم وستم سے کچھ امان ملی تھی کہ ابو طالب بیمار ہو گئے اور گھاٹی سے باہر آنے کے آٹھ مہینے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

ابو طالب کی وفات حضور ﷺ کے لئے ایک بہت ہی جان گداز اور روح فرسا حادثہ تھا۔ کیونکہ بچپن سے جس طرح پیار و محبت کے ساتھ ابو طالب نے آپ کی پرورش کی تھی اور زندگی کے ہر موڑ پر جس جاں نثاری کے ساتھ آپ نے ضرورت و دستگیری کی اور آپ کے دشمنوں کے مقابل سینہ سپر ہو کر جس طرح آلام و مصائب کا مقابلہ کیا۔ اس کو بھلا حضور ﷺ کس طرح بھول سکتے تھے۔

ابو طالب کا وصال:

جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہو گئے تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے چچا! آپ کلمہ پڑھ لیجئے۔ یہ کلمہ ہے کہ اس کے سبب سے میں خدا کے دربار میں آپ کی مغفرت کیلئے اصرار کروں گا۔ اس وقت ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ ابو طالب کے پاس موجود تھے۔ ان دونوں نے ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب! کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگردانی کریں گے؟ اور یہ دونوں برابر ابو طالب سے گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا بلکہ ان کی زندگی کا آخری قول یہ رہا کہ "میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں"۔ یہ کہا اور ان

کی روح پرواز کرگئی۔

حضور رحمت عالم ﷺ کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے اس وقت تک دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ فرمائے گا۔اس کے بعد یہ آیت نازل ہوگئی کہ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔

ترجمہ:" یعنی نبی اور مومنین کیلئے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔جب انہیں معلوم ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں۔"

(بخاری ج ۱ ص ۵۴۸ باب قصہ ابی طالب)

حضرت بی بی خدیجہ کی وفات:

حضور اقدس ﷺ کے قلب مبارک پر ابھی ابو طالب کے انتقال کا زخم تازہ ہی تھا کہ ابو طالب کی وفات کے تین دن یا پانچ دن کے بعد آپ ﷺ کی پیاری زوجہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔

سب سے زیادہ جس ہستی نے رحمت عالم ﷺ کی نصرت وحمایت میں اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کیا۔وہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی تھی۔جس وقت دنیا میں کوئی آپ ﷺ کا مخلص مشیر اور غمخوار نہیں تھا۔حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں کہ ہر پریشانی کے موقع پر پوری جاں نثاری کے ساتھ آپ ﷺ کی غم خواری اور دلداری کرتی رہتی تھیں اس لئے ابو طالب اور حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں کی وفات

سے آپ ﷺ کے مددگار اور غمگسار دونوں ہی دنیا سے اٹھ گئے۔ جس سے آپ ﷺ کے قلب نازک پر اتنا عظیم صدمہ گزرا کہ آپ ﷺ نے اس سال کا نام "عام الحزن" (غم کا سال) رکھ دیا۔

حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رمضان دس نبوی میں وفات پائی۔ بوقت وفات پینسٹھ برس کی عمر تھی۔ مقام حجون (قبرستان معلی المعلی) میں مدفون ہوئیں۔ حضور رحمت ﷺ خود بہ نفس نفیس ان کی قبر میں اترے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کی لاش مبارک کو زمین کے سپرد فرمایا۔ (زرقانی ج ۱ ص ۲۹۶)

طائف کا سفر:

توحید دعوت کے لئے سیدنا نبی رؤف و رحیم ﷺ سنہ ۱۰ نبوی شوال میں طائف کے سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ طائف میں قبیلہ ثقیف رہتا تھا۔ آپ ﷺ اس اُمید پر طائف گئے کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کو پھیلانے کے کام میں مدد کریں۔

سردارانِ طائف سے ملاقات:

سردارانِ طائف کے نام یہ ہیں:۔

۱. عبد یالیل کنانہ
۲. عبد کلال مسعود
۳. حبیب۔

یہ تینوں بھائی عمرو بن عمیر بن عوف ثقفی کے بیٹے تھے۔

سیدنا رسول رحمت ﷺ نے ان تینوں بھائیوں کو دعوتِ توحید دی اور اپنے

بنی برحق ہونے کا بیان کیا۔ بد بخت مشرکین طائف نے آپ ﷺ کو توہین آمیز انداز میں جواب دیا۔

ایک بولا۔ "کیا تمہیں ہی خدا نے بھیجا ہے؟"

دوسرا بد بخت بولا۔ "تمہارے سوا خدا کو رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملتا تھا۔"

تیسرے بھائی نے کہا۔ "خدا کی قسم! میں تم سے کوئی بات چیت نہیں کروں گا۔ کیونکہ اگر تم واقعی خدا کے رسول ہو تو تمہارے ساتھ سوال جواب اور بحث بہت خطرناک یعنی ہلاکت کی بات ہے۔ اور اگر تم نبی نہیں ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو تم جیسے آدمی سے گفتگو زیبا نہیں ہے۔"

سیدنا حبیب رب العالمین ﷺ سردارانِ بنی ثقیف سے مایوس ہو کر چل پڑے۔ (سیرت حلبیہ دوم)

ایذا دہی کی انتہا:

تینوں سرداروں نے طائف کے اوباش اور اپنے غلام آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیئے، جو آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گالیاں اور تمسخر اُڑاتے تھے۔ سیدنا رسول رحمت ﷺ کے چاروں طرف لوگ جمع ہو گئے اور لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ سیدنا نبی رحمت ﷺ جو بھی قدم اُٹھاتے تو اس پر لوگ پتھر مارتے۔ یہاں تک کہ سیدنا حبیب کبریا ﷺ کے دونوں پیر خون سے تر بتر ہو گئے اور آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ (سیرت ابن ہشام۔ سیرت مصطفی ﷺ)

جب سیدنا نبی کریم ﷺ پتھروں کے لگنے سے زخموں کی وجہ سے بے چین ہو کر زمین پر بیٹھ جاتے تو یہ بد بخت مشرکین طائف سیدنا نبی رؤف و رحیم ﷺ کو

بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے۔ جیسے ہی سیدنا نبی رحمت ﷺ قدم بڑھاتے بدبختوں کا یہ گروہ پتھر برسانے شروع ہو جاتا اور ہنستے اور قہقہے لگاتے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو اس سفر میں سیدنا نبی رحمت ﷺ کے ساتھ تھے۔ وہ آپ ﷺ کو بچاتے اور یہ کوشش کرتے کہ جو پتھر بھی آئے، وہ بجائے سیدنا رسولِ رحمت ﷺ کے مجھ پر گرے۔ اسی کوشش میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سر کئی جگہ سے پھٹ گیا۔ (سیرت حلبیہ جلد دوم۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت مصطفی ﷺ)

انگور کے بیل کے سایہ میں:

آخر کار سیدنا محمد عربی ﷺ نے انگور کے باغ میں پناہ لی۔ جو عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا باغ تھا۔ سیدنا حبیبِ خدا ﷺ انگور کی بیل کے سایہ میں زخموں سے چور تشریف فرما ہوئے۔ (سیرت ابن ہشام)

عتبہ و شیبہ کے دل میں جذبہ رحم:

باغ کے مالک عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے جب سیدنا محبوب رب العالمین ﷺ کی تکلیف اور زخمی حالت کو دیکھا تو ان کے دلوں میں رحم کا جذبہ پیدا ہوا۔ عتبہ اور شیبہ نے اپنے نصرانی غلام عداس کو پکارا۔ غلام کے آنے پر اُس سے کہا۔ "انگور کا خوشہ توڑو اور اس کو رکابی میں رکھ کر آپ ﷺ کے پاس لے جاؤ اور کھانے کی درخواست کرو۔" (سیرت ابن ہشام)

غلام کی گفتگو اور عقیدت:

عداس غلام نے انگوروں کا خوشہ طباق میں رکھ کر سیدنا رسولِ رحمت ﷺ کو پیش کیا تو آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے دستِ اقدس کو انگور کے خوشہ کی طرف

بڑھایا۔ عداس نے آپ ﷺ کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر نظر ڈالی۔ خود سے کلام کرنے لگا۔

"خدا کی قسم! ان علاقوں کے لوگ تو ایسا کلام نہیں پڑھتے۔"

سیدنا نبی کریم ﷺ نے عداس غلام سے پوچھا:

"تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس نے جواب دیا:

"میں نصرانی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔"

سیدنا محمد عربی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تو تم اس صالح حضرت یونس علیہ السلام کے ہم وطن ہو جو متی کے بیٹے تھے۔"

عداس نے آپ ﷺ سے حضرت یونس علیہ السلام کا نام سن کر پوچھا:

"آپ کو حضرت یونس علیہ السلام ابن متی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ خدا کی قسم! جب میں نینوی سے نکلا تھا تو وہاں دس آدمی بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے کہ متی کون تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو متی کے بارے مین کہاں سے معلوم ہوا، جبکہ آپ ﷺ خود بھی ان پڑھ ہیں اور ان ان پڑھ لوگوں میں رہتے ہیں۔"

سیدنا سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ میرے بھائی تھے۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی اُمی نبی ہوں۔"

عداس غلام نے جب سیدنا سرورِ کائنات ﷺ سے یہ ارشاد سنا تو وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا اور اُس نے آپ ﷺ کے سر مبارک اور ہاتھوں پیروں کو بوسہ دیا۔ (سیرت حلبیہ جلد دوم)

عتبہ وشیبہ کی حیرت:

جب عداس واپس آیا تو اُس کے مالکوں یعنی عتبہ اور شیبہ نے پوچھا۔
"کیا بات ہے کہ تم نے محمد (ﷺ) کو سجدہ کیا اور اُن کے پیر چومے، ہمارے ساتھ تم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ حالانکہ ہم تمہارے آقا ہیں۔"

عداس نے جواب دیا:
"اس شخص سے بہتر انسان روئے زمین پر کوئی نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے ایسی بات بتلائی ہے، جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں بتلاسکتا۔"

عتبہ اور شیبہ ہنس پڑے اور کہنے لگے:
"یہ شخص تمہیں کہیں تمہارے عیسائی مذہب سے نہ پھیر دے۔"

(سیرت حلبیہ جلد دوم)

کچل ڈالنے کی پیشکش:

سیدنا جبرائیل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کے ساتھ بارگاہِ رحمۃ للعالمین ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "آپ ﷺ کو جو جواب دیا گیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ مجھے پہاڑوں کے نگران فرشتے کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ جو حکم عطا فرمائیں گے، وہ پورا کیا جائے گا۔"

فرشتے نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں گزارش کی۔ "اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان اس قوم کو کچل ڈالوں۔" (سیرت حلبیہ جلد دوم)

رحمۃ للعالمین ﷺ کا جواب:

سیدنا نبی رحمت ﷺ نے فرشتے کو جواب دیا۔"نہیں! میری آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں ضرور ایسے لوگ پیدا فرمائے گا، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔" (سیرت حلبیہ جلد دوم)

پہاڑوں کے فرشتے نے عرض کیا:

سیدنا محبوب رب العالمین ﷺ کا جواب سن کر فرشتے نے عرض کیا۔"جیسا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نام دیا ہے۔حقیقت میں آپ ﷺ رؤف و رحیم ہیں۔یعنی بہت معاف فرمانے والے اور بہت رحم کھانے والے ہیں۔"

(سیرت المصطفیٰ ﷺ۔سیرت ابن ہشام)

باوجود سخت ایذاؤں کے رحمت عالم و رافت مجسم سیدنا نبی اکرم وشرف کرم ﷺ نے ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی اس لئے دعا نہیں مانگی کی یہ لوگ اگرچہ ایمان نہیں لائے مگر ان کی نسل میں اللہ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلصین اور جان نثار پیدا ہوں گے۔(سیرت مصطفےٰ ﷺ)

جنات کا ایمان لانا:

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جب طائف سے مکہ کی طرف واپس ہوئے، راستہ میں مقام نخلہ پر چند روز قیام کیا۔ایک رات سیدنا رسول رحمت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔سات جنوں کا گروہ جو نصیبین کا رہنے والا تھا، گزرا اور کھڑے ہو کر آپ ﷺ کا قرآن سماعت کرنے لگا اور ایمان لائے،بعدہ اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے اور اُن کو دین اسلام کی دعوت دی۔اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

ترجمہ: "اور اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تاکہ آپ کا قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوگئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ یعنی اس کلام کو سنو۔ پس جب قرآن پڑھا جاچکا، یعنی آپ کی نماز ختم ہوگئی تو یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے تاکہ ان کو آگاہ کریں۔ جا کر بیان کیا کہ ہم عجیب کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے اور جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق راہ راست کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے بھائیو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کرے گا اور جو اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول نہ کرے تو وہ روئے زمین میں چھوٹ کر کہیں نکل نہیں سکتا اور نہ اس کا کوئی حامی ہوگا۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔"

(سورۃ الاحقاف: ۲۹ تا ۳۲)

پناہ کی ضرورت:

طائف سے واپسی پر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے۔ مکہ ہی والوں نے آپ ﷺ کو نکالا ہے۔ سیدنا محبوبِ خدا ﷺ نے فرمایا۔

"اے زید (رضی اللہ عنہ)! اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا اور اللہ ہی اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سب پر غالب کرے گا۔"

غارِ حرا پر پہنچ کر اخنس بن شریق کے پاس پیام بھیجا۔

"کیا میں آپ کی پناہ میں مکہ آ سکتا ہوں؟"

اخنس نے کہا۔

"میں قریش کا حلیف ہوں، اس لئے پناہ نہیں دے سکتا۔"

بعد ازاں سہیل بن عمرو کے پاس سیدنا نبی رحمت ﷺ نے پیام بھیجا۔ سہیل نے کہا۔

"بنو عامر بنو کعب کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتے۔"

اس کے بعد سیدنا نبی کریم ﷺ نے مطعم بن عدی کے پاس یہ پیام بھیجا۔

"کیا میں آپ کی پناہ میں آ سکتا ہوں؟"

مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کو پناہ دے دی۔ اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں۔ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے۔ اور خود اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آ کر کھڑا ہوئے اور قریش کو پکار کر کہا۔

"اے گروہِ قریش! میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دی ہے۔ کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔"

سیدنا نبی کریم ﷺ حرم میں تشریف لائے اور حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف کر کے ایک دوگانہ ادا فرمایا اور گھر تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے آپ ﷺ کو حلقے میں لئے ہوئے تھے۔ (سیرت حلبیہ جلد دوم۔ سیرت مصطفی ﷺ)

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا:

مشرکین قریش کا قاعدہ یہ تھا جو کوئی آدمی باہر سے مکہ میں آتا تو اُس کو سیدنا

نبی رحمت ﷺ سے اس قدر بہکاتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کے پاس نہ آتا اور نہ وہ آپ ﷺ کا کلام سنتا۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک معزز آدمی اور اونچے درجہ کے شاعر تھے۔ مکہ تشریف لائے۔ قریش کے لوگ ان کے پاس پہنچ کر اُن سے کہنے لگے۔

"اے طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو اور یہاں محمد (ﷺ) نے معاملہ بہت پیچیدہ اور سنگین کر دیا ہے۔ اُس نے ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور ہم میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اُس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے، جس سے دو سگے بھائیوں اور میاں بیوی میں بھی پھوٹ پڑ جاتی ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ تم اور تمہاری قوم کہیں اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

"قریش نے اتنا اصرار کیا کہ میں نے اپنے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا۔ یہاں تک کہ لوگ مجھ کو ذوالقفتین کہنے لگے۔"

کلامِ الٰہی کی تاثیر:

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"صبح کو میں مسجد الحرام میں گیا تو بیت اللہ کے سامنے محمد (ﷺ) نماز میں مشغول ہیں اور تلاوتِ قرآن کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ آپ ﷺ جو کلام پڑھ رہے ہیں، میرے کانوں میں بھی پڑ جائے۔ میں نے نہایت پاکیزہ اور خوب صورت کلام سنا۔ دل میں سوچنے لگا میں اچھے اور بُرے کو خود ہی جانتا ہوں۔ اس

لئے اُن کی بات سن لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر اُن کا کلام بہتر اور عمدہ ہوگا، میں اُس کو قبول کروں گا ورنہ اپنا راستہ لوں گا۔"

کچھ دیر کے بعد محمد (ﷺ) اپنے گھر کی طرف چلے تو میں پیچھے ہولیا۔ جب محمد (ﷺ) دولت کدہ پر پہنچے تو میں نے اُن سے عرض کیا۔

"اے محمد (ﷺ)! آپ کی قوم نے مجھ سے ایسا ایسا کہا تھا۔ اسی لئے میں نے آپ کی بات سننے سے بچنے کے لئے اپنے کانوں میں کپڑا تک ٹھونس لیا تھا۔ مگر آپ اپنی بات یعنی دین پیش کریں۔"

سیدنا محمد عربی ﷺ نے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی اور تلاوتِ قرآن فرمائی۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم! میں نے اس سے اچھا کلام کبھی سنا اور نہ اس سے عمدہ معاملہ کبھی میرے سامنے پیش ہوا اور اسلام سے زیادہ معتدل اور متوسط کسی دین کو نہیں پایا۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کا دعوتِ اسلام قبول کرنا:

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے دعوتِ اسلام قبول کی اور ایمان لا کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں التماس کی:

"اے اللہ کے نبی! میں اپنی قوم میں ایک اونچی حیثیت کا آدمی ہوں۔ جس کی بات سب مانتے ہیں۔ اب میں واپس اپنے وطن جا رہا ہوں، جہاں میں اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ ﷺ اللہ سے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی نشانی عطا فرمائے، جو

میری معین ومددگار ہو۔"

نشانی حق:

اس پر سیدنا رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! اس کے لئے کوئی نشانی پیدا فرما۔"

اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بارگاہِ اقدس واطہر سے روانہ ہو گئے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو اُن کی آنکھوں کے درمیان روشن چراغ کی مانند نور پیدا ہو گیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اللہ سے دعا کی۔

"اے اللہ! اس نور کو بجائے چہرہ کے کسی اور جگہ منتقل فرما کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میری قوم کے لوگ اس کو یہ نہ سمجھ لیں کہ دین بدل لینے سے میری شکل بگڑ گئی۔ وہ نور اسی وقت میرے کوڑے کی طرف منتقل ہو گیا اور وہ کوڑا مثل ایک قندیل اور لالٹین کے بن گیا۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو اسی نور کی وجہ سے ذی النور یعنی نور والے کا خطاب دیا گیا ہے۔

اہل خانہ کا اسلام:

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب میں گھر پہنچا تو میرے والد صاحب آئے تو میں نے والد صاحب سے کہا۔

"آپ میرے پاس مت آئیے۔ اَب نہ میرا آپ سے کوئی تعلق ہے اور نہ آپ کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔"

والد صاحب نے کہا۔

"کیوں بیٹے! ایسا کیوں ہے؟"

میں نے کہا۔

"میں مسلمان ہو گیا اور میں نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کے دین کی پیروی کر لی ہے۔"

والد صاحب نے فرمایا۔

"بیٹے! جو تمہارا دین ہے، وہی میرا دین ہے۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے والد صاحب کو غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کا کہا تو والد صاحب نے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کر لئے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اُن کو مسلمان کر لیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی مسلمان ہو گئیں۔

قوم کو دعوتِ اسلام:

اس کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم دوس کو دین حق کی دعوت دی۔ قوم بگڑ گئی اور آپ رضی اللہ عنہ پر سختی شروع کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ دوبارہ مکہ میں سیدنا سرور عالم ﷺ کے پاس آئے اور بارگاہِ اقدس واطہر ﷺ میں عرض کیا۔

"یارسول اللہ (ﷺ)! قوم دوس مجھ پر غالب آ گئی۔ آپ ﷺ قوم دوس کے لئے بددعا فرمائیے۔"

سیدنا رحمۃ للعالمین ﷺ نے ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا فرمائی:

اللّٰھم اھد دوسا وانت بھم

ترجمہ: "اے اللہ! قبیلہ دوس کو ہدایت دے۔"

اور حضرت طفیل رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا۔

"جاؤ نرمی سے اسلام کی طرف بلاؤ۔"

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ پھر واپس اپنی قوم میں چلے گئے اور اُن کو دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ آخر وہ سیدنا نبی رحمت ﷺ کی دُعا کی برکت سے مسلمان ہو گئے۔ ۷ھ تک ستر اَسی گھرانے اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان سب کو مدینہ شریف خیبر کے مقام لے کر حاضر ہوئے۔ ان ہی میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے سیدنا محبوب رب العالمین ﷺ سے درخواست کی کہ عمرو بن حمیمہ کے بت ذوالکفین کے جلانے کی اجازت دیجئے۔ سیدنا حبیبِ خدا ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بت کو جلاتے جاتے تھے اور یہ بھی پڑھتے جاتے تھے:

يا ذاالكفين لست من عبادك

ميلادنا اكبر من ميلادك

ترجمہ: "اے ذوالکفین! میں تیری پرستش کرنے والوں میں سے نہیں۔ میری پیدائش تیری پیدائش سے مقدم ہے۔"

ان حشوت النار فی فوادك

ترجمہ: "میں نے تیرے دل کے اندر خوب آگ بھری ہے۔"

(سیرت ہشام۔ طبقات ابن سعد۔ سیرت حلبیہ جلد دوم۔ سیرت مصطفی ﷺ)

معراج النبی ﷺ:

طائف سے واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیدنا محبوب رب العالمین ﷺ کو اسی جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری ایک ہی شب میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے سبع سمٰوات تک سیر کرائی، جسے "اسراء و معراج" کہا جاتا ہے۔

یہ واقعہ قرآن پاک سے ثابت ہے اور حدیثوں میں تفصیلی طور پر بیان ہوا ہے۔

(ابن قیم الجوزی زادالمعاد ج ۳ ص ۳۴)

اسراء کے لغوی معنی رات کو چلنے کے ہیں۔ چونکہ سیدنا نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلایا، آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے، جہاں آپ ﷺ نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ اس لئے اس واقعہ کو اسراء کہا جاتا ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس سال معراج ہوئی۔ علماء کرام کے اس بارے میں دس اقوال ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اور بیعت عقبہ سے پہلے معراج ہوئی۔

۱. ہجرت سے چھ ماہ قبل معراج ہوئی۔
۲. ہجرت سے آٹھ مہینہ پیشتر
۳. ہجرت سے گیارہ مہینہ پیشتر۔
۴. ہجرت سے ایک سال پیشتر
۵. ہجرت سے ایک سال دو ماہ پیشتر۔
۶. ہجرت سے ایک سال اور تین ماہ پیشتر
۷. ہجرت سے ایک سال اور پانچ ماہ پیشتر۔
۸. ہجرت سے ایک سال اور چھ ماہ پیشتر
۹. ہجرت سے تین سال پیشتر۔
۱۰. ہجرت سے پانچ سال پیشتر

حضرات علماء فرماتے ہیں بیت اللہ شریف سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر اسراء ہے۔ مسجد اقصیٰ سے لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر مبارک کو معراج کہتے ہیں۔ معراج کو معراج اس لئے کہتے ہیں کہ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ جنت سے ایک سیڑھی لائی گئی، جس کے ذریعہ سیدنا محبوب خدا ﷺ آسمانوں پر چڑھے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ "ضیاء النبی ﷺ" میں سفر معراج کے بارے میں کچھ اس انداز سے تحریر کرتے ہیں، جس کے پڑھنے سے دلی تسکین نصیب ہوتی ہے اور عظمتِ مصطفی ﷺ دل میں بڑھ جاتی ہے۔ پڑھئے اور سر دھنیئے۔

اللہ جل شانہٗ کے عبد منیب اور حبیب لبیب ﷺ کے جو آنسو طائف کی زمین پر ٹپکے، خونِ ناب کے جو معطر قطرے گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے جسم اطہر سے بہے، شانِ کریمی نے انہیں موتی سمجھ کر چن لیا۔ اور دُعا کے لئے اُٹھنے والے ہاتھ کیا اُٹھے کہ قدرت کی بندہ نوازیوں نے روشن مستقبل کی کلید ان مبارک ہاتھوں میں تھمادی۔ آئے روز الطافِ الٰہی کا یوں مسلسل ظہور ہونے لگا کہ خاطر عاطر پر حزن و ملال کا جو غبار پڑا تھا، وہ صاف ہوتا گیا۔ آخر وہ مبارک رات آئی جب کہ دستِ قدرت نے اپنے مادی، معنوی اور روحانی خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ نور ذات پر صفات کے جو پردے پڑے تھے، ایک ایک کر کے اُٹھنے لگے۔ بیکراں مسافتیں سمٹتی گئیں اور عبد کامل حریم قدس میں "دَنَا فَتَدَلّٰی" کی منزلیں طے کرتا ہوا قرب و حضوری کے اس مقام رفیع پر فائز کر دیا گیا، جس کی تعبیر زبان قدرت نے "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے پیارے پیارے کلمات سے فرمائی۔ اس سے مزید قرب کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور اس قرب خاص کے بیان کے لئے اس سے دل نشین کوئی اسلوب بیان اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ رب قدوس نے اپنے محبوب کریم کے غلاموں کو لیلۃ القدر کے انعام سے بہرہ ور فرمایا اور اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادتوں سے افضل قرار دے دیا اور جس محبوب کے صدقے ہم بے نواؤں اور خطا کاروں پر یہ لطف و کرم ہوا، اس حبیب کے علو مرتبت کے اظہار کے لئے اور دن رات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے والے دل کو اپنے دیدار سے مشرف کرنے کیلئے رات کو سفر معراج کا اہتمام فرمایا۔ (ضیاء النبی ﷺ از پیر محمد کرم شاہ الازہری)

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ

الْعَظِيمِ (سورۃ البقرۃ:۱۰۵)

ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔"

وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ (سورۃ النساء:۱۱۳)

ترجمہ: "اے حبیب! اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔"

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل:۸۷)

ترجمہ: "یقیناً اس کا فضل و کرم اے حبیب! آپ پر بہت بڑا ہے۔"

ان کے علاوہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اس لطف و کرم اور فضل عظیم و کبیر کا اظہار فرمایا ہے، جس سے اس نے اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کو سرفراز فرمایا۔

انصار کی بیعت:

آنحضرت ﷺ کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اسی غرض سے ان کے میلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ ان میلوں میں سے عکاظ و مجنہ و ذوالمجاز کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ عکاظ جو ان سب سے بڑا تھا نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلہ پر لگا کرتا تھا۔

یہ عرب کی تجارت کی بڑی منڈی اور شعراء کا دنگل تھا ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہا کرتا تھا۔ پھر مجنہ جو مرالظہران کے متصل مکہ سے چند میل پر تھا۔ اخیر ذیقعدہ تک لگتا۔ اور ذوالمجاز جو عرفہ کے متصل تھا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تک قائم رہتا۔ بعد ازاں لوگ حج کو نکلتے۔

آنحضرت ﷺ لوگوں کے ڈیروں پر جا کر تبلیغ فرماتے۔ مگر کوئی آپ کی نصرت کا دم نہ بھرتا تھا۔ عرب کے قبائل جن کے پاس حضرت بغرض تبلیغ تشریف لے گئے یہ ہیں: بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، ان سب کو آپ نے دعوت اسلام دی۔ مگر کوئی ایمان نہ لایا ابولہب لعین ہر جگہ ساتھ جاتا۔ جب آپ کہیں تقریر فرماتے تو وہ برابر سے کہتا:

"اس کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بڑا دروغ گو دین سے پھرا ہوا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور اپنے رسول کا اعزاز منظور تھا۔ اس لیے نبوت کے گیارھویں سال ماہ رجب میں جب آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایمان لے آئے۔ (سیرت ابن ہشام)

واضح رہے کہ مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں یہاں قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے۔ ان کے بعد شام سے یہود آبسے۔ اور انہوں نے یثرب اور اس کے نواح میں اپنی سکونت کے لیے آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ جب مارب واقع یمن میں سیل عرم آیا تو وہاں کے لوگ یمن سے نکل کر مختلف جگہوں میں چلے گئے۔

چنانچہ قبیلہ ازد بن غوث قحطانی کے دو بھائی اوس وخزرج یثرب میں آبسے۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ یہود کا چونکہ بڑا اقتدار وزور تھا اس لیے قبیلہ اوس وخزرج آخر کار ان کے حلیف بن گئے۔

یہود اہل کتاب اور صاحب علم تھے۔ اوس وخزرج نے جو بت پرست تھے ان سے سنا ہوا تھا کہ ایک اور پیغمبر عنقریب معبوث ہونے والا ہے۔ اس لیے جب

آنحضرت ﷺ نے حسب معمول دعوت اسلام دی تو خزرج کے چھ اشخاص نے آپ کے حالات پر غور کر کے ایک دوسرے سے کہا کہ:

"واللہ! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے یہود مدینہ سے سنا ہوا ہے۔
کہیں یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔"

اس لیے وہ سب آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آئندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے۔ اور انہوں نے عقبہ کے متصل آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر عورتوں کی طرح بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے زنا نہ کریں گے بہتان نہ لگائیں گے کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ چونکہ عورتوں سے ان ہی باتوں پر بیعت ہوئی تھی۔ اس لیے بیعت مذکورہ کو عورتوں کی سی بیعت کہا گیا۔ اس کو بیعت عقبہ اولیٰ یعنی عقبہ میں اول مرتبہ بیعت بولتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام)

آنحضرت ﷺ نے ان بارہ کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بدیں غرض بھیجا کہ ان کو تعلیم اسلام دیں۔ حضرت مصعب نے سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا۔ پھر ان کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اوس میں آئے۔ اس قبیلہ کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آپ کے سمجھانے سے ایمان لائے۔ اور ان کے ایمان لانے سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام)

نبوت کے تیرھویں سال میں ایام حج میں انصار کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے مشرک بھی بغرض حج مکہ میں آئے۔ جب حج سے فارغ ہوئے تو ان میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں اپنی قوم سے چھپ کر ایام تشریق میں رات کے وقت عقبہ منیٰ

میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عباس بن عبدالمطلب جو اب تک اسلام نہ لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے سب سے پہلے وہی بولے۔

"اے گروہ خزرج محمد (ﷺ) اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اور اپنے شہر میں مددگاروں کی ایک جماعت ساتھ رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کو دشمنوں سے بچایا ہے اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو۔"

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم مجھ سے وہ چیز باز رکھو گے جو اپنے اہل وعیال سے باز رکھتے ہو۔ یہ سن کر سب سے پہلے براء بن معرور انصاری خزرجی نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا:

"ہمیں منظور ہے یا رسول اللہ ہمیں بیعت کر لیجئے۔ واللہ ہم اہل حرب واہل سلاح ہیں۔ یہی چیزیں باپ دادا سے ہمیں ورثہ میں ملی ہیں۔"

ابوالہیثم بن تیہان انصاری اوسی نے قطع کلام کر کے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو بیعت سے ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا:

"نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے۔"

اس طرح جب وہ بیعت کے لیے آمادہ ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نصلہ انصاری خزرجی نے ان سے کہا:

"یہ بھی خبر ہے کہ تم محمد (ﷺ) سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم سے جنگ پر بیعت ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جب تمہارے مال تاراج ہوں اور تمہارے اشراف قتل ہوں۔ تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور اگر ایسی مصیبت پر بھی ساتھ دے سکو تو بیعت کر لو۔"

سب بولے ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں مگر یا رسول اللہ اگر ہم اس عہد پر ثابت رہیں تو ہمیں کیا ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا بہشت۔ یہ سن کر سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اسے عقبہ کی بیعت ثانیہ کہتے ہیں بیعت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان میں سے بارہ اشخاص کو نقیب مقرر کیا جن کے نام خود انصار نے پیش کیے اور ان سے یوں خطاب فرمایا:

"تم اپنی اپنی قوم کے حالات کے کفیل ہو۔ جیسا کہ حواری حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہا السلام) کے تھے۔ اور میں اپنی قوم کا کفیل ہوں۔"

وہ بولے کہ ہاں! منظور ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کو قریش ان سے کہنے لگے ہم نے سنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ ان کے مشرک ساتھیوں نے کہا کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی یہ سن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر تفتیش کے بعد حقیقت حال جو ان کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔ صرف سعد بن عبادہ ان کے ہاتھ آئے۔ ظالموں نے ان ہی کے

اونٹ کے تنگ سے ان کے ہاتھ گردن سے جکڑ لیے۔ اور مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے ان کو مکہ میں لے آئے۔ وہاں جبیر بن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے ان کو چھڑایا۔ (سیرت رسولِ عربی ﷺ)

قریش کی اذیت رسانی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہو گیا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے اور مکہ میں حضور انور ﷺ کے علاوہ حضرت ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما اور کچھ بیمار و عاجز آدمی رہ گئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔"

حضورِ اکرم ﷺ نے عرض کیا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ امید ہے؟"

حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہاں"

یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمراہی کی اُمید پر حاضر خدمت رہے۔

ہجرت مدینہ:

روایات میں آتا ہے مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ مدینہ منورہ کی صورت میں ڈھونڈ لی ہے تو انہوں نے ایک منصوبہ بنایا جس میں تمام قبائل کا ایک ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کے باہر

اکٹھا ہوا تا کہ ایک لمحے میں حضور نبی کریم ﷺ پر وار کر کے انہیں شہید کر دیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی مشرکین مکہ کے ناپاک ارادوں کی خبر ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ صبح ہوتے ہی لوگوں کی وہ امانتیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھیں وہ متعلقہ لوگوں کو واپس کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"علی (رضی اللہ عنہ)! مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا اور میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرنے والا ہوں۔ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں تم ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دینا۔ مشرکین مکہ نے میرے قتل کی منصوبہ بندی کی ہے اور وہ آج رات مجھے قتل کرنے کا ناپاک ارادہ رکھتے ہیں۔ تم میری یہ چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق بستر پر لیٹ گئے اور چادر اوڑھ لی۔ مشرکین مکہ نے رات بھر حضور نبی کریم ﷺ کے گھر کا محاصرہ جاری رکھا مگر صبح ہوتے ہی انہیں خبر ہوئی کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو چکا اور حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر جا چکے ہیں۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۱۰۲، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۰۵)

حضور نبی کریم ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب فرمایا:

"بطحائے مکہ، تو پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے
اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ
سکونت پذیر نہ ہوتا۔"

اسی رات آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گھر کے عقب میں ایک دریچہ سے نکلے اور کوہ ثور کے غار پر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ داخل نہ ہوں۔ جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہولوں تاکہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے آپ ﷺ کو نہ کاٹے۔

اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دی۔ اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلوار پھاڑ کر ان کو بند کیا مگر دو سوراخ باقی رہ گئے، ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیئے۔ پھر عرض کیا اب تشریف لائیے۔ آپ ﷺ داخل ہوئے اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کاٹا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ ﷺ جاگ اٹھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو جو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے تو فرمایا:

"ابوبکر تجھے کیا ہوا؟"

عرض کی:

"میرے ماں باپ آپ پر فدا مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا۔"

آپ ﷺ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا۔

(مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر)

اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آ کر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فُہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو دو بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبداللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تاکہ نقش مٹ جائے۔

جب آنحضرت ﷺ رات کو اپنے دولت خانہ سے نکل آئے تو صبح کو کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس لیے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا۔

(مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات، فصل ثالث)

دہانہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر (حضرت) محمد (ﷺ) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ اس حال میں آہٹ پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے گا۔"

آپ نے فرمایا:

"غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گزار کر شب دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن فُہیرہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ بدرقہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ راستے میں اگر کوئی حضرت صدیق سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادی طریق ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرہ میں جمع ہوتے۔انتظار کرتے جب دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لیے نظر دوڑائی۔ اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔ وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکار اٹھا:

"اے معشر عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔"

یہ سن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرہ قباء کے عقب میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔ اور اظہار مسرت کے لیے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں پہنچی۔ یہ قبیلہ موضع قباء میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اوسی تھا۔ اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اترے تھے۔ حضور ﷺ نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

تعمیر مسجد قباء:

قباء میں رسول اللہ ﷺ کا نزول ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو ہوا۔ یہی تاریخ

اسلام کی ابتداء ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کی روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے یہاں آملے اور یہیں رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کی بناء رکھی جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے:

ترجمہ: "البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں وہ مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (سورۃ توبہ:۱۰۸)

بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لیے پھیلا دی جاتی تھیں آنحضرت ﷺ نے اس سے یہ زمین لے کر مسجد مذکور کی بنیاد رکھی۔

حضور اقدس ﷺ کا قیام سات ماہ تک حضرت ابو ایوب کے ہاں ہی رہا۔ جب مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تیار ہو گئے تو نقل مکان فرمایا۔ اس عرصہ میں بنو نجار نے مہمانی کا حق کما حقہ، ادا کیا۔ حضرت ابو ایوب اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے خصوصیات سے اس میں حصہ لیا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزا۔

تعمیر مسجد نبوی:

آنحضرت ﷺ کا ناقہ جہاں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ دو نجاری یتیموں (سہیل و سہل) کی تھی۔ جن کے ولی حضرت اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ اس زمین میں کھجوریں خشک کرنے کے لیے پھیلا دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت اسعد نے نماز کے لیے ایک مختصر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس پر چھت نہ تھی۔ یہاں وہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت اور مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔

حضور ﷺ نے یہاں مسجد جامع بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے قیمت پر زمین طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلا قیمت آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبا دی گئیں۔ درخت کاٹ دیئے گئے۔ اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔ حضور سرورِ دو عالم ﷺ خود بھی کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ اپنی چادر میں اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے:

"اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیبر کے تمروز بیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں۔"

یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔ بنیادیں تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی۔ چھت برگ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ تین دروازے تھے۔ ایک جانب کعبہ اور دو دائیں بائیں۔ جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو جانب کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور اس کے مقابل شمالی جانب میں نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ چونکہ چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا۔ اس لیے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش بہت ہوئی۔ جو نمازی آتا کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا۔ جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

"یہ خوب ہے۔"

اور کنکروں کا فرش بنوا دیا۔

اذان کی ابتداء:

مسجد نبوی کی تعمیر تو مکمل ہو گئی۔ مگر لوگوں کو نمازوں کے وقت جمع کرنے کا

کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جس سے نماز باجماعت کا انتظام ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ بعض نے نمازوں کے وقت آگ جلانے کا مشورہ دیا۔ بعض نے ناقوس بجانے کی رائے دی مگر حضور اقدس ﷺ نے غیر مسلموں کے ان طریقوں کو پسند نہیں فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہر نماز کے وقت کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو پوری مسلم آبادی میں نماز کا اعلان کر دے۔ حضور ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ نمازوں کے وقت لوگوں کو پکار دیا کریں۔ چنانچہ وہ "الصلوٰۃ جامعۃ" کہہ کر پانچوں نمازوں کے وقت اعلان کرتے تھے۔ اسی درمیان میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اذان شرعی کے الفاظ کوئی سنا رہا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کو بھی اسی قسم کے خواب نظر آئے۔ حضور ﷺ نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم بلال کو اذان کے کلمات سکھا دو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ چنانچہ اسی دن شرعی اذان کا طریقہ جو آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا شروع ہو گیا۔

(زرقانی ج ۱ ص ۳۷۶ و بخاری)

اصحابِ صفہ:

پایانِ مسجد میں ایک سائبان تھا جو صفہ کہلاتا تھا اور ان فقراء و مساکین صحابہ کے لیے تھا۔ جو مال و منال اور اہل و عیال نہ رکھتے تھے۔ ان کی تعداد میں موت یا سفر یا تزوج کے سبب سے کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ بعض وقت ان کی تعداد ستر تک پہنچ جاتی تھی۔ باہر سے مدینہ میں اگر کوئی آتا اور شہر میں اس کا کوئی شریف جان پہچان نہ ہوتا تو

وہ بھی صفہ میں اترا کرتا تھا۔

(مرقات شرح مشکوۃ، جز خامس، صفحہ ۴۸۶۔ عینی شرح صحیح بخاری، جز ثانی، صفحہ ۶۱۳)

مواخات:

مہاجرین اپنے وطن سے اہل وعیال اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر بے سرو سامان چھپ کر نکلے تھے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد جامع کی تعمیر کے بعد مہاجرین وانصار میں رشتۂ اخوت قائم کیا۔ تاکہ مہاجرین غربت کی وحشت اور اہل و عیال کی مفارقت محسوس نہ کریں اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔

مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی آپ ﷺ ہر دو فریق میں سے دو دو کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب، باب اخاء النبی ﷺ بین المہاجرین والانصار)

یہودِ مدینہ سے معاہدہ:

مدینہ منورہ میں اکثر و بیشتر آبادی اوس وخزرج کے قبائل کی تھی مگر عرصہ دراز سے یہود بھی یہاں آباد تھے اور ان کی کافی تعداد تھی۔ مدینہ منورہ اور خیبر میں ان کے مدرسے اور علمی مراکز تھے اور خیبر میں ان کے متعدد قلعے تھے۔ یہ لوگ اہلِ کتاب تھے اور سرزمین حجاز میں بمقابلہ مشرکین ان کو علمی تفوق اور امتیاز حاصل تھا۔ ان لوگوں کو کتب سماویہ کے ذریعہ نبی آخرالزمان ﷺ کے احوال و اوصاف کا بخوبی علم تھا۔

علماء اور احبار یہود میں سے جو صالح اور سلیم الفطرت تھے انہوں نے نبی آخر الزمان کی پیش گوئیوں کو ظاہر کیا اور آپ پر ایمان لائے، مگر اکثروں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حسد اور عناد ان کے لئے سدراہ بنا اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے حسد اور عناد اور فتنہ وفساد کے انسداد کے لئے ان سے ایک تحریری معاہدہ کیا تاکہ ان

کی مخالفت اور عناد میں زیادتی نہ ہو اور مسلمان ان کے فتنہ وفساد سے محفوظ رہ سکیں۔

(سیرۃ ابن ہشام۔البدایہ والنہایہ ج ۳،ص ۲۲۴)

سریہ حمزہ:

حضور اقدس ﷺ نے ہجرت کے بعد جب جہاد کی آیت نازل ہوگئی تو سب سے پہلے جو ایک چھوٹا سا لشکر ،کفار کے مقابلہ کیلئے روانہ فرمایا۔ اس کا نام "سریہ حمزہ" ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ایک سفید جھنڈا اعطاء فرمایا اور اس جھنڈے کے نیچے صرف تیس (۳۰) مہاجرین کو ایک لشکرِ کفار کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ جو تین سو کی تعداد میں تھے اور ابو جہل ان کا سپہ سالار تھا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ "سیف البحر" تک پہنچے اور دونوں طرف سے جنگ کے لئے صف بندی بھی ہوگئی لیکن ایک شخص مجدی بن عمرو بن جہنی نے دونوں فریق کا حلیف تھا بیچ میں پڑ کر لڑائی موقوف کرادی۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۸ وزرقانی ج ۱ صفحہ ۳۹۰)

سریہ عبید بن الحارث:

اسی سال ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت عبیدہ بن الحارث کو سفید جھنڈے کے ساتھ امیر بنا کر "رابغ" کی طرف روانہ فرمایا۔ اس سریہ کے علمبردار حضرت مسطح بن اثانہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جب یہ لشکر "ثنیہ ءمرہ" کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان اور ابو جہل کے لڑکے عکرمہ کی کمان میں دو سو کفار قریش جمع تھے دونوں لشکروں کا سامنا ہوا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ یہ سب سے پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی طرف سے کفار مکہ پر چلایا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کل آٹھ تیر پھینکے اور ہر تیر نشانہ پر ٹھیک

بیٹھا کفاران تیروں کی مار سے گھبرا کر فرار ہو گئے۔ اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۸ وزرقانی ج ا صفحہ ۳۹۲)

سریہ سعد بن ابی وقاص:

اسی سال ماہ ذوالقعدہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس سواروں کے ساتھ حضور ﷺ نے اس مقصد سے بھیجا تا کہ یہ لوگ کفار قریش کے ایک لشکر کا راستہ روکیں۔ اس سریہ کا جھنڈا بھی سفید رنگ کا تھا اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اس لشکر کے علمبردار تھے۔

یہ لشکر راتوں رات سفر کرتے ہوئے جب پانچویں دن مقام "خرار" پر پہنچا۔ تو پتہ چلا کہ کفارِ مکہ ایک دن پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔ اس لئے کسی تصادم کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (زرقانی علی المواہب ج ا صفحہ ۳۹۲)

غزوۂ ابواء:

اس غزوہ کو "غزوہ ودان" بھی کہتے ہیں۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا غزوہ ہے جس میں پہلی مرتبہ آقائے دو جہاں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ جہاد کے ارادہ سے ماہ صفر دو ہجری میں ساٹھ مہاجرین کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ سے باہر نکلے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیا اور مقام "ابوا" تک کفار کا پیچھا کرتے ہوئے تشریف لے گئے۔ مگر کفار مکہ فرار ہو چکے تھے۔ اس لئے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

"ابوا" کا علاقہ مدینہ سے اسی میل دور ایک گاؤں ہے۔ جہاں حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا مزار ہے۔ یہاں چند دن ٹھہر کر قبیلہ بنو ضمرہ کے سردار "فحشی بن عمرو ضمری" سے امداد باہمی کا ایک تحریری معاہدہ کیا اور مدینہ واپس تشریف لائے۔

اس غزوہ میں حضورِ نبی کریم ﷺ پندرہ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۹۳)

غزوۂ بواط:

ہجرت کے تیرہویں مہینے دو ہجری میں مدینہ پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنا کر دو سو مہاجرین کو ساتھ لے کر حضور ﷺ جہاد کی نیت سے روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کا جھنڈا بھی سفید تھا اور علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

اس غزوہ کا مقصد کفارِ مکہ کے ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنا تھا۔ اس قافلہ کا سالار "اُمیہ بن خلف جمحی" تھا اور قافلہ میں ایک سو قریشی کفار اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ حضور ﷺ اس قافلہ کی تلاش میں مقام "بواط" تک تشریف لے گئے۔ مگر کفار قریش کا کہیں سامنا نہیں ہوا۔ اس لئے حضور ﷺ بغیر کسی جنگ کے مدینہ واپس تشریف لائے۔ (زرقانی علی المواہب جلد ۱ ص ۳۹۳)

غزوہ سفوان:

اسی سال "کرز بن جابر فہری" نے مدینہ کی چراگاہ میں ڈاکہ ڈالا اور کچھ اونٹوں کو ہانک کر لے گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ بنا کر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنا کر صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ وادی سفوان تک اس ڈاکو کا تعاقب کیا مگر وہ اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا کہ ہاتھ نہیں آیا اور حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ وادی سفوان "بدر" کے قریب ہے۔ اسی لئے بعض مورخین نے اس غزوہ کا نام "غزوہ بدر اولیٰ" رکھا ہے۔ اس لئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ غزوہ سفوان اور غزوہ بدر اولیٰ دونوں ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۹)

غزوہ ذی العشیرہ:

اسی دو ہجری میں کفار قریش کا ایک قافلہ مال تجارت لے کر مکہ سے شام جارہا تھا۔ حضور ﷺ ڈیڑھ سو یا دو سو مہاجرین صحابہ کو ساتھ لے کر اس قافلہ کا راستہ روکنے کیلئے مقام "ذی العشیرہ" تک تشریف لے گئے۔ جو "ینبوع" کی بندرگاہ کے قریب ہے۔ مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اس لئے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ مگر یہی قافلہ جب شام سے واپس لوٹا اور حضور ﷺ اس کی مزاحمت کے لئے نکلے تو جنگ بدر کا معرکہ پیش آگیا۔ (زرقانی ج۱ص ۳۹۵)

سریہ عبداللہ بن جحش:

اسی سال ماہ رجب دو ہجری میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر ان کی ماتحتی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کا ایک قافلہ روانہ فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو لفافہ میں ایک مہر بند خط دیا اور فرمایا کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اس لفافہ کو کھول کر پڑھنا اور اس میں جو ہدایت لکھی ہوئی ہو۔ ان پر عمل کرنا۔ جب خط کھول کر پڑھا تو اس میں یہ درج تھا کہ تم طائف اور مکہ کے درمیان "نخلہ" میں ٹھہر کر قریش کے قافلوں پر نظر رکھو اور صورت حال کی ہمیں برابر خبر دیتے رہو۔ یہ بڑا ہی خطرناک کام تھا۔ کیونکہ دشمنوں کے عین مرکز میں قیام کر کے جاسوسی کرنا گویا موت کے منہ میں جانا تھا یہ سب جانثار بے دھڑک مقام "نخلہ" پہنچ گئے۔ عجیب اتفاق کہ رجب کی آخری تاریخ کو یہ لوگ نخلہ میں پہنچے اور اسی دن کفار قریش کا ایک تجارتی قافلہ آیا جس میں عمرو بن الحضرمی اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان و نوفل اور حکم بن کیسان وغیرہ تھے اور اونٹوں

پر کھجور اور دوسرا مال تجارت لدا ہوا تھا۔ امیر سریہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اگر ہم ان قافلہ والوں کو چھوڑ دیں تو یہ لوگ مکہ پہنچ کر ہم لوگوں کی یہاں موجودگی سے مکہ والوں کو باخبر کر دیں گے اور ہم لوگوں کو قتل یا گرفتار کر ادیں گے اور اگر ہم ان لوگوں سے جنگ کریں تو آج رجب کی آخری تاریخ ہے لہٰذا شہر حرام میں جنگ کرنے کا گناہ ہم پر لازم ہوگا۔ آخر یہی رائے قرار پائی کہ ان لوگوں سے جنگ کر کے اپنی جان کے خطرہ کو دفع کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ وہ عمرو بن الحضرمی کو لگا اور وہ اسی تیر سے قتل ہو گیا اور عثمان و حکم کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ نوفل بھاگ نکلا۔ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اونٹوں اور ان پر لدے ہوئے مال واسباب کو مال غنیمت بنا کر مدینہ لوٹ آئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اس مال غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱ص ۳۹۸)

جو لوگ قتل یا گرفتار ہوئے وہ بہت ہی معزز خاندان کے لوگ تھے۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل ہوا عبد اللہ حضرمی کا بیٹا تھا۔ عمرو بن الحضرمی پہلا کافر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جو لوگ گرفتار ہوئے۔ یعنی عثمان اور حکم۔ ان میں سے عثمان تو مغیرہ کا پوتا تھا۔ جو قریش کا ایک بڑا رئیس شمار کیا جاتا تھا اور حکم بن کیسان عمرو مخزومی کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس بنا پر اس واقعہ نے تمام کفار قریش کو غیظ وغضب میں آگ بگولہ بنا دیا اور "خون کا بدلہ خون" لینے کا نعرہ مکہ کے ہر کوچہ و بازار میں گونجنے لگا اور درحقیقت جنگ بدر کا معرکہ اسی واقعہ کا ردعمل ہے۔ چنانچہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ بدر اور تمام لڑائیاں جو کفار قریش سے ہوئیں ان سب کا بنیادی سبب عمرو بن الحضرمی کا قتل ہے۔ جس کو حضرت واقد بن عبد اللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا۔ (تاریخ طبری ص ۱۲۸۴)

غزوۂ بدر:

غزوۂ بدر سب سے بڑا غزوہ ہے۔ اِس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلہ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس ﷺ ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ امیر قافلہ ابوسفیان تھا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سا مال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا۔ تو حضور اقدس ﷺ کو خبر لگی۔ آپ نے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ اِس لیے جلدی سے تیاری کر کے آپ بتاریخ ۱۲ ماہ رمضان بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے۔ اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر بِرِ ابی عتبہ پر لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپ نے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمر، براء بن عازب، انس بن مالک، جابر، زید بن ثابت اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم) کو واپس کر دیا۔ اور باقی کو لے کر روانہ ہوئے۔ (سیرت رسولِ عربی ﷺ از نور بخش توکلی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عمیر جن کی عمر سولہ سال کی تھی حضور اقدس ﷺ سے آنکھ بچا رہے تھے۔ کیونکہ اِن کو شہادت کا شوق تھا۔ مگر ڈرتے تھے کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب واپس نہ کر دیئے جائیں۔ چنانچہ جب پیش ہوئے تو واپسی کا حکم ملا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لہٰذا اس رحمۃ اللعالمین نے شمولیت کی اجازت دے دی۔ بلکہ ان پر خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا۔ (طبقات ابن سعد)

واضح رہے کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض کے لیے نکلے تھے۔ ان کو علم نہ تھا کہ فوج قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے فوری نا تمام تیاری کی گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔"

انصار آپ سے ان اونٹوں کے لانے کے لیے جو مدینہ کے حصہ بالائی میں

تھے۔اجازت مانگنے لگے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"نہیں صرف وہی ساتھ چلے جس کا سواری کا اونٹ حاضر ہے۔"

(صحیح مسلم کتاب باب الجہاد)

آپ ﷺ کے ساتھ صرف ستر اونٹ دو گھوڑے اور تین سو آٹھ مجاہدین تھے۔جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے اور باقی سب انصار تھے۔آٹھ صحابہ اور تھے۔جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے۔حضور اقدس ﷺ نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔لہٰذا یہ بھی اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔

ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے۔یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی تیمارداری کیلئے حضور ﷺ ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ (ہر دو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں) جن کو حضور ﷺ نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کیلئے بھیج دیا تھا اور وہ آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مدینہ میں واپس آئے تھے اور پانچ انصار تھے۔

حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ جن کو آنحضرت ﷺ نے اپنی غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔عاصم بن عدی العجلانی جو روحا (بدر سے ۳۶ میل دور کا علاقہ) سے شدید زخم کے سبب واپس روانہ کر دیئے گئے اور مدینہ منورہ کی بالائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس ﷺ نے روحا سے کسی خاص کام کے لیے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیج دیا۔حارث بن الصمہ جو روحاء میں ٹانگ پر ضرب شدید آنے کے سبب واپس کر دیئے گئے اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام صفرا سے واپس کر دیئے گئے۔

سواری کے لیے تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسرے پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ روحاء سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلہ قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا وہ بدر میں پہنچے اور وہاں سے یہ خبر سن کر آئے کہ قافلہ کل یا پرسوں بدر میں پہنچے گا۔

ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی کہ حضرت قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لیے اس نے حجاز کے قریب پہنچ کر ضمضم بن عمرو کو بیس مثقال سونے کی اجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا۔ تا کہ ان کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔ چنانچہ ضمضم اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔ (سیرت ابن ہشام)

مکہ پہنچ کر ضمضم نے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹ دیئے تھے۔ کجاوہ الٹ دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔ اس ہیئت کذائی میں وہ اپنے اونٹ پر سوار، یوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

> "اے گروہ قریش! قافلہ تجارت! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابو سفیان کے ساتھ ہے۔ محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب اس کے سدراہ ہو گئے ہیں۔ میں خیال نہیں کرتا کہ تم اسے بچالو گے۔ فریاد! فریاد!"

یہ سن کر قریش کہنے لگے۔ کیا محمد (ﷺ) اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضرمی کی مانند ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایسا نہیں۔ غرض قریش جلدی نکلے۔ اور ان کے اشراف میں سے سوائے ابولہب

کے کوئی پیچھے نہ رہا۔ اور اس نے بھی اپنے عوض ابو جہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا اور چار ہزار درہم جو بطور سود اس سے لینے تھے اس صلے میں اس کو معاف کر دیئے۔

اُمیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کیونکہ اس نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں سنا تھا کہ وہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ مگر ابو جہل نے کہا: تو اس وادی مکہ کا سردار ہے اگر تو پیچھے رہ گیا تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائیں گے غرض پس و پیش کے بعد ابو جہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ ہو لیا۔

(صحیح بخاری باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر)

جب ابو سفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا اور قریش کی کمک اس کی مدد کو نہ پہنچی تو وہ نہایت خوفزدہ ہوا کہ کہیں مسلمان کمین گاہ میں نہ ہوں۔ اسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا وہاں اس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا: کیا تو نے محمد (ﷺ) کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا:

> "اللہ کی قسم! میں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے۔ یہ کہہ کر عدی و بسبس کے مناخ کی طرف اشارہ کیا۔"

ابو سفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو لے کر توڑا تو کیا دیکھتا ہے کہ ان میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا۔ ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوریں کھائی ہیں۔ وہ تو محمد (ﷺ) کے جاسوس تھے۔ لہٰذا اس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے منہ پھیر دیئے اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محل خطر سے بچا لے گیا تو اس نے قیس بن امرء القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا کہ میں نے

قافلے کو بچا لیا ہے۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد جحفہ میں قریش سے ملا اور انہیں ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔ (طبقات ابن سعد)

قریش نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر ابو جہل بولا کہ ہم بدر سے ہرگز واپس نہ ہوں گے۔ وہاں تین دن ٹھہریں گے اونٹ ذبح کریں گے۔ اور کھائیں کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے اور راگ سنیں گے۔ اس طرح قبائل عرب کے اطراف میں ہماری عظمت وشوکت کا آوازہ پھیل جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس ابو جہل کی رائے پر عمل کیا گیا۔ (کامل لابن الاثیر غزوہ بدر، طبقات ابن سعد)

حضور اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کفار سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچے اور پانی کے حوض کے کنارے پڑاؤ کیا۔ حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ خود معرکہ کی جگہ تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک کے اشارے سے فرماتے جاتے تھے کہ یہ فلاں کافر کے مارے جانے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا۔ لڑائی میں ویسا ہی وقوع عمل میں آیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سرمو تجاوز نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان المبارک میں واقع ہوا۔ (سیرت ابن ہشام)

حضور اقدس ﷺ تمام رات بیدار اور مصروف دعا رہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ ﷺ اشارہ فرماتے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے کہ پیچھے ہو جاؤ۔ (منتخب کنز الاعمال بروایت ابن عساکر)

چنانچہ حضرت سواد بن غزیہ انصاری جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے حضور

اقدس ﷺ نے اس لکڑی سے ان کے پیٹ کو ٹھوکا دیا اور فرمایا

استویا سواد

"اے سواد برابر ہو جاؤ۔"

حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے ضرب شدید لگائی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ مجھے قصاص دیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا۔ اور فرمایا: اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کے گلے لپٹ گئے اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔

حضور ﷺ نے پوچھا: اے سواد رضی اللہ عنہ! تو نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ! موت حاضر ہے۔ میں نے چاہا کہ آخر میں میرا بدن آپ ﷺ کے بدن اطہر سے مس کر جائے یہ سن کر آپ ﷺ نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (سیرت ابن ہشام غزوہ بدر بروایت ابن اسحاق)

اسی اثناء میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی تعداد کثیر دیکھ کر یوں دعا فرمائی:

"یا باری تعالیٰ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے آ پہنچے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔
اے خدا! میں اس نصرت کا منتظر ہوں۔ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔"

مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لیے میدان میں نکلا۔ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام مجع نام تھا۔ جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے

شہید کیا۔ پھر انصار میں سے حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ بعد ازاں آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ترغیب دی اور فرمایا: بہشت کی طرف اٹھو۔ جس کا عرض آسمان و زمین کے برابر ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب سقوط فرض الجہاد عن المذورین)

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے:

"یارسول اللہ! بہشت جس کا عرض آسمان و زمین ہے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں۔"

تب حضرت عمیر نے کہا واہ وا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو نے واہ وا کیوں کہا؟ حضرت عمیر نے عرض کیا:

"یارسول اللہ (ﷺ)! فقط اس توقع پر کہ میں اہل بہشت سے ہو جاؤں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تب تو بے شک اہل بہشت میں سے ہے۔"

اس پر حضرت عمیر نے اپنی ترکش سے چھوارے نکال کر کھانے شروع کیے۔ پھر کہنے لگے:

"اگر میں زندہ رہوں یہاں تک کہ یہ چھوہارے کھالوں تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے۔"

یہ کہہ کر حضرت عمیر نے چھوارے جو پاس تھے پھینک دیئے پھر جہاد کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ دوسری جانب صف اعدا میں سے اسود بن عبدالاسد مخزومی جو بدخلق تھا۔ آگے بڑھا اور کہنے لگا:

"میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حوض سے پانی پیوں

گا۔ یا اسے ویران کر دوں گا یا اس سے ورے مر جاؤں گا۔"

ادھر سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا۔ اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہاں تک کہ اس میں گر پڑا تا کہ اس کی قسم پوری ہو جائے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔

بعد ازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن ربیعہ نکلے۔ مشرکین نے چلا کر کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔"

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اے بنی ہاشم! اٹھو۔ اور اس حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے کیونکہ وہ باطل لائے ہیں تا کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں۔"

پس حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (جس کے سینہ مبارک پر بطور نشان شتر مرغ کا پر تھا) اور علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہ دشمن کی طرف بڑھے۔ اور ان کے سروں پر خود تھے۔ عتبہ نے کہا:

"تم بولو تا کہ ہم پہچان لیں۔"

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں حمزہ بن عبدالمطلب شیر خدا اور شیر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔"

عتبہ بولا:

"یہ اچھا جوڑ ہے۔ میں حلیفوں کا شیر ہوں۔"

پھر اس نے اپنے بیٹے سے کہا: ولید اٹھ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ ولید کی طرف بڑھے اور ایک نے دوسرے پر وار کیا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اٹھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا پھر شیبہ اٹھا حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ جو اصحاب میں سے عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اس کی طرف بڑھے۔

شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر ماری۔ جو پنڈلی کے گوشت پر لگی اور اسے کاٹ دیا۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شیبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے قتل کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر ابو طالب اس حالت میں مجھے دیکھتا تو مان جاتا کہ میں اس کی نسبت اس کے شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں۔

وَنُسَلِّمُهٗ حَتّٰی نصرع حوله

و نذهل عن ابنائنا والحلائل

"ہم محمد (ﷺ) کو حوالہ نہ کریں گے یہاں تک کہ ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں۔"

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔ پھر دونوں فوجیں مقابلہ کے لیے نزدیک ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔ اگر تمہیں دشمن آ گھیرے تو تیروں سے اسے دور رکھو۔ اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر اللہ کے حضور دعا کرنے لگے۔ اس وقت حضور انور ﷺ قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے:

"یا اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر۔ یا اللہ! تو نے جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ عطا کر۔ یا اللہ اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ

ہلاک کر دے گا۔ تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔"

حضور ﷺ نے دُعا میں اتنا الحاح کیا کہ چادر شانہ مبارک سے گر پڑی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر شانہ مبارک پر ڈال دی پھر آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا۔

"یا نبی اللہ آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے۔ جو اس نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ جلدی پورا کر دے گا۔"

عریش ہی میں حضور نبی کریم ﷺ پر غنودگی طاری ہوئی۔ جب غنودگی سے بیدار ہوئے تو فرمایا:

"ابو بکر! بشارت ہو۔ اللہ کی نصرت آ پہنچی۔ حضرت جبرائیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آرہے ہیں۔ اور ان کے دندان پیشین پر غبار ہے۔" (سیرت ابن ہشام)

حضور اقدس ﷺ نے کنکریوں کی مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ ہوں اب حضور ﷺ نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔ گھمسان کے معرکے کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند دکھائے۔ جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ قتل کا بازار گرم ہوا۔ فرشتے نظر نہ آتے تھے۔ مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا ہے۔ کہیں بے تلوار سر کٹتا نظر آتا کہیں آواز آتی۔

اقدم حیزوم۔

"اے حیزوم آگے بڑھو۔"

یعنی حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔

آخر کار کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس ﷺ عریش سے ننگی تلوار علم کیے یہ پکارتے ہوئے نکلے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ (قمر:۴۵) (سیرت ابن ہشام)

آنحضرت ﷺ نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ میں بھیجا۔ اور اسی غرض کے لیے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف بھیجا۔ جب حضرت زید مدینہ میں پہنچے۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کو دفن کر رہے تھے۔ اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ کے حکم سے مشرکین مقتولین سے چوبیس رؤساء کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں۔ جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا اس پر جہاں وہ پڑا تھا وہیں مٹی ڈال دی گئی اور باقی لاشوں کو اور جگہ پھینک دیا گیا۔ (سیرت رسول عربی ﷺ از نور بخش توکلی)

مدینہ میں اس فتح کی اتنی خوشی تھی کہ لوگوں نے مبارک باد کہنے کے لیے حضور اقدس کا مقام روحاء میں استقبال کیا۔ اسیرانِ جنگ جناب سرور عالم ﷺ کے ایک دن بعد مدینہ میں پہنچے۔ آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور تاکید فرما دی تھی کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ چنانچہ ابو عزیر بن عمیر کا بیان ہے کہ جب مجھے بدر سے لائے تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے۔ تو روٹی مجھے دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا مجھے شرم آتی۔ میں اسے واپس کرتا۔ مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔ (سیرت ابن ہشام)

اہل بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کے حق میں فرمایا ہے:

"بے شک اللہ اہل بدر سے واقف ہے۔ کیوں کہ اس نے فرمادیا۔ تم عمل کرو جو چاہو البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہو چکی یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا۔" (صحیح بخاری بکتاب المغازی فضل من شہد ابدراء)

غزوہ بنی قینقاع:

نصف ماہ شوال میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہود سے پہلے معاہدہ ہو چکا تھا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے: بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقض عہد کیا۔ ان میں سب سے پہلے بنوقینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے بہادر تھے۔ عہد کو توڑا اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اور وہ اذرعات ملک شام میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلدی ہلاک و تباہ ہو گئے۔

غزوہ سویق:

ماہ ذی قعدہ میں غزوہ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عرب میں ستو کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس غزوہ میں کفار کی غذا ستو تھی۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ غزوہ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں محمد (ﷺ) سے لڑائی نہ کرلوں جنابت سے سر نہ دھوؤں گا۔ اس لیے قسم کے پورا کرنے کے لیے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقام عریض میں اس نے ایک نخلستان کو جلا دیا۔ اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ نے تعاقب فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا

کرنے کے لیے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے جنہیں مسلمانوں نے اٹھالیا اور واپس چلے آئے۔

جنگ اُحد:

تیسری ہجری کا سب سے بڑا واقعہ "جنگِ اُحد" ہے۔ "اُحد" ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل دور ہے چونکہ حق و باطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں درپیش ہوا۔ اسی لئے یہ جنگ "غزوہ اُحد" کے نام سے مشہور ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں اس لڑائی کے واقعات کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ (سیرت المصطفیٰ ﷺ از علامہ عبد المصطفیٰ از ہروی)

جب قریش بدر میں شکست فاش کھا کر مکہ میں آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دارالندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ رؤسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکاء کے پاس آ کر کہنے لگے۔ کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو۔ تا کہ ہم ایک لشکر تیار کریں اور (حضرت) محمد (ﷺ) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا چنانچہ تمام مال فروخت کر دیا گیا۔ اور حسب قرارداد راس المال مالکوں کو دیا گیا اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی۔ اور قبائل عرب کو بھی دعوت جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی۔ تا کہ ان کو مقتولین بدر کی یاد دلا کر لڑائی پر ابھارتی رہیں۔ چنانچہ ابوسفیان کی زوجہ ہندہ بنت عتبہ عکرمہ بن ابو جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ حارث بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ عمرو بن عاص کی

زوجہ ربط بنت شیبہ سہمہ۔ طلحہ جحبی کی زوجہ سلافہ بنت سعد۔ اپنے اپنے شوہروں سمیت نکلیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابوعزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔

قریش کی کل جمعیت تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دوسو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا کہ اگر تم محمد (ﷺ) کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کرو تو میں تم کو آزاد کردوں گا۔

یہ لشکر قریش بسرکردگی ابوسفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطن وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اب تک مکہ میں تھے بذریعہ خط آنحضرت ﷺ کو قریش کی تیاری کی خبر دی۔ حضور ﷺ نے حضرت انس ومونس پسران فضالہ بن عدی انصاری کو بطور جاسوس بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دیئے ہیں جنہوں نے چراگاہ میں سبزہ کا نام ونشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور ﷺ نے حضرت خباب بن منذر کو بھی بغرض تجسس بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔

جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس ﷺ کے دولت خانے پر پہرہ دیتے رہے۔ اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے ایک گائے پر نظر پڑی جو ذبح کی جارہی ہے۔ اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے۔ صبح کو آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے۔ تلوار کی شکستگی ذات شریف پر مصیبت ہے۔ گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے اور مینڈھا کبش الکتیبہ

ہے جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ (طبقات ابن سعد)

اس خواب کے سبب سے حضور انور ﷺ کی رائے تھی کہ لڑائی کے لیے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھے حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکابر مہاجرین و انصار بھی آپ ﷺ سے متفق ہو گئے مگر وہ نوجوان جو جنگ بدر میں شامل نہ تھے آپ ﷺ سے درخواست کرنے لگے کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہیے ان کے اصرار پر آپ ﷺ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔

نماز جمعہ کے بعد آپ ﷺ نے وعظ فرمایا۔ اہل مدینہ و اہل عوالی جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ دولت خانہ میں تشریف لے گئے اور دوہری زرہ پہن کر نکلے۔ یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ ﷺ کی رائے کے خلاف کریں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا کو شایاں نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اب جو میں حکم دوں وہی کرو۔ اور اللہ کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

پھر آپ ﷺ نے تین جھنڈے تیار کیے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اس طرح آپ ﷺ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب آپ ﷺ ثنیتہ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ یہود میں سے ابن ابی کے حلیف ہیں جو آپ ﷺ کی مدد کو آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ لوٹ جائیں۔ کیونکہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔

جب آپا موضع شیخان میں اترے تو عرض لشکر کے بعد آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغرسنی واپس کر دیا۔ آپ ﷺ نے ابوخیثمہ انصاری کو بطور بدرقہ ساتھ لیا تاکہ نزدیک کے راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور ﷺ حرہ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گزرتے ہوئے مربع بن قیظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے وہ نابینا تھا۔ اس نے جب لشکر اسلام کی آہٹ سنی تو ان پر خاک پھینکنے لگا۔ اور حضور ﷺ سے کہنے لگا کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے تو میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام اسے قتل کرنے دوڑے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔ مگر حضور ﷺ کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

یہاں سے روانہ ہو کر لشکر اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہ احد کی شعب (درہ) میں کرانہ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور ﷺ نے صف آرائی کے لیے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادی قنات میں ہے اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہ عینین میں ایک شگاف یا درہ تھا۔ جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس درہ پر اپنے پچاس پیدل تیر انداز مقرر کیے۔ اور حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان کا سردار بنایا۔ اور یوں ہدایت کی:

"اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا۔"

(صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب)

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادی قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورستان میں اترے ہوئے تھے۔ صفیں آراستہ کیں۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو اور تیراندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا جب آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین کا جھنڈا بنو عبدالدار کے پاس ہے۔ تو آپ ﷺ نے لشکر اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار رضی اللہ عنہ کو دیا اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سب سے پہلے جو لڑائی کے لیے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا۔ اس کو راہب کہا کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام فاسق رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہ آپ ﷺ کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اس نے قریش کو آپ ﷺ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور کہا: کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لیے اس نے پکار کر کہا:

"اے گروہ اوس! میں ابو عامر ہوں۔"

اوس نے جواب دیا:

"اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو۔"

فاسق کا نام سن کر وہ کہنے لگا: کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اس کے ساتھ غلامان قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے۔ مسلمان بھی ان

پر سنگ باری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا:

"مسلمانو! تم سمجھتے ہو کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور تم میں جو ہمارے ہاتھوں مر جاتا ہے۔ وہ جلد بہشت میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جس کو میں جلد بہشت میں پہنچا دوں؟ یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے۔"

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ کھوپری پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔ حضور اقدس ﷺ کبش الکتیبہ کے مارے جانے پر خوش ہوئے آپ ﷺ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء کی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مقابلے کے لیے نکلے اور عثمان کے دو شانوں کے درمیان اس زور سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:

انا ابن ساقی الحجیج۔

"میں ساقی حجاج (عبدالمطلب) کا بیٹا ہوں۔"

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا: کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟ یہ سن کر کئی شخص آپ ﷺ کی طرف بڑھے مگر آپ ﷺ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

کہ اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے، یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ مشہور پہلوان تھے اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سرخ رومال سر پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے تھے کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسب عادت سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ:

"یہ چال خدا کو ناپسند ہے۔"

حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے دامن کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رک گئے۔ کہ یہ سزاوار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی دشمنوں میں جا گھسے اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخرکار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے۔ شہید کر دیا۔

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ابوسفیان کو قتل کر دیتے۔ مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا۔ اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا: کہ شب احد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لیے آدھا سر دھویا تھا کہ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسی سبب سے

اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔اسی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔(سیرت ابن ہشام)

بہادرانِ اسلام نے خوب دادِ شجاعت دی۔مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔یہ دیکھ کر عینین پر تیر اندازوں نے آپس میں کہا:

"غنیمت! غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آ گئے ہیں۔اب تم کیا دیکھتے ہو؟"

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یاد دلایا۔مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آسکتے۔اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔اور صرف چند آدمی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ گئے۔خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔پھر درۂ کوہ میں سے آ کر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔

ابلیس لعین نے پکار کر کہا

ان محمدا قد قتل

"معاذ اللہ (محمد قتل ہو چکے)"۔

مسلمان سراسیمہ بھاگنے لگے۔مسلمانوں کے تین فرقہ ہو گئے۔پہلا فرقہ میدان چھوڑ کر مدینہ بھاگ گیا۔دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے۔حیران ہو گئے ان میں سے جہاں کوئی تھا وہیں رہ گیا۔اور اپنی جان بچاتا رہا۔یا جنگ کرتا رہا۔تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اور صحابہ تھے۔رسول اللہ ﷺ

کے ساتھ ثابت قدم رہا۔فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی۔اس کی وجہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی خلاف ورزی تھی۔

جب ابوسفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔کیا تم میں محمد ﷺ ہیں؟ حضور نے فرمایا: کہ اس کا جواب نہ دو۔وہ پھر پکارا کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا جواب نہ دو۔اس نے پھر پکار کر کہا۔کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا: کہ یہ سب مارے گئے ہیں۔کیوں کہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔حضرت عمر سے رہا نہ گیا۔بول اٹھے:

"او دشمن خدا! تو نے جھوٹ کہا۔وہ سب زندہ ہیں۔اللہ نے تیرے واسطے وہ باقی رکھا ہے جو تجھے غمگین کرے گا۔" (صحیح بخاری شریف)

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے ستر یا کچھ کم وبیش شہید ہوئے۔

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت ﷺ اس طرف کو نکلے اور شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی۔اس کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا۔

اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِی الْاٰنَ وَ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِحَ الْاَرْضِ وَ اِنِّیْ وَاللّٰہِ مَآ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَ لٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔

"بیشک میں تمہارے واسطے فرط (پیش رو) ہوں اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔بے شک مجھے زمین کے

خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں خدا کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں پھنس جاؤ۔" (بخاری کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الشہید)

سریہ ابوسلمہ:

یکم محرم ۴ ھ کو ناگہاں ایک شخص نے مدینہ میں یہ خبر پہنچائی کہ طلیحہ بن خویلد اور سلمہ بن خویلد دونوں بھائی کفار کا لشکر جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی کرنے کیلئے نکل پڑے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس لشکر کے مقابلہ میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا۔ جس میں حضرت ابوسبرہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما جیسے معزز مہاجرین و انصار بھی تھے۔ لیکن کفار کو جب پتا چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ لوگ بہت سے اونٹ اور بکریاں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جن کو مسلمان مجاہدین نے مال غنیمت بنالیا اور لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ (زرقانی ج ۲ صفحہ ۶۲)

سریہ عبداللہ بن انیس:

محرم ۴ ھ کو اطلاع ملی کہ "خالد بن سفیان ہزلی" مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج جمع کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اس کے مقابلہ کیلئے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے موقع پا کر خالد بن سفیان ہزلی کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر مدینہ لائے اور تاجدار دو عالم ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی بہادری اور جاں بازی سے خوش ہو کر ان کو اپنا عصا (چھڑی) عطاء فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اسی عصا کو ہاتھ میں لے کر جنت میں چہل قدمی کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ)!

قیامت کے دن یہ مبارک عصا میرے پاس نشانی کے طور پر رہے گا۔ چنانچہ انتقال کے وقت انہوں نے یہ وصیت فرمائی کہ اس عصا کو میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔

(زرقانی ج ۲،ص ۶۴)

حادثہء رجیع:

عسفان و مکہ کے درمیان ایک مقام کا نام "رجیع" ہے۔ یہاں کی زمین سات مقدس صحابہ کرام کے خون سے رنگین ہے اسی لئے یہ واقعہ سریہ رجیع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دردناک سانحہ بھی ۴ھ میں پیش آیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ عضل و قارہ کے چند آدمی بارگاہ رسالت ﷺ میں آئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلہ والوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ اب آپ ﷺ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں بھیج دیں تاکہ وہ ہماری قوم کو عقائد و اعمال اسلام سکھا دیں۔

ان لوگوں کی درخواست پر حضور ﷺ نے دس منتخب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ماتحتی میں بھیج دیا۔ جب یہ مقدس قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو غدار کفار نے بدعہدی کی اور قبیلہء بنولحیان کے کافروں نے دو سو کی تعداد میں جمع ہو کر ان دس مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اپنے بچاؤ کیلئے ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ کافروں نے تیر چلانا شروع کیے اور مسلمانوں نے ٹیلے کی بلندی سے سنگ باری کی۔ کفار نے سمجھ لیا کہ ہم ہتھیاروں سے ان مسلمانوں کو ختم نہیں کر سکتے، تو ان لوگوں نے دھوکہ دیا اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم تم لوگوں کو امان دیتے ہیں اور اپنی پناہ میں لیتے ہیں اس لئے تم لوگ ٹیلے سے اتر آؤ۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ کہہ کر خدا سے دعا مانگی کہ:

"یا اللہ تبارک و تعالیٰ! تو اپنے رسول ﷺ کو ہمارے حال سے مطلع فرمادے۔"

پھر وہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے ٹیلے سے اترے اور کفار سے دست بدست لڑتے ہوئے اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ چونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے دن بڑے بڑے کفار قریش کو قتل کیا تھا۔ اس لئے جب کفار مکہ کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پتہ چلا تو کفار مکہ نے چند آدمیوں کو مقام رجیع میں بھیجا تا کہ ان کے بدن کا کوئی ایسا حصہ کاٹ کر لائیں جس سے شناخت ہو جائے کہ واقعی حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں لیکن جب کفار آپ کی لاش کی تلاش میں اس مقام پر پہنچے تو اس شہید کی یہ کرامت دیکھی کہ لاکھوں کی تعداد میں شہد کی مکھیوں نے ان کی لاش کے پاس اس طرح گھیرا ڈال رکھا ہے۔ جس سے وہاں تک پہنچنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لئے کفار مکہ ناکام واپس چلے گئے۔

(زرقانی ج ۲ صفحہ ۷۳ و بخاری ج ۲ صفحہ ۵۶۹)

باقی تین اشخاص حضرت خبیب و حضرت زید بن وثنہ و حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کفار کی پناہ پر اعتماد کر کے نیچے اترے تو کفار نے بدعہدی کی اور اپنی کمان کی تانتوں سے ان لوگوں کو باندھنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تم لوگوں کی پہلی بدعہدی ہے اور میرے لئے اپنے ساتھیوں کی طرح شہید ہو جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ ان کافروں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(بخاری ج ۲ صفحہ ۵۶۸ و زرقانی ج ۲ صفحہ ۶۷)

لیکن حضرت خبیب اور حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہما کو کافروں نے باندھ دیا تھا اس لئے دونوں مجبور ہو گئے تھے۔ ان دونوں کو کفار نے مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اس لئے اس کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا تاکہ ان کو قتل کر کے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے اور حضرت زید بن وثنہ کو امیہ کے بیٹے صفوان نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو کافروں نے چند دن قید میں رکھا پھر حدود حرم کے باہر لے جا کر سولی پر چڑھا کر قتل کر دیا۔

حضرت خبیب نے قاتلوں سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت طلب کی۔ قاتلوں نے اجازت دے دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بہت مختصر طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی اور فرمایا کہ اے گروہ کفار! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ دیر تک نماز پڑھتا رہوں۔ کیونکہ یہ میری زندگی کی آخری نماز تھی، مگر مجھ کو یہ خیال آگیا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھ لو کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ کفار نے آپ رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا دیا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا!!

عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللہِ مَصْرَعِی

”جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔“

وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاء

یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ

”یہ سب کچھ اللہ کیلئے ہے اگر وہ چاہے گا تو میرے کٹے پٹے جسم کے ٹکڑوں پر برکت نازل فرمائے گا۔“

حارث بن عامر کے لڑکے "ابوسروعہ" نے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، مگر خدا کی شان کہ یہ ابوسروعہ اور ان کے دونوں بھائی "عقبہ" اور "حجیر" پھر بعد میں مشرف بہ اسلام ہو کر صحابیت کے شرف و اعزاز سے سرفراز ہو گئے۔

(بخاری ج ۲، ص ۵۶۹، زرقانی ج ۲، صفحہ ۶۴ تا ۷۸)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مطلع فرمایا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جو شخص خبیب کی لاش کو سولی سے اتار کر لائے اس کیلئے جنت ہے۔ یہ بشارت سن کر حضرت زبیر بن العوام و حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہما راتوں کو سفر کرتے اور دن کو چھپتے ہوئے مقام "تنعیم" میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی سولی کے پاس پہنچے، چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن کر سو رہے تھے، ان دونوں حضرات نے لاش کو سولی سے اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر چل دیئے۔ چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش تر و تازہ تھی اور زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ صبح کو قریش کے ستر سوار تیز رفتار گھوڑوں پر تعاقب میں چل پڑے اور ان دونوں حضرات کے پاس پہنچ گئے۔

ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریش کے سوار ہم کو گرفتار کر لیں گے تو انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دیا۔ اور زمین نے لاش کو اپنے اندر نگل لیا۔ خدا کی شان کہ ایک دم زمین پھٹنے کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا لقب "بلیع الارض" (جن کو زمین نگل گئی) ہے۔

اس کے بعد ان حضرات نے کفار سے کہا کہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں۔ اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو۔ ورنہ اپنا راستہ لو۔ کفار

نے ان حضرات کے پاس لاش نہیں دیکھی۔ اس لئے مکہ چلے گئے۔ جب دونوں صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت ﷺ میں سارا ماجرہ عرض کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی حاضر دربار تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے ان دونوں یاروں کے اس کارنامہ پر ہم فرشتوں کی جماعت کو بھی فخر ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲، صفحہ ۱۴۱)

حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشہ دیکھنے کیلئے کفار قریش کثیر تعداد میں جمع ہو گئے، جن میں ابوسفیان بھی تھے۔ جب ان کو سولی پر چڑھا کر قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا کہ کیوں؟ اے زید! سچ کہنا۔ اگر اس وقت تمہاری جگہ محمد ﷺ اس طرح قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو پسند کرتے؟

حضرت زید بن وثنہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کی اس طعنہ زنی کو سن کر تڑپ گئے اور جذبات سے بھری ہوئی آواز میں فرمایا کہ اے ابوسفیان خدا کی قسم! میں اپنی جان کو قربان کر دینا عزیز سمجھتا ہوں مگر میرے پیارے رسول ﷺ کے مقدس پاؤں کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے مجھے کبھی بھی یہ گوارا نہیں ہوسکتا۔

یہ سن کر ابوسفیان نے کہا کہ میں نے بڑے بڑے محبت کرنے والوں کو دیکھا ہے مگر محمد ﷺ کے عاشقوں کی مثال نہیں مل سکتی۔ صفوان کے غلام "نسطاس" نے تلوار سے ان کی گردن ماری۔ (زرقانی ج ۲، صفحہ ۷۳)

واقعہ بئر معونہ:

ماہ صفر ۴ ھ میں "بیئر معونہ" کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ ابو براء عامر بن مالک جو اپنی بہادری کی وجہ سے "ملاعب الاسنہ" (برچھیوں سے کھیلنے والا) کہلاتا تھا۔ بارگاہ رسالت ﷺ میں آیا۔ حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا، نہ اس سے کوئی نفرت ظاہر کی۔ بلکہ یہ درخواست کی کہ آپ ﷺ اپنے

چند منتخب صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمارے دیار میں بھیج دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ وہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے نجد کے کفار کی طرف سے خطرہ ہے۔ ابو براء نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے اصحاب کی جان و مال کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے صحابہ میں سے ستر منتخب صالحین کو جو "قراء" کہلاتے تھے بھیج دیا۔

یہ حضرات جب مقام "بیرِ معونہ" پر پہنچے تو ٹھہر گئے اور صحابہ کے قافلہ سالار حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کا خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس اکیلے تشریف لے گئے جو قبیلہ کا رئیس اور ابو براء کا بھتیجا تھا اس نے خط پڑھا بھی نہیں اور ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ جس نے پیچھے سے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا اور آس پاس کے قبائل یعنی رعل، و ذکوان اور عصیہ، و بنولحیان وغیرہ کو جمع کر کے ایک لشکر تیار کرلیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کے لئے روانہ ہوگیا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیر معونہ کے پاس بہت دیر تک حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ مگر جب بہت دیر ہوگئی۔ تو یہ لوگ آگے بڑھے۔ راستہ میں عامر بن طفیل کی فوج کا سامنا ہوا اور جنگ شروع ہوگئی۔

کفار نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ انہی شہداء کرام میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کے بارے میں عامر بن طفیل کا بیان ہے کہ قتل ہونے کے بعد ان کی لاش بلند ہو کر آسمان تک پہنچی، پھر زمین پر آگئی۔ اس کے بعد ان کی لاش تلاش کرنے پر نہیں ملی کیونکہ فرشتوں نے انہیں دفن کر دیا۔ (بخاری ج ۲ صفحہ ۵۸۷ باب غزوۃ الرجیع)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ

میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ اس لئے میں تم کو آزاد کرتا ہوں یہ کہا اور ان کی چوٹی کے بال کاٹ کر ان کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ وہاں سے چل کر جب مقام "قرقرہ" میں آئے تو ایک درخت کے سائے میں ٹھہرے وہیں قبیلہ بنو کلاب کے دو آدمی بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں سو گئے تو حضرت عامر بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا اور یہ سوچ کر دل میں خوش ہو رہے تھے کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خون کا بدلہ لے لیا ہے، مگر ان دونوں شخصوں کو حضور ﷺ امان دے چکے تھے جس کا حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو علم نہ تھا۔

جب مدینہ پہنچ کر انھوں نے سارا حال دربار رسالت ﷺ میں بیان کیا تو اصحاب بیئر معونہ کی شہادت کی خبر سن کر سرکار رسالت ﷺ کو اتنا عظیم صدمہ پہنچا کہ تمام عمر شریف میں کبھی بھی اتنا رنج وصدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چنانچہ حضور ﷺ مہینہ بھر تک قبائل رعل وذکوان اور عصیہ وبنولحیان پر نماز فجر میں لعنت بھیجتے رہے اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے جن دو شخصوں کو قتل کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کے خون بہا ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری ج ۱ صفحہ ۳۶۰ زرقانی ج ۲ صفحہ ۷۴ تا ۷۸)

غزوہ بنی نضیر:

یہ غزوہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جس کی وجہ نقض عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دو شخص جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا عہد تھا۔ مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ان سے ملا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ کے جوار میں ہیں۔ اس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مطالبہ دیت کے لیے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف رکھیے۔ ہم باہم مشورہ

کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ حضرات ابوبکر و عمر و علی وغیرہم کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بے خبری میں دیوار پر سے آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ پھینک دیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع کر دی۔ آپ ﷺ فوراً وہاں سے مدینہ منور تشریف لائے اور جنگ کے لیے تیار ہو کر ان پر حملہ آور ہوئے بنو قریظہ بھی برسرِ پیکار تھے۔ آخر کار آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ ان کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعض اذرعات واقع شام میں چلے گئے۔ مگر بنو قریظہ پر آپ ﷺ نے احسان کیا کہ ان کو امن دے دیا۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

غزوہ بدر موعد:

غزوہ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ ﷺ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ سال آئندہ بدر میں لڑائی ہوگی' اس بناء پر رسول اللہ ﷺ پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے' بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔ ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مرالظہران تک پہنچا' لیکن مقابلہ کی ہمت نہ پائی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے جنگ و جدال کا نہیں' رسول اللہ ﷺ آٹھ روز کے انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جدال و قتال مدینہ واپس ہوئے۔

(ابن ہشام سیرۃ ج ۳: ص ۲۲۱' زرقانی شرح مواہب ج ۲: ص ۹۳)

غزوہ دومتہ الجندل:

ماہ ربیع الاول میں غزوہ دومتہ الجندل میں پیش آیا۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ شعبان میں غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق ہوا۔ جس میں بنو المصطلق مغلوب ہوئے قصہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

غزوۂ احزاب:

ماہ ذی قعدہ میں غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق واقع ہوا۔ بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آرہے تھے۔ انہوں نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا۔ اور دیگر قبائل عرب (غطفان، بنو سلیم، بنو مرہ، اشجع، بنو اسد وغیرہ) کو بھی اپنے ساتھ متفق کرلیا۔ بنو قریظہ پہلے شامل نہ تھے۔ مگر حیی بن اخطب نے آخر کار ان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔

کفار کی تیاری کی خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا اور بذات شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر سے نکلے۔ اور سامی طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

خندق کھودنے میں حضور ﷺ بھی بغرض ترغیب شامل تھے۔کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبدو غیرہ ایک جگہ سے جہاں سے اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا۔خندق کو عبور کر گئے۔عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور تلوار سے اس کا فیصلہ کر دیا۔یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔اور باوجود سردی کے موسم کے ایک رات باد صرصر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے چھوٹ گئے۔کھانے کے دیگچے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔امتداد محاصرہ کے سبب سے سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا۔

اس لیے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے۔اس غزوہ میں شدت قتال کے وقت عصر و مغرب اور بقول بعض ظہر بھی قضا ہو گئی تھی۔شہداء کی تعداد چھ تھی۔جن میں اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ بھی تھے۔ان کی رگ اکحل تیر لگنے سے کٹ گئی۔مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔حضور رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو علاج کے لیے اسی خیمہ میں بھیج دیا۔مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے۔اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

غزوہ بنی قریظہ:

جب آنحضرت ﷺ غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے تو نماز ظہر کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔بنو قریظہ نقض عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے۔اس لیے حضور انور ﷺ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور پچیس دن

ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخر کار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کیے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے جائیں اور ان کا مال واسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللهِ

"تو نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔" (استثناء، باب ۲۰ آیت ۱۰)

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔

(سیرت رسولِ عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

بیعت رضوان:

ماہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی لحیان پیش آیا۔ مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ میں پہنچے جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا اور قربانیوں کو تقلید و اشعار کیا۔ یہاں سے آپ ﷺ نے حضرت بسر بن سفیان کو قریش کی طرف بطور جاسوس بھیجا۔ جب آپ ﷺ عسفان کے قریب غدیر اشطاط میں پہنچے۔ تو آپ ﷺ کا جاسوس خبر لایا کہ قریش خلفاء سمیت مکہ سے باہر مقام بلدح میں جمع ہیں۔ اور آمادہ ہیں کہ آپ ﷺ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ کہ خلفاء کے اہل وعیال کو گرفتار کیا جائے تاکہ اگر وہ ان کی مدد کو آئیں تو ہمیں تنہا قریش سے مقابلہ کرنا پڑے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ ﷺ بیت اللہ کے قصد سے نکلے ہیں۔
آپ ﷺ کا ارادہ کسی سے لڑائی کا نہیں آپ بیت اللہ کا رخ
کریں۔ جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے۔"

آپ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جب آپ ﷺ حدیبیہ کے قریب ثنیتہ المرہ میں پہنچے جہاں سے اتر کر قریش کے پاس پہنچ جاتے۔ تو آپ ﷺ ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر نہ اٹھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"قصواء نہیں رکی اور نہ رکنا اس کی عادت ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے
اسے روک لیا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری
جان ہے۔ قریش مجھ سے کسی ایسی حاجت کا سوال نہ کریں گے جس
سے وہ حرمات اللہ کی تعظیم کریں۔ مگر میں وہ نہیں عطا کروں گا۔"

آپ ﷺ نے اس جگہ سے ہٹ کر "حدیبیہ" کے مقام پر پڑاؤ کیا۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

مقام حدیبیہ میں پہنچ کر حضور ﷺ نے یہ دیکھا کہ کفار قریش کا ایک عظیم لشکر جنگ کیلئے آمادہ ہے اور ادھر یہ حال ہے کہ سب لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں جوئیں بھی نہیں مار سکتے تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ کفار مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے کسی کو مکہ بھیج دیا جائے۔

چنانچہ اس کام کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ یارسول اللہ ﷺ کفار قریش میرے بہت ہی سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ کو ان

کافروں سے بچا سکے۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے مکہ پہنچ کر کفار قریش کو حضور ﷺ کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی مالداری اور اپنے قبیلہ والوں کی حمایت و پاسداری کی وجہ سے کفار قریش کی نگاہوں میں بہت زیادہ معزز تھے۔ اس لئے کفار قریش ان پر کوئی دراز دستی نہیں کر سکے بلکہ ان سے یہ کہا کہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کرلیں۔ مگر ہم محمد ﷺ کو کبھی ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہ آنے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں بغیر رسول ﷺ کو ساتھ لئے کبھی ہرگز ہرگز اکیلے اپنا عمرہ نہیں ادا کرسکتا۔ اس پر بات بڑھ گئی اور کفار نے آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روک لیا۔ مگر حدیبیہ کے میدان میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ کفار قریش نے ان کو شہید کر دیا۔

حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ یہ فرما کر آپ ﷺ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم سب لوگ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ آخری دم تک تم لوگ میرے وفادار اور جان نثار ہوں گئے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت ہی ولولہ انگیز جوش و خروش کے ساتھ جان نثاری کا عہد کرتے ہوئے حضور ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔ یہی وہ بیعت ہے جس کا نام تاریخ اسلام میں "بیعت الرضوان" ہے۔

لیکن "بیعتہ الرضوان" ہو جانے کے بعد پتا چلا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر غلط تھی، وہ باعزت طور پر مکہ میں زندہ و سلامت تھے اور پھر وہ بخیر و عافیت حضور ﷺ

کی خدمت اقدس میں حاضر بھی ہو گئے۔(سیرت المصطفیٰ ﷺ از علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری)

صلح حدیبیہ:

حدیبیہ میں سب سے پہلا شخص جو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ بدیل بن ورقا خزاعی تھا۔ ان کا قبیلہ اگرچہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ لوگ حضور ﷺ کے حلیف اور انتہائی مخلص و خیر خواہ تھے۔ بدیل بن ورقاء نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ کفار قریش نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر لی ہے اور فوج کے ساتھ راشن کے لئے دودھ اور اونٹنیاں بھی ہیں۔ یہ لوگ آپ ﷺ سے جنگ کریں گے اور آپ ﷺ کو خانہ کعبہ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم قریش کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم جنگ چاہتے ہیں۔ ہم یہاں صرف عمرہ ادا کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔ مسلسل لڑائیوں سے قریش کو بہت کافی جانی و مالی نقصان پہنچ چکا ہے۔ لہٰذا ان کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ جنگ نہ کریں بلکہ مجھ سے ایک مدت معینہ کے لئے صلح کا معاہدہ کر لیں اور مجھ کو اہلِ عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔

اگر قریش میری بات مان لیں تو بہتر ہوگا اور اگر انہوں نے مجھ سے جنگ کی تو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے کہ میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن میرے بدن سے الگ ہو جائے۔

بدیل بن ورقاء آپ ﷺ کا یہ پیغام لے کر کفار قریش کے پاس گیا اور کہا کہ میں محمد ﷺ کا ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اگر تم لوگوں کی مرضی ہو تو میں ان کا پیغام تم لوگوں کو سناؤں۔ کفارِ قریش کے شرارت پسند لونڈے جن کا جوش ان کے ہوش پر غالب تھا شور مچانے لگے کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ ہمیں ان کا پیغام سننے کی کوئی ضرورت

نہیں ہے۔

لیکن کفار قریش کے سنجیدہ اور سمجھدار لوگوں نے پیغام سنانے کی اجازت دے دی اور بدیل بن ورقاء نے حضور ﷺ کی دعوتِ صلح کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ سن کر قبیلہ قریش کا ایک بہت ہی معمر اور معزز سردار عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا کہ اے قریش میں تمہارا باپ نہیں؟ سب نے کہا کہ کیوں نہیں، پھر اس نے کہا کہ کیا تم لوگ میرے بچے نہیں؟ سب نے کہا کیوں نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے بارے میں تم لوگوں کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا کہ نہیں ہرگز نہیں۔

اس کے بعد عروہ بن مسعود نے کہا کہ محمد ﷺ نے بہت ہی سمجھداری اور بھلائی کی بات پیش کر دی، لہٰذا تم لوگ مجھے اجازت دو کہ میں ان سے مل کر معاملات طے کروں۔ سب نے اجازت دے دی کہ بہت اچھا۔ آپ جائیے۔

عروہ بن مسعود وہاں سے چل کر حدیبیہ کے میدان میں جا پہنچا اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ بدیل بن ورقاء کی زبانی آپ ﷺ کا پیغام ہمیں ملا اے محمد ﷺ مجھے آپ ﷺ سے یہ کہنا ہے کہ اگر آپ ﷺ نے لڑ کر قریش کو برباد کر کے دنیا سے نیست و نابود کر دیا تو مجھے بتائیے کہ کیا آپ ﷺ سے پہلے کبھی کسی عرب نے اپنی ہی قوم کو برباد کیا ہے؟ اور اگر لڑائی میں قریش کا پلہ بھاری پڑا تو آپ ﷺ کے ساتھ جو یہ لشکر ہے میں ان میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود کا یہ جملہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صبر کی تاب نہ رہی۔ انہوں نے تڑپ کر کہا کہ اے عروہ! چپ ہو جا اپنی دیوی "لات" کی شرمگاہ چوس کیا ہم بھلا اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

عروہ بن مسعود نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ ابو بکر ہیں۔ عروہ بن مسعود نے کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اے ابو بکر! اگر تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کے بدلہ میں اب تک تجھ کو نہیں دے سکا ہوں تو میں تیری اس تلخ گفتگو کا جواب دیتا۔

عروہ بن مسعود اپنے کو سب سے بڑا آدمی سمجھتا تھا۔ اس لئے جب بھی وہ حضور ﷺ سے کوئی بات کہتا تو ہاتھ بڑھا کر آپ ﷺ کی ریش مبارک پکڑ لیتا تھا اور بار بار آپ ﷺ کی مقدس داڑھی پر ہاتھ ڈالتا تھا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو ننگی تلوار لے کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ عروہ بن مسعود کی اس جرأت اور حرکت کو برداشت نہ کر سکے اور عروہ بن مسعود جب ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو وہ تلوار کا قبضہ اس کے ہاتھ پر مار کر اس سے کہتے کہ ریش مبارک سے اپنا ہاتھ ہٹا لے۔

عروہ بن مسعود نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا کہ یہ کون آدمی ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں تو عروہ بن مسعود نے ڈانٹ کر کہا کہ اے دغا باز کیا میں تیری عہد شکنی کو سنبھالنے کی کوشش تو نہیں کر رہا ہوں؟ (حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا جس کا خون بہا عروہ بن مسعود نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا یہ اسی طرف اشارہ تھا)۔

اس کے بعد عروہ بن مسعود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے لگا اور پوری لشکر گاہ دیکھ بھال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے میدان میں صحابہ کرام کی حیرت انگیز اور تعجب خیز عقیدت و محبت کا جو منظر دیکھا تھا اس نے اس کے دل پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ اس نے قریش کے لشکر میں پہنچ کر اپنا تاثر ان لفظوں میں بیان کیا:

"اے میری قوم! خدا کی قسم! جب محمد ﷺ اپنا کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں پڑتا ہے اور وہ فرط عقیدت سے اس کو اپنے چہرے اور اپنی کھال پر مل لیتا ہے اور اگر وہ کسی بات کا ان لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو ان کے اصحاب ان کے وضو کے دھوون کو اس طرح لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی اور وہ جب کوئی گفتگو کرتے ہیں تو عام اصحاب خاموش ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کی اتنی زبردست عظمت ہے کہ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر دیکھ نہیں سکتا۔ اے میری قوم! خدا کی قسم میں نے بہت سے بادشاہوں کا دربار دیکھا ہے۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی باریاب ہو چکا ہوں۔ مگر خدا کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔"

عروہ بن مسعود کی یہ گفتگو سن کر قبیلہ بنی کنانہ کے ایک شخص جس کا نام "جلبس" تھا کہا کہ تم لوگ مجھ کو اجازت دو کہ میں ان کے پاس جاؤں۔ قریش نے کہا کہ "ضرور جائیے" چنانچہ یہ شخص جب بارگاہ رسالت کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتے ہیں لہٰذا تم لوگ قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کھڑا کر دو اور سب لوگ "لبیک" پڑھنا شروع کر دو۔

اس شخص نے جب قربانی کے جانوروں کو دیکھا اور احرام کی حالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو "لبیک" پڑھتے ہوئے سنا تو کہا سبحان اللہ! بھلا ان لوگوں کو کس طرح مناسب ہے کہ بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ وہ فوراً ہی پلٹ کر کفار قریش کے پاس

پہنچا اور کہا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہا ہوں کہ قربانی کے جانور ان لوگوں کے ساتھ ہیں اور سب احرام کی حالت میں ہیں۔ لہذا میں کبھی بھی یہ رائے نہیں دے سکتا کہ ان لوگوں کو خانہ کعبہ سے روک دیا جائے۔

اس کے بعد ایک شخص کفار قریش کے لشکر میں سے کھڑا ہو گیا جس کا نام مکرز بن حفص تھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو تو تم لوگ وہاں جانے دو۔ قریش نے کہا تم بھی جاؤ چنانچہ یہ چلا، جب یہ نزدیک پہنچا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مکرز ہے۔ یہ بہت ہی لچا آدمی ہے اس نے آپ ﷺ سے گفتگو شروع کی۔ ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ناگہاں "سہیل بن عمرو" آ گیا۔ اس کو دیکھ کر آپ نے نیک فال کے طور پر یہ فرمایا کہ سہیل آ گیا۔ لو اب تمہارا معاملہ سہل ہو گیا۔

چنانچہ سہیل نے آتے ہی کہا کہ آیئے ہم اور آپ اپنے اور آپ کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز لکھ لیں۔ حضور ﷺ نے اس کو منظور فرما لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دستاویز لکھنے کے لئے طلب فرمایا۔ سہیل بن عمرو اور حضور ﷺ کے درمیان دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو ہوتی رہی بالآخر چند شرطوں پر دونوں کا اتفاق ہو گیا۔

حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا کہ ہم "رحمٰن" کو نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟ آپ "باسمك اللھم" لکھوایئے جو ہمارا اور آپ ﷺ کا پرانا دستور رہا ہے۔

مسلمانوں نے کہا کہ ہم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے سوا کوئی دوسرا لفظ نہیں لکھیں گے مگر حضور ﷺ نے سہیل کی بات مان لی اور فرمایا کہ اچھا۔ اے علی! باسمك اللھم ہی لکھ دو۔ پھر حضور ﷺ نے یہ عبارت لکھوائی:

هذا ما قضى عليه محمد رسول الله

یعنی یہ وہ شرائط ہیں۔ جن پر قریش کے ساتھ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے صلح کا فیصلہ کیا۔ سہیل پھر بھڑک گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم! اگر ہم جان لیتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو نہ ہم آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روکتے۔ نہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرتے۔ لیکن آپ "محمد بن عبداللہ" لکھئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں محمد رسول اللہ (ﷺ) بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ محمد الرسول اللہ کو مٹا دو اور اس جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کون مسلمان آپ ﷺ کا فرمانبردار ہو سکتا ہے؟ لیکن محبت کے عالم میں کبھی کبھی ایسا مقام بھی آجاتا ہے کہ سچے محب کو بھی اپنے محبوب کی فرمانبرداری سے محبت ہی کے جذبہ میں انکار کرنا پڑتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے نام کو تو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا مجھے دکھاؤ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپ ﷺ نے وہاں سے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا۔ بہر حال صلح کی تحریر مکمل ہوگئی اس دستاویز میں یہ طے کر دیا گیا کہ فریقین کے درمیان دس سال تک لڑائی بالکل موقوف رہے گی۔ صلح نامہ کی باقی دفعات اور شرطیں یہ تھیں کہ:

۱۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں۔

۲۔ آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہر کر واپس چلے جائیں۔

۳۔ تلوار کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار لے کر نہ آئیں۔ تلوار بھی نیام کے اندر رکھ کر تھیلے وغیرہ میں بند ہو۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ چلا جائے تو اس کو نہ روکیں۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کرلیں۔

یہ شرطیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس پر بڑی زبردست ناگواری ہو رہی تھی۔ مگر وہ فرمان رسالت ﷺ کے خلاف دم مارنے سے مجبور تھے۔ (ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۱۷)

فتح مبین:

اس صلح کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مغلوبانہ صلح اور ذلت آمیز معاہدہ سمجھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اس معاہدہ سے بہت زیادہ رنج و صدمہ ہوا۔ مگر اس کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

"اے حبیب (ﷺ)! ہم نے آپ (ﷺ) کو فتح مبین عطاء کی۔"

خداوند قدوس نے اس صلح کو "فتح مبین" بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ کیا یہ "فتح" ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں یہ فتح ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام جلد ۳ ص ۲۷۷ تا ۲۷۸)

سلاطین کے نام دعوت اسلام:

چھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد جب جنگ و جدال کے خطرات ٹل گئے اور ہر طرف امن وسکون کی فضا پیدا ہوگئی تو چونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا دائرہ صرف خطہء عرب ہی تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ آپ ﷺ تمام عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس لئے آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے روم کے بادشاہ "قیصر" فارس کے بادشاہ "کسریٰ" حبشہ کے بادشاہ "نجاشی" مصر کے بادشاہ "عزیز" اور دوسرے سلاطین وعرب عجم کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ فرمائے۔ ان اراکین کی مکمل تفصیل "سیرت ابن ہشام، زرقانی اور مدارج النبوۃ" میں مرقوم ہے ہم یہاں بوجہ مجبوری اس کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہے۔

غزوۂ خیبر:

غزوۂ غابہ کے تین دن بعد جنگ خیبر پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن تھے۔ غزوۂ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لیے برابر سازش کررہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔

راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کو کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم سے لڑنے آرہے ہیں مگر تم ان سے نہ ڈرنا تمہاری تعداد بہت ہے۔ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام صہباء میں پہنچا جو خیبر

سے بارہ میل پرے تو رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طلب فرمایا۔

صرف ستو پیش کیے گئے جو حسب الارشاد پانی میں گھول دیے گئے۔آپ اور صحابہ کرام نے وہی کھائے۔صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادی رجیع میں اترے تاکہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جاسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکر گاہ مقرر ہوا۔

یہاں سے لڑائی کے لیے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے لیے یہاں لایا جاتا غرض اسباب بار برداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا اور رات یہیں گزاری۔کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے۔صبح کو نماز فجر اول وقت پڑھ کر آگے بڑھے اور دعا پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور اس طرح تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے۔

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اوسی اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید ہوئے۔گرمی کی شدت تھی۔وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے اکیلے یا بشراکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی۔

ناعم کے بعد قموص فتح ہوا۔یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا ابن ابی الحقیق یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔رسول اللہ ﷺ نے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوج دے کر بھیجا مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔جب محاصرے نے طول کھینچا۔تو ایک روز آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں کل علم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا۔اور جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اس کو دوست

رکھتے ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ رات انتظار و بے قراری میں گزاری کہ دیکھیے علم کسے عنایت ہوتا ہے۔صبح کو ارشاد ہوا کہ علی کہاں ہیں؟

عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔فرمایا: ان کو بلاؤ۔جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔فوراً آرام ہو گیا۔اور علم ان کو عنایت ہوا دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا۔جو شجاعت میں معروف تھا۔وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے قتل ہوا تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔اس کو بھی بناء براصح الروایات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا مرحب کے بعد یاسر نکلا۔اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔اس طرح یہ محکم قلعہ بھی فتح ہو گیا۔جو سبایا ہاتھ آئیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دی گئیں اور صفیہ بنت حی بن اخطب جو کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی اس کو آزاد کر کے رسول اللہ ﷺ اپنے نکاح میں لائے حضرت صفیہ کا باپ رئیس خیبر تھا۔ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔باپ اور شوہر دونوں قتل کیے جا چکے تھے، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں۔مگر حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ نے حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔اس سے بڑھ کر اور کیا حسن سلوک ہو سکتا تھا۔

قموص کے بعد باقی قلعے جلدی فتح ہو گئے ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے اور صحابہ کرام میں رضی اللہ عنہم سے پندرہ نے شہادت پائی فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔مگر یہود نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہے ہم پیداوار کا نصف آپ ﷺ کو دے دیا کریں گے۔آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا ہم تمہیں برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں۔جب غلہ کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا دیا۔انہوں نے غلہ کو دو مساوی

حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے کہ زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (فتح البلدان بلاذری ذکر خیبر)

جنگ موتہ:

"موتہ" ملک شام میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہاں ۸ ہجری میں کفر و اسلام کا وہ عظیم الشان معرکہ ہوا جس میں ایک لاکھ لشکر کفار سے صرف تین ہزار جان نثار مسلمانوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایسی معرکہ آرائی کی کہ یہ لڑائی تاریخ اسلام میں ایک تاریخی یادگار بن کر قیامت تک باقی رہے گی اور اس جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی بڑی اولوالعزم ہستیاں شرفِ شہادت سے سرفراز ہوئیں۔

فتح مکہ:

جس وقت قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین حدیبیہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا تو اس وقت دیگر قبائل کو اختیار دیا گیا کہ جس کے عہد اور عقد میں چاہیں شامل ہو جائیں چنانچہ بنو بکر قریش کے عہد میں اور بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شامل ہو گئے۔ ان دونوں قبیلوں میں زمانہ جاہلیت سے ان بن چلی آتی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ مالک بن عباد حضرمی ایک مرتبہ مالِ تجارت لے کر خزاعہ کی سرزمین میں داخل ہوا۔ خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا اور اس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا' بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے معاوضہ میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے معاوضہ میں بنو بکر کے تین سرداروں ذویب' سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدودِ حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے

سے مامون اور بے خوف ہو گئے۔ بنو بکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا، چنانچہ بنو بکر میں سے نوفل بن معاویہ و دئلی نے مع اپنے ہمراہیوں کے خزاعہ پر شب خون مارا۔ قریش میں سے صفوان بن امیہ، شیبہ بن عثمان، سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص نے پوشیدہ طور پر بنو بکر کی امداد کی، خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی، مگر ان کو یہاں بھی قتل سے پناہ نہ ملی۔ (سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے سارا ماجرا آنحضرت ﷺ کے گوش گزار کیا۔

مغازی ابن عائذ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واقعات سن کر ایک قاصد قریش مکہ کے پاس روانہ کیا کہ ان کو یہ پیام پہنچا دے کہ تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لیں۔

> "مقتولین خزاعہ کی دیت دے دی جائے۔ یا بنو نفاثہ کے عہد اور عقد سے علیحدہ ہو جائیں۔ یا معاہدہ حدیبیہ کے فسخ کا اعلان کر دیں۔"

قاصد نے جب پیام پہنچایا تو قریش کی طرف سے قرطہ بن عمرو نے یہ جواب دیا کہ ہم نہ مقتولین خزاعہ کی دیت دیں گے اور نہ بنو نفاثہ سے اپنے تعلقات کو منقطع کریں گے۔ ہاں معاہدہ حدیبیہ کے فسخ پر ہم راضی ہیں۔ لیکن قاصد روانہ ہونے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور فوراً ہی ابو سفیان کو تجدید معاہدہ اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ (سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

ابو سفیان بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قریش کی

طرف سے تجدید معاہدہ اور مدتِ صلح کو بڑھانے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بارگاہ رسالت ﷺ سے جب کوئی جواب نہ ملا تو ابوسفیان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے سفارش کی درخواست کی۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: اللہ اکبر میں تیری سفارش کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں؟ دنیا میں اگر کوئی ساتھی مجھ کو میسر نہ آئے تو میں تنہا تجھ سے جہاد کرنے کو تیار ہوں۔ یہ سنتے ہی چپکا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اس وقت ان کے پاس ان کی بیوی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: اے ابوالحسن! آپ ہم سے قرابت میں سب سے قریب ہیں۔ میں ایک شدید ضرورت سے آیا ہوں۔ یہ چاہتا ہوں کہ ناکام واپس نہ ہوں۔ لہٰذا آپ میری رسول اللہ ﷺ سے سفارش فرمائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کچھ قصد فرما لیا ہے۔ لہٰذا اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ کہہ سکے۔ ابوسفیان یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے بنت محمد! اگر آپ اس بچہ یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیں کہ وہ پکار دے کہ میں نے قریش کو پناہ دی تو ہمیشہ کے لئے عرب کا سردار مان لیا جائے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اول تو یہ کمسن ہے یعنی پناہ دینا بڑوں کا کام ہے۔ دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافِ مرضی کون پناہ دے سکتا ہے۔

ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا معاملہ سخت ہو گیا۔ آخر مجھ کو کوئی تدبیر بتلائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا' صرف اتنا خیال میں آتا ہے اگر اس کو تو اپنے لئے مفید اور کارآمد سمجھے تو کر گزر۔ وہ یہ کہ مسجد میں جا کر یہ پکار دے کہ میں معاہدہ حدیبیہ کی تجدید اور استحکام اور مدت صلح کو بڑھانے کے لئے آیا ہوں اور یہ کہہ کر تو اپنے شہر واپس چلا جا' چنانچہ ابوسفیان وہاں سے اٹھ کر مسجد میں آیا اور باآواز بلند پکار کر یہ کہا میں عہد کی تجدید اور صلح کی مدت بڑھاتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ کو چل کھڑا ہوا۔ (سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

ابوسفیان جب مکہ پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا تو قریش نے یہ کہا کہ کیا محمد (ﷺ) نے تمہارے اعلان کو جائز رکھا ہے۔ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ قریش نے کہا کہ محمد (ﷺ) کی بغیر رضامندی اور اجازت کے تم کیسے راضی اور مطمئن ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ دسویں رمضان المبارک دس ہزار قدسیوں کی جمعیت ہمراہ لے کر بعد نمازِ عصر مدینہ منورہ سے بقصد فتح مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور ازواجِ مطہرات میں سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اب تک مکہ میں مقیم تھے اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ کو آ رہے تھے۔ وہ مقام جحفہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشادِ نبوی ﷺ انہوں نے اہل و عیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دیے گئے۔ اخیر پڑاؤ مرالظہران تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکر اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لیے انہوں نے ابوسفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور

بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔اس تجسس میں ان کا گزر مرالظہران پر ہوا۔ابوسفیان بولا یہ اس قدر جابجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شب عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔بدیل خزاعی نے کہا: یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ابوسفیان نے کہا: خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔خیمہ نبوی ﷺ کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا انہوں نے ابوسفیان وغیرہ کو دیکھ لیا۔اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ابوسفیان ایمان لائے جب رسول اللہ ﷺ یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔تو حضرت عباس نے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو۔تاکہ افواج الٰہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔قبائل عرب کی فوجیں ابوسفیان کے سامنے سے ہو کر گزرنے لگیں۔پہلے غفار پھر جہینہ،سعد بن ہذیل،سلیم۔نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے ان کے بعد ایک فوج آئی جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ابوسفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں۔سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ علم ہاتھ میں لیے ہوئے برابر سے گزرے تو ابوسفیان سے کہا:

”آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔“

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ علمبردار تھے۔حضور ﷺ برابر سے گزرے تو ابوسفیان نے کہا:

”حضور نے سنا سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا سعد نے غلط کہا۔آج کعبہ کی عزت کی جائے گی اور غلاف چڑھایا جائے گا۔پھر حکم دیا کہ علم سعد سے لے کر ان کے صاحب زادے قیس کو دے دیا جائے۔(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

آنحضرت ﷺ مکہ میں حصہ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا۔ کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے گھر پناہ لے گا۔ یا مسجد میں داخل ہو گا۔ یا دروازے بند کر لے گا۔ اس کو امن دیا جائے گا۔ حصہ بالائی میں (خیف بنی کنانہ یعنی خصب میں) رسول اللہ ﷺ کے لیے خیمہ نصب کیا گیا اور حضرت زبیر نے حسب الارشاد کی محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر علم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبائل عرب کے ساتھ پائیں شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفا میں ہم سے آملیں۔ اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ مگر صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر جندمہ میں سد راہ ہوئے۔ اور حضرت خالد کی فوج پر تیر برسانے لگے۔

چنانچہ حضرت حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مجبور ہو کر ان پر حملہ کیا۔ وہ تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعض پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے جو تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیش دستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے خالد رضی اللہ عنہ کو لڑنا پڑا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے خالد سے باز پرس کی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتداء مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا: "قضائے الٰہی بہتر جانتا ہے۔"

آنحضرت ﷺ نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سج کر ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا کوکبہ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ ﷺ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین و انصار تھے جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہہ چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔

بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت ﷺ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔ بیت اللہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن کے سبب سے وہ خانہ خدا بت خانہ بنا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ ﷺ ایک ایک بت کو ٹھوکر دیتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾

(الاسراء:۸۱)

"سچ آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے۔"

جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ (السبا:۴۹)

"سچ آگیا اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔"

اور وہ منہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے۔ کعبہ کے اندر ہی لکڑیوں کی ایک کبوتری بنی ہوئی تھی جسے آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے توڑ ڈالا اور تصویریں جو تھیں وہ مٹا دی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور حضرت اسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ اندر رہے آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا۔

خطبہ کے بعد آپ ﷺ قریش کی طرف متوجہ ہوئے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ اعلانِ دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال میں قریش نے آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے اصحاب سے جو جو سلوک کیے تھے وہ سب ان کے پیش نظر تھے۔ اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھیے کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ آنحضرت ﷺ اب اس

شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ آج آپ ﷺ داخل ہوتے ہیں تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بایں ہمہ آپ ﷺ نے یوں خطاب فرمایا:

"اے گروہ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

وہ بولے:

"نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔"

یہ سن کر حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے فرمایا:

اعلان عفو کے بعد آنحضرت ﷺ مسجد حرام میں بیٹھ گئے بیت اللہ شریف کی کنجی آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو۔ مگر آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

اس روز آنحضرت ﷺ دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے حکم سے حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ مسجد سے آپ ﷺ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی مردوں میں حضرت معاویہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہند بھی تھی جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

غزوہ حُنین:

فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا

کرتے تھے کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اور ان کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب آ گئے تو سچے پیغمبر ہیں۔ اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیش دستی کی مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا۔ وہ اس سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لیے فتح کی خبر سنتے ہی حملہ کے لیے تیار ہو گئے۔

ہوازن کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر و جشم تمام اور سعد بن ابی بکر اور کچھ بنو ہلال کے شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس درید بن صمہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ اسے محض مشورے کے لیے ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تا کہ لڑائی میں پیچھے نہ ہٹیں۔ درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا۔ مگر اس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت حال کے لیے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربار رسالت میں عرض کیے۔ آنحضرت ﷺ نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے جو ابو جہل کے بھائی تھے قرض لیے گئے۔ اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو زرہیں مع لوازم مستعار لی گئیں۔

غرض شوال ۸ھ میں آنحضرت ﷺ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے جن میں سے دو ہزار طلقاء (اہل مکہ) تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعض کی زبان سے بے اختیار نکلا:

"آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟"

جب حنین میں پہنچے تو صبح کے وقت کہ ابھی اجالا بھی اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لیے آگے بڑھے۔ دشمن نے ان کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف آرائی کر رکھی تھی کہ سب سے آگے سوار، سواروں کے پیچھے پیادہ۔ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے۔ اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں کی کمین گاہوں میں مقرر کر دی تھی اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار بھاگ نکلے۔ مسلمان غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت و فضیحت ہے اور مڑ کر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکر اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح و زرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنو نصر کی جماعت نے جو تیر اندازی میں مشہور تھے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمۃ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ ﷺ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے اور وہ اصحابہ بمقتضائے شفقت آپ ﷺ کو روک رہے تھے۔ حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے:

"او گروہ انصار! او بیعت رضوان والو! اے سورہ بقرہ والو!"

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے صف آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ نہایت بہادری سے لڑنے لگے شدت جنگ کو دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

الان حمی الوطیس

"اب تنور خوب گرم ہو گیا۔"

لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔کفار کو ملاء اعلیٰ کا لشکر پچکلیان گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آرہا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے خچر سے اتر کر ایک مشت خاک لی۔اور شاھت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔لشکر کفار کو شکست ہوئی۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

غزوۂ تبوک:

یہ غزوہ ماہ رجب میں پیش آیا۔اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑی فوج تیار کرلی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔اس وقت سخت قحط اور شدت کی گرمی تھی۔اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں۔

اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔غرض رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔راستہ میں جب سرزمین ثمود میں اترے۔تو آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے پانی لیا ہے اور اس سے آٹا گوندھا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانی گرادو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو جب آپ حجر یعنی ثمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے تو فرمایا

کہ ان معذبین کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہیے کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر سے منہ چھپا لیا اور اس وادی سے جلدی گزر گئے۔

جب آنحضرت ﷺ حجر سے روانہ ہوئے تو راستے میں ایک جگہ آپ ﷺ کا ناقہ گم ہو گیا۔ زید بن بصیت قینقاعی منافق کہنے لگا:

"محمد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور تم کو آسمان کی خبر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اس کا ناقہ کہاں ہے؟"

رسول اللہ ﷺ کا باطلاع الٰہی یہ معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

"ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتا دیا۔ چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتا دیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سبب سے وہ رکا ہوا ہے۔ تم جا کر لے آؤ۔"

بتعمیل ارشاد مبارک ناقہ اس درہ میں سے لایا گیا۔

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز آنحضرت ﷺ کا قیام رہا۔ اہل تبوک نے جزیہ پر آپ ﷺ سے صلح کر لی۔ ایلہ کا نصرانی سردار یوحنہ بن روبہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ ﷺ سے صلح کر لی۔ اور ایک سفید خچر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ایک چادر اسے عنایت فرمائی۔ جرباؔ اذروح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

تبوک ہی سے آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کا دستہ دے کر اکیدر بن عبدالملک کندی نصرانی سردار دومتہ الجندل کے زیر کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دومتہ

الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ قلعہ کے پاس پہنچے تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آ کر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کے لیے قلعہ سے اتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دستہ نے اس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اس نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

حجۃ الوداع:

یہ آپ ﷺ کا آخری حج تھا اور ہجرت کے بعد ہی آپ ﷺ کا پہلا حج تھا۔ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری میں آپ ﷺ نے حج کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے عرب میں ہر طرف پھیل گئی اور تمام عرب شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ پڑا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے آخری ذوالقعدہ میں جمعرات کے دن مدینہ میں غسل فرما کر تہبند اور چادر زیب تن فرمایا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور اپنی تمام ازواج مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔

مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میکات "ذوالحلیفہ" پر پہنچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لئے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی۔ پھر آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی "قصوا" پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے "لبیک" پڑھا اور روانہ ہو گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں حدِ نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ بیہقی کی روایت ہے کہ ایک لاکھ چودہ ہزار اور دوسری روایت میں ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان حجۃ الوداع میں آپ ﷺ

کے ساتھ تھے۔ (زرقانی ج ۳ صفحہ ۱۰۶ و مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۸۷)

چوتھی ذوالحجہ کو آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم کے لڑکوں نے تشریف آوری کی خبر سنی تو خوشی سے دوڑ پڑے اور آپ ﷺ نے نہایت ہی محبت و پیار کے ساتھ کسی کو آگے کسی کو پیچھے اپنی اونٹنی پر بٹھالیا۔

(نسائی باب استقبال الحاج ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ رحیمیہ)

فجر کی نماز آپ نے مقام "ذی طویٰ" میں ادا فرمائی اور غسل فرمایا پھر آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور چاشت کے وقت یعنی آفتاب بلند ہو چکا تھا تو آپ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ جب کعبہ معظمہ پر نگاہِ نبوت پڑی تو آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی کہ:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا وَّتَكْرِيْمًا وَّمَهَابَةً وَّزِدْ مَنْ حَجَّهٗ وَاعْتَمَرَهٗ تَكْرِيْمًا وَّتَشْرِيْفًا وَّتَعْظِيْمًا

"اے اللہ تو سلامتی دینے والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے اے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندگی رکھ۔ اے اللہ اس گھر کی عظمت و شرف اور عزت ہیبت کو زیادہ کر اور جو اس گھر کا حج اور عمرہ کرے تو اس کی بزرگی اور شرف و عظمت کو زیادہ کر۔"

جب حجر اسود کے سامنے آپ ﷺ تشریف لے گئے تو حجر اسود پر ہاتھ رکھ کر اس کو بوسہ دیا۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ ﷺ نے "رمل" کیا اور باقی چار چکروں میں معمولی چال سے چلے۔ ہر چکر میں جب حجر اسود کے سامنے پہنچتے تو اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے۔ حجر اسود کا استلام کبھی آپ ﷺ نے چھڑی کے ذریعے سے کیا کبھی ہاتھ سے چھو کر

ہاتھ کو چوم لیا۔ کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیا اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی رکن یمانی کا بھی آپ ﷺ نے استلام کیا۔ (نسائی ج ۲ صفحہ ۳۰،۳۱)

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پاس تشریف لائے اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام فرمایا اور سامنے کے دروازہ سے صفا کی جانب روانہ ہوئے۔ قریب پہنچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی کہ:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ۔

"بیشک صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں۔"

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے احرام نہیں اُتارا۔

آٹھویں ذوالحجہ جمعرات کے دن آپ ﷺ منیٰ تشریف لے گئے اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشائ، فجر منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذوالحجہ جمعہ کے دن آپ ﷺ عرفات میں تشریف لے گئے۔

زمانہ جاہلیت میں چونکہ قریش اپنے کو سارے عرب میں افضل و اعلیٰ شمار کرتے تھے۔ اس لئے وہ عرفات کی بجائے "مزدلفہ" میں قیام کرتے تھے اور دوسرے تمام عرب "عرفات" میں ٹھہرتے تھے۔ لیکن اسلامی مساوات نے قریش کے لئے اس تخصیص کو گوارا نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے یہ حکم دیا کہ:

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ.

"(اے قریش) تم بھی وہیں (عرفات) سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سب لوگ پلٹ کر آتے ہیں۔"

حضور ﷺ نے عرفات پہنچ کر ایک کمبل کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ جب

سورج ڈھل گیا تو آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے بہت سے ضروری احکام اسلام کا اعلان فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بے ہودہ رسموں کو آپ ﷺ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تَحْتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ۔

"سن لو! جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔"

(ابوداؤد ج ۱ صفحہ ۲۶۳، مسلم ج ۱ صفحہ ۳۹۷ باب حجۃ النبی)

اپنا خطبہ ختم فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے سامعین سے فرمایا کہ:

وَاَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ مَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ۔

"تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا جواب دو گے؟"

تمام سامعین نے کہا کہ ہم لوگ خدا سے کہہ دیں گے کہ آپ ﷺ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔

"اے اللہ! تو گواہ رہنا۔" (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۳ باب صفۃ حج النبی)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبہ میں آپ ﷺ اپنا فرض رسالت ادا فرما رہے تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی
نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے ظہر و عصر ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر "موقف" میں تشریف لے گئے اور جبل رحمت کے نیچے غروب آفتاب تک دعاؤں میں مصروف رہے۔

غروب آفتاب کے بعد عرفات سے ایک لاکھ سے زائد حجاج کے ازدحام میں "مزدلفہ" پہنچے۔ یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی۔ مشعر حرام کے پاس رات بھر امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور وادی محسر کے راستہ سے منیٰ میں آپ "جمرہ" کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں۔

پھر آپ نے بآواز بلند فرمایا کہ

لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّیْ لَاۤ اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَاۤ اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ۔

"حج کے مسائل سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد میں
دوسرا حج نہ کروں گا۔" (مسلم ج ا صفحہ ۴۱۹ باب رمی جمرۃ العقبہ)

منیٰ میں بھی آپ ﷺ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ جس میں عرفات کے خطبہ کی طرح بہت سے مسائل و احکام کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے کچھ کو تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا اور گوشت پوست، جھول، نکیل، سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں

سے نہ ادا کی جائے بلکہ الگ سے دی جائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور طوافِ زیارت فرمایا۔ پھر چاہ زمزم کے پاس تشریف لائے۔ خاندان عبد المطلب کے لوگ حاجیوں کو زمزم پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمزم شریف پیش کیا اور آپ ﷺ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر منیٰ واپس تشریف لے گئے اور بارہ ذوالحجہ تک منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکریاں مارتے رہے۔ تیرہ ذوالحجہ منگل کے دن آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو کر "محصب" میں رات بھر قیام فرمایا اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف وداع کر کے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے۔

(سیرت رسول عربی ﷺ از علامہ نور بخش توکلی)

دین کی تکمیل:

جب دین و شریعت کی تکمیل ہو گئی اور یہ آیت مبارکہ نازل ہو چکی:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (سورۃ المائدہ: ۳)

"آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔"

وفات:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے "إذا جاء نصر الله والفتح" کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

"یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہے جس کا علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیا۔" (سیرت رسول رحمت ﷺ)

ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہو گئے اور ماہ ربیع الاول میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارھویں تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا بعض تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بنا بر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ ماہ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کہ ابو محنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ (وفا الوفاء، جز اول، صفحہ ۲۲۶)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے انتقام کے لیے آنحضرت ﷺ نے ایام مرض ہی میں فوج تیار کی اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا تیار کیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ مقام ابنیٰ میں پہنچ کر رومیوں سے جہاد کرو۔

حضور ﷺ کے ایام مرض ہی میں حضرت فیروز دیلمی نے اسود عنسی مدعی نبوت کو قتل کر ڈالا۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں اس حال کی خبر دی اور فرمایا فاز فیروز۔ (فیروز کامیاب ہو گیا) وفات شریف سے پہلے جو پنج شنبہ تھا اس میں قصہ قرطاس وقوع میں آیا جس کو فقیر نے "تحفہ شیعہ" میں بالتفصیل لکھا ہے۔ اسی روز حضور

ﷺ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی۔

۱۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا۔

۲۔ ملوک و امرا کے ایلچی جو تمہارے پاس آیا کریں۔ ان کو جائزہ و انعام دیا کرنا جیسا کہ میں دیا کرتا تھا۔

تیسری چیز کا ذکر حضور ﷺ نے نہ فرمایا۔ یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین باب وفات النبی ﷺ)

اسی روز حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ نماز مقرر فرمایا اور وہ وفات شریف تک نماز پڑھاتے رہے۔

چھ یا سات دینار جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ وہ بھی حضور ﷺ نے ایام مرض میں تقسیم فرما دیئے اور کچھ باقی نہ چھوڑا۔ وفات شریف کا وقت عین قریب آپہنچا تو آپ ﷺ اکثر یوں وصیت فرماتے تھے:

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ

"نماز اور غلام"

جب روح پاک نے جسم اطہر سے اعلیٰ علّیین کی طرف پرواز کی تو الفاظ اَللّٰھم فی الرفیق الاعلیٰ زبان مبارک پر تھے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الانفاق وکراہیۃ الامساک)

واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کا وصال شریف دوشنبہ کے دن دوپہر ڈھلے ہوا۔ وصال شریف کے بعد زمین تاریک ہوگئی۔ اس صدمہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو حال ہوا وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو غسل دیا۔ حضرت عباس وفضل بن عباس رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے پہلو بدلنے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہ اور اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضور کا غلام شقران پانی

ڈال رہے تھے۔ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باقی سب آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تھے تاکہ جسد شریف پر نظر نہ پڑے۔ حضور ﷺ کے کفن میں تین سوتی کپڑے سحول کے بنے ہوئے تھے جن میں قمیص وعمامہ نہ تھا۔

شب چہار شنبہ میں حضور ﷺ کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین وانصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف آراء ہوا کہ حضور ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے؟ قبر شریف میں لحد چاہیے یا شق۔ آخرکار حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے لحد کھودی۔ نماز جنازہ حجرہ شریف کے اندر ہی بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مردوں پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے، پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعد ازاں حضورِ اکرم ﷺ کو بالاتفاق حجرہ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کر دیا گیا۔ بنا بر قول اصح حضرت عباس وعلی وقثم وفضل رضی اللہ عنہم قبر شریف میں اترے۔ لحد کی اینٹیں پکی تو تھیں ہی حضرت قثم رضی اللہ عنہ سب سے اخیر میں قبر مبارک سے نکلے۔

حضورِ اکرم ﷺ نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا جو کچھ آپ ﷺ نے چھوڑا وہ صدقہ وقف تھا اور اس کا مصرف وہی تھا جو آپ ﷺ کی حیات شریف میں تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔

"ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ووقف ہے۔" (بخاری شریف کتاب الجہاد)

باب سوم:

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن

ام المومنین حضرت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا اسم مبارکہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا)، کنیت ام ہند اور لقب طاہرہ ہے اور آپ رضی اللہ عنہا کا شمار اپنے زمانہ کی انتہائی معزز خواتین میں ہوتا تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنی اسد سے تھا جو قریش کی ایک شاخ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا رشتہ کے اعتبار سے حضور نبی کریم ﷺ کی چچازاد بہن بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری ذیل ہے۔

"ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ بن کلاب۔"

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب قصیٰ پر حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب سے ملتا ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بنت الاصم تھا جو بنی عامر بن لوئی سے تھیں۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پندرہ برس قبل عام الفیل میں ہوئی۔

(تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول صفحہ ۳۷۷)

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد کا شمار مکہ کے کامیاب تاجروں میں ہوتا تھا اور وہ اپنے قبیلہ بنی اسد کی معزز و مکرم شخصیت شمار ہوتے تھے اور اپنی معاملہ فہمی اور دیانتداری کی بدولت قریش میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

نکاح اور بیوگی کا زمانہ:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بچپن سے ہی شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق سے متصف تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو لوگ "طاہرہ" کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا شمار مکہ مکرمہ کی دولت مند خواتین میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا جب جوان ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ابوہالہ بن بناش تمیمی سے ہوا۔ ابوہالہ کا تعلق بنی اسید بن عمرو بن تمیم سے تھا اور بنی اسید بنی عبدالدار کا حلیف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے ابوہالہ سے دو بیٹے ہند اور حارث اور ایک بیٹی زینب تولد ہوئی۔ ہند کے نام پر آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام ہند مشہور ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد دوم حصہ اول صفحہ ۳۷۷، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی ابوہالہ کے مرنے کے بعد عتیق بن عائد مخزومی سے ہوئی۔ عتیق بن عائد مخزومی سے آپ رضی اللہ عنہا کا ایک بیٹا عبداللہ

بن عتیق اور ایک بیٹی ہند تولد ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۹)

ایک روایت کے مطابق ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تیسرا نکاح آپ رضی اللہ عنہا کے ابن عم صیفی بن امیہ سے ہوا اور ان کے انتقال کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ سے ہوا۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکاح سے قبل ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو قریش کے بے شمار امراء کی جانب سے نکاح کا پیغام ملا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے ان سب کو رد کر دیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آنے سے قبل آپ رضی اللہ عنہا بیوگی کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا زیادہ وقت حرم پاک میں بسر ہوتا تھا اور پھر جب آپ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تجارتی سرگرمیوں میں حصہ لینا کم کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے تجارتی سرگرمیوں میں قدم رکھا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خویلد بن اسد کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔

تجارتی امور میں حصہ لینا:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی مالدار خاتون تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے جب تجارت میں حصہ لیا تو اپنی قابلیت کی بناء پر جلد ہی اپنا ایک مقام اور مرتبہ بنا لیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے تجارتی قافلے یمن اور شام جاتے تھے اور ان تمام امور کو چلانے کے لئے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں ملازموں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ ان ملازموں میں اہل عرب بھی تھے، یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے خلوص کی بدولت آپ رضی اللہ عنہا کی تجارت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نگاہیں کسی ایسے شخص کی متلاشی تھیں جو ذہین بھی ہو اور ایماندار بھی ہو اور تجارتی قافلے اس کی نگرانی میں جائیں۔

ابن سعد کی روایت میں ہے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ

تجارت قریش کے تمام سامان کے برابر ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی خواہش ہوتی تھی کہ ان لوگوں کو سامانِ تجارت دے کر بھیجیں جو ایماندار ہوں اور منافع کا درست حساب کرنے والے ہوں۔

حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس ہو چکی تھی اور حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جب حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کو بلایا اور دورانِ گفتگو کہا۔

"آپ ﷺ میرا سامان تجارت کی غرض سے لے کر ملک شام جائیں۔ میں اپنا مال لے جانے کا جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں آپ ﷺ کی امانت اور دیانت کی بدولت اس سے دوگنا معاوضہ دوں گی۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش کو قبول کرلیا۔ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سامانِ تجارت کے ساتھ اپنے ایک خاص غلام "میسرہ" کو بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ملک شام روانہ کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ سامانِ تجارت لے کر ملک شام روانہ ہوئے تو اس سفر میں ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا۔ جب آپ ﷺ سامانِ تجارت لے کر ملک شام کے مشہور بازار بصری پہنچے تو وہاں ایک راہب نسطورا سے ملاقات ہوئی۔ نسطورا جو کہ میسرہ کو جانتا تھا اس نے میسرہ سے دریافت کیا۔

"یہ تمہارے ساتھ آنے والے کون ہیں؟"

روایات میں آتا ہے اس وقت حضور نبی کریم ﷺ ایک درخت کے نیچے

آرام فرما رہے تھے۔ میسرہ نے کہا۔

"ان کا نام محمد (ﷺ) ہے اور یہ صادق اور امین کے لقب سے مشہور ہیں ان کا تعلق قریش کے مشہور قبیلے بنو ہاشم سے ہے۔"

نسطورا نے جب میسرہ کی باتیں سنیں تو کہنے لگا۔

"اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں آیا، مجھے یقین ہے یہ آخری نبی ہیں اور آخری نبی کی جو نشانیاں میں نے تورات اور انجیل میں پڑھی ہیں وہ سب مجھے ان میں نظر آ رہی ہیں، کاش میں اس وقت زندہ ہوں جب یہ اپنی نبوت کا اعلان کریں گے۔ میں ان کی مدد کروں اور اپنی تمام زندگی ان کی خدمت میں بسر کروں۔

اے میسرہ! میں تجھے نصیحت کرتا ہوں تم ان سے جدا نہ ہونا اور ان کی خدمت کرنا کیونکہ یہ آخری نبی ہیں۔"

میسرہ نے دورانِ تجارت دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ سامانِ تجارت کو فروخت کرتے وقت لات وعزیٰ کی قسمیں نہ کھاتے تھے جبکہ دیگر تاجروں کی یہ عادت تھی کہ وہ مال کی اہمیت بڑھانے کے لئے لات وعزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی نیک عادات اور سچ بولنے کی عادت کی وجہ سے بصری کے لوگ آپ ﷺ کے اخلاق و اوصافِ حمیدہ کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ اگرچہ سالارِ قافلہ تھے مگر قافلے کے دیگر لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ انتہائی نرم اور مشفق تھا اور وہ سب آپ ﷺ کی تعریف کرتے تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بصری میں تمام سامانِ تجارت فروخت کیا اور مکہ

مکرمہ واپس روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت ایک بالا خانے میں موجود تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو شہر میں داخل ہوتے دیکھا اور اس وقت آپ ﷺ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھے۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ منظر دیکھا تو طبیعت میں ایک بے چینی پیدا ہوئی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس سے سفر کے متعلق دریافت کیا۔ میسرہ نے سفر میں پیش آنے والے عجیب و غریب واقعات اور راہب نسطورا کی باتوں کے متعلق بتایا۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے غلام میسرہ کی باتیں سنیں تو آپ رضی اللہ عنہا کے دل میں حضور نبی کریم ﷺ کی عزت وتکریم پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم ﷺ کی ملاقات ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے سامانِ تجارت کی خرید وفروخت سے آگاہ کیا اور جب آپ رضی اللہ عنہا کو مال میں بہت زیادہ منافع کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے وعدہ کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ کو دوگنا معاوضہ دیا۔

(طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰، تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۶)

ورقہ بن نوفل کا مشورہ:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے غلام میسرہ کی باتیں سنیں تو آپ رضی اللہ عنہا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو کہ تورات اور انجیل کے عالم تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کی بتائی ہوئی باتیں انہیں بتائیں تو ورقہ بن نوفل کہنے

لگے۔

"اگر یہ حقیقت ہے تو یہ تورات اور انجیل میں مذکور اس آخری نبی کی جانب اشارہ ہے اور وہ نبی یقیناً محمد (ﷺ) ہی ہیں۔"

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب ورقہ بن نوفل کی باتیں سنیں تو دل میں حضور نبی کریم ﷺ سے شادی کی خواہش پیدا ہوئی۔

(عیون الاثر جلد اول صفحہ ۱۲۰)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ کو بیان کیا ہے جو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کا پیغام دیتے وقت کہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا۔

"میں آپ ﷺ کے اچھے اخلاق، دیانت و ایمانداری اور سچائی کی بدولت پسند کرتی ہوں اور آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شادی کے پیغام کے متعلق اپنے چچا جناب ابوطالب اور خاندان کے دیگر معتبر لوگوں سے مشورہ کیا اور تمام خاندان والوں نے اس رشتے کو قبول کر لیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے جب خاندان والوں کی رضامندی حاصل کر لی تو حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کی قبولیت کا پیغام بھیجا۔ پھر وقت مقررہ پر حضور نبی کریم ﷺ اپنے چچاؤں حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور جناب ابوطالب اور دیگر معززین کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے جہاں

حضور نبی کریم ﷺ کا نکاح آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی پہلی زوجہ ہیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کے بعد اپنا تمام مال آپ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کے بعد ولیمہ کی دعوت بھی کی جس میں آپ ﷺ نے ایک اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی شاندار دعوت کی۔ شادی کے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک پچیس برس تھی جبکہ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔

(زرقانی جلد سوم صفحہ ۲۲۰)

حضور نبی کریم ﷺ پر وحی کا نزول:

حضور نبی کریم ﷺ نوجوانی سے ہی اہل مکہ میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس امانتیں رکھوایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال شروع ہوا تو آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے۔ آپ ﷺ عبادت کے لئے مکہ مکرمہ کے نواح میں واقعہ جبل حرا کی ایک غار میں جانے لگے جو تاریخ میں غارِ حرا کے نام سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ کئی کئی دن اس غار میں تنہا رہتے اور عبادتِ خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس دوران کھانے پینے کی اشیاء آپ ﷺ تک اس غار میں پہنچاتی تھیں۔ اس دوران آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر ظاہر ہو جاتی تھی۔ غارِ حرا میں عبادت کے انہی دنوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ حق کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے۔ آپ ﷺ پر پہلی وحی کے ساتھ لرزہ طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ اسی حال میں گھر تشریف لائے اور ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"مجھے کمبل اوڑھا دو۔"

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کو کمبل اوڑھا دیا۔ کچھ دیر بعد جب آپ ﷺ کی کپکپی ختم ہوئی تو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے فرشتے کی آمد کا ذکر کیا اور فرمایا۔

"مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی بات سنی تو کہا۔

"آپ ﷺ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ رسوا نہیں ہوں گے، آپ ﷺ رشتہ داروں کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے ہیں، آپ ﷺ دوسروں کا بوجھ خود اٹھاتے ہیں، آپ ﷺ غرباء اور ناداروں کا خیال رکھتے ہیں، آپ ﷺ صادق اور امین ہیں اور حق کے لئے تمام صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو جس منصب پر فائز کیا ہے اس میں آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔"

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۹ تا ۵۱)

ورقہ بن نوفل سے ملاقات:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل تورات اور انجیل کا عالم تھا۔ ورقہ بن نوفل نے جب آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو کہا۔

"یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا تھا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ

کو مکہ مکرمہ سے نکال دے گی۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے جب ورقہ بن نوفل کی باتیں سنیں تو آپ ﷺ کو یقین ہوگیا مجھے جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کی ذمہ داریاں سخت ہیں اور یہ راستہ کٹھن ہے۔ اب میرے اپنے میرے مخالف ہو جائیں گے اور میری تکذیب کریں گے۔

اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانا:

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی دعوتِ توحید پر سب سے پہلے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے لبیک کہا اور اسلام قبول کیا۔

طبرانی کی روایت ہے حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے والی ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی ہیں۔ (طبرانی معجم الکبیر جلد ۲۲ حدیث ۱۰۹۹)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والی اور تصدیق کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔ (اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۳۷)

حضور نبی کریم ﷺ کی غمگسار:

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کے بعد ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قریباً پچیس برس زندہ رہیں اور اس عرصہ میں آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی رفاقت اور جانثاری کا حق ادا کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے غیر مسلم اقارب کی پرواہ کئے بغیر دین اسلام کی خدمت کی اور تبلیغ دین میں حضور نبی کریم ﷺ کے شانہ بشانہ رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنا تمام مال دین اسلام کی سربلندی کے لئے خرچ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنی دولت سے غرباء، یتیموں، بیواؤں اور مساکین کی حاجت روائی کرتی تھیں۔ مشرکین جب نومسلموں پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے اور تبلیغ دین میں رکاوٹیں کھڑی کرتے تھے

آپ رضی اللہ عنہا اس وقت بھی حضور نبی کریم ﷺ کا حوصلہ بڑھاتی تھیں اور فرماتی تھیں۔

"یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ رنجیدہ نہ ہوں اور بھلا کیا کوئی ایسا رسول آیا ہے جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔"

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کا ملال دور ہو جاتا تھا۔ الغرض اس پر آشوب دور میں آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کا ہر ممکن خیال رکھا اور ہر مصیبت میں حضور نبی کریم ﷺ کی مدد کے لئے تیار رہتی تھیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے بھی آپ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا۔

"میں جب کفار کی کوئی بات سنتا اور وہ مجھے ناگوار گزرتی تو میں خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کرتا اور وہ میری ڈھارس بندھاتی اور میرے دل کو سکون ملتا اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا تھا۔"

(الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۲۸۳، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۰)

شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام:

بعثت نبوی ﷺ کے ساتویں برس جب مشرکین مکہ نے دیکھا دین اسلام روز بروز ترقی کرتا جا رہا ہے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور پھر حضرت سیدنا حمزہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم جیسے ان کے بہادر اسلام قبول کر چکے ہیں تو ان کے مظالم میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا۔ قریش نے حضور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کا بائیکاٹ کر دیا اور آپ ﷺ کو اپنے خاندان سمیت ایک گھاٹی میں محصور کر دیا جو تاریخ میں شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے۔ قریش نے آپ ﷺ اور ان کے خاندان کا پانی بند کر دیا اور انہیں کھانے کے لئے کوئی خوراک میسر نہ

تھی۔قریش نے بنی ہاشم کے لئے ذیل کی شرائط رکھیں۔

۱۔ بنی ہاشم کے خاندان میں کوئی شادی نہیں کرے گا۔

۲۔ بنی ہاشم کے ساتھ کسی قسم کی کوئی تجارت نہیں کی جائے گی۔

۳۔ کوئی ان کے ساتھ باہمی تعلق یا ملاقات یا بات چیت نہیں کرے گا۔

۴۔ کوئی ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان لے کر نہیں جائے گا۔

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام کے دوران صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تین برس تک مصائب برداشت کئے۔

تین برس بعد اس معاہدہ کو دیمک چاٹ گئی اور حضور نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو شعب ابی طالب سے رہائی ملی۔(تاریخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۶۲۲ تا ۶۲۳)

رسول کریم ﷺ سے اولاد:

حضور نبی کریم ﷺ سے ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دو بیٹے قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہم جن کے القاب طاہر اور طیب تھے تولد ہوئے اور ان کی ولادت اسلام میں ہوئی اور چار بیٹیاں حضرت سیدہ زینب، حضرت سیدہ رقیہ، حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن تولد ہوئیں۔(مستدرک الحاکم جلد سوم صفحہ ۱۶۱)

حضور نبی کریم ﷺ کی تمام اولاد حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی اور نزولِ وحی سے قبل ہوئی ماسوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو حضرت سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تولد ہوئے۔(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۲۴)

وصال:

شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام ختم ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ اپنے عزیز و اقارب اور اہل و عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ واپس لوٹے تو ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بیمار رہنے لگیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کے علاج معالجہ پر بھرپور توجہ دی مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس دوران حضور نبی کریم ﷺ کے غمگسار چچا جناب ابوطالب بھی انتقال فرما گئے۔ ابھی جناب ابوطالب کی موت کا غم کچھ کم نہ ہوا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہا کی موت کا غم بھی برداشت کرنا پڑا اور آپ رضی اللہ عنہا، جناب ابوطالب کی موت کے تین یا پانچ دن بعد اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔ چند ہی دنوں میں دو غمگسار ہستیوں کے وصال نے حضور نبی کریم ﷺ کو بے حد غمگین کر دیا یہی وجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۷۳ تا ۷۴)

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت المعلیٰ میں مدفون کیا گیا اور حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کو اپنے ہاتھوں سے لحد میں اتارا۔

ام المومنین حضرت سیّدہ سودہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام زمعہ بن قیس تھا اور آپ رضی اللہ عنہا قریش کی ایک شاخ عامر بن لوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۱)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری یہ ہے۔

"سیدہ سودہ (رضی اللہ عنہا) بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدو بن
نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی۔"

عامر بن لوی پر حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب حضور نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔

حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن
خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔"

حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ بنو نجار تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ شموس بنت قیس کی والدہ جناب عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کے بھائی کی بیٹی تھیں۔

(اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۸۴، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۱)

حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ ولادت کے متعلق کتب سیر یکسر خاموش ہیں۔

پہلا نکاح اور قبولِ اسلام:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح اپنے والد کے چچازاد بھائی سکران رضی اللہ عنہ بن عمرو سے ہوا۔ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا آپ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کی ترغیب پر آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر سکران رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر سکران رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بے شمار صعوبتیں برداشت کیں اور مشرکین کے ظلم وستم کو برداشت کیا اور پھر جب مشرکین کے ظلم وستم میں اضافہ ہو گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کچھ عرصہ حبشہ میں مقیم رہیں اور پھر واپس مکہ مکرمہ آ گئیں۔ مکہ مکرمہ واپس آنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا وصال ہو گیا جبکہ ایک روایت کے مطابق حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا وصال حبشہ میں ہوا اور ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا شوہر کے وصال کے بعد مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئیں۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۱ تا ۵۴۲)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ غمگین رہنا شروع ہو گئے۔ اس دوران حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ کو ایک غمخوار ساتھی کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مجھے ایک غمخوار ساتھی چاہئے جو میرے گھر اور بچوں کو دھیان رکھ سکے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم کے کہنے پر ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام بھیجا جسے قبول کر لیا گیا اور یوں ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا چار سو درہم مہر کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسری عورت تھیں جو حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ (اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۸۴)

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا خواب:

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ان کی جھولی میں آن گرا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے کہا اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں عنقریب اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاؤں گا اور تمہاری شادی حضور نبی کریم ﷺ سے ہو جائے

گی چنانچہ اس خواب کے کچھ دنوں بعد ہی حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا۔

روایات میں ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کی گردن کو چھوا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے کہا اگر تیرا خواب سچا ہے تو پھر اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں عنقریب اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا اور تمہارا نکاح حضور نبی کریم ﷺ سے ہوگا چنانچہ اس خواب کے کچھ دنوں بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے اور اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے اور آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ سے ہوا۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم ۲۷۰، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۲)

ہجرتِ مدینہ:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دس (۱۰) نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ کے عقد میں آئیں۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی آپ رضی اللہ عنہا اس وقت مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہن کے ہمراہ مقیم تھیں اور پھر جب حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخات قائم فرمادیا تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ مکہ مکرمہ جائیں اور میری بیٹیوں اور بیوی کو مدینہ منورہ لے آئیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لائے۔ (سیرت النبویہ جلد دوم صفحہ ۳۱۴)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنا:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نہایت رحم دل اور سخی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے پاس جو کچھ بھی آتا تھا اسے ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتی تھیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا دستکاری کیا کرتی تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں اور ان سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ راہِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درہموں سے بھری ہوئی ایک زنبیل بھیجی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے سمجھا شاید اس میں کھجوریں ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے خادم سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس میں درہم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اسے حکم دیا کہ یہ تمام درہم فوراً خیرات کر دو میں سمجھی کھجوریں ہوں گی اور درہم لے کر ہم کیا کریں گے؟

(طبقات ابن سعد جلد چہارم صفحہ ۳۲۹)

اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی:

حضور نبی کریم ﷺ کی عادتِ کریمہ تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کی باریاں لگا رکھی تھیں تاکہ کوئی بھی اپنی حق تلفی کا شکوہ نہ کرے۔ ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا چونکہ بوڑھی تھیں اور ازدواجی تعلقات استوار نہ کر سکتی تھیں لہٰذا آپ رضی اللہ عنہا نے ایثار کرتے ہوئے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دے دی تھی۔ (صحیح بخاری جلد اول حدیث ۲۲۲۴)

حج بیت اللہ کی سعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ۱۰ھ میں

حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور آپ رضی اللہ عنہا چونکہ بوڑھی ہو چکی تھیں اس لئے آپ رضی اللہ عنہا تیز نہ چل سکتی تھیں آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے مزدلفہ جانے کی پیشگی اجازت طلب کی اور حضور نبی کریم ﷺ نے اجازت دے دی اور آپ رضی اللہ عنہا لوگوں کے رش سے قبل ہی مزدلفہ چلی گئیں ۔ (صحیح بخاری جلد اول حدیث ۱۵۷۷)

آیت حجاب کا نزول:

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا دراز قد اور فربہ مائل تھیں آپ رضی اللہ عنہا دوسروں سے چھپ نہیں سکتی تھیں ۔

روایات میں آتا ہے کہ پردہ کے احکامات کے نزول سے قبل عورتیں بھی مردوں کی مانند قضائے حاجت کے لئے باہر جاتی تھیں اور ان میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی شامل تھیں اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بات سخت ناپسند تھی چنانچہ ایک مرتبہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں کہہ بھی چکے تھے اور پھر ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے باہر گئیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا جسم قدرے فربہ تھا اس لئے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا اور کہا کہ میں جان گیا آپ رضی اللہ عنہا سودہ ہیں ۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے کیا اور پھر اس واقعہ کے بعد اللہ عزوجل نے پردہ کے احکامات نازل فرمائے ۔ (صحیح بخاری جلد دوم حدیث ۱۹۰۰)

احادیث روایت کرنا:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ بسر کیا اور آپ رضی اللہ عنہا ابتدائے اسلام میں مسلمان ہوئی تھیں اس لئے دین اسلام کی تعلیمات واحکامات سے بخوبی آگاہ تھیں مگر احادیث کو روایت کرنے میں

انتہائی احتیاط سے کام لیتی تھیں یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی تعداد پانچ ہے اور انہیں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت یحییٰ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۸۴)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے اخیر میں وصال فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وصال اور سن وصال کے متعلق کتب سیر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں مدفون کیا گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۲)

اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خلیفہ اوّل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے القابات صدیقہ اور حمیرا ہیں۔

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے۔

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک۔" (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد دوم صفحہ ۳۴۱)

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ام رومان رضی اللہ عنہا بنت عامر بن عویمر بن عبدالشمس بن عتاب بن ازینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔" (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد دوم صفحہ ۳۴۱)

ولادت باسعادت:

اُم المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سن ولادت کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں مگر بیشتر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں آپ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت کے چوتھے سال ماہِ شوال میں تولد ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد بزرگوار حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شمار حضور نبی کریم ﷺ کے رفقاء میں ہوتا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی پیدائش سے قبل چونکہ آپ رضی اللہ عنہا کے والدین دین اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے آپ رضی اللہ عنہا بھی پیدائشی مسلمان تھیں۔ (صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۶۲)

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ طفولیت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر باپ کے زیرسایہ بسر ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا بچپن سے ہی بے حد ذہین اور ہوش مند تھیں اور بچپن کی تمام باتیں آپ رضی اللہ عنہا کو ازبر تھیں اور کہا جاتا ہے کہ کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکاح سے قبل ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہوئی مگر انہوں نے یہ نسبت فسخ کر دی کیونکہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ سمیت اسلام قبول کر چکے تھے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۳)

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب نکاح کا پیغام حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت حکیم لے کر آئیں۔ انہوں نے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا تو حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا ابھی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) گھر پر موجود نہیں وہ آتے ہیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہیں حضور نبی کریم ﷺ کے پیغام کے متعلق علم ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ ﷺ نے مجھے اپنا منہ بولا بھائی بنایا ہے کیا منہ بولے بھائی کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا منہ بولے بھائی کی بیٹی حرام نہیں ہے چنانچہ آپ ﷺ کی بات سننے کے بعد حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حامی بھر لی۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بوقت نکاح چھ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ماہِ شوال میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آنے والی واحد کنواری خاتون تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ماہِ شوال میں ہونے سے دورِ جاہلیت کی اس رسم کا خاتمہ بھی ہو گیا کیونکہ عرب ماہِ شوال میں نکاح کرنے کو منحوس سمجھتے تھے۔ روایات کے مطابق جس دن آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح تھا اس دن آپ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ نکاح کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ نے آپ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگا دی۔

حضور نبی کریم ﷺ سے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔

”میرا نکاح ہو گیا اور مجھے اس وقت اس کی خبر بھی نہ تھی۔ میری والدہ نے مجھے سمجھایا کہ اب میرا نکاح ہو گیا ہے اس لئے میں گھر

سے باہر نکلنا چھوڑ دوں۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے قبل حضور نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا ایک فرشتہ انہیں ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر کوئی شے پیش کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے جب اس ریشم کے کپڑے کو کھول کر دیکھا تو اس میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ اس خواب کے بعد آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا نکاح حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ اوقیہ چاندی حق مہر پر نکاح ہوا تھا۔

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب المناقب حدیث ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۲۸۶، طبرانی معجم الکبیر جلد ۲۳ حدیث ۵۷)

ہجرت اور رخصتی:

جب حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی آپ رضی اللہ عنہا اس وقت مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہن کے ہمراہ مقیم تھیں اور پھر جب حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخات قائم فرما دیا تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ مکہ مکرمہ جائیں اور میری بیٹیوں اور بیوی کو مدینہ منورہ لے آئیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لائے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو

مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں اور بیوی کو لے کر مدینہ منورہ آئیں اور ان کے ہمراہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور بیٹیوں کو لے کر مدینہ منورہ آئیں اور انہیں پانچ سو درہم اور دو اعلیٰ نسل کے اونٹ بھی دیئے۔ پھر جب یہ دونوں حضرات مکہ مکرمہ پہنچے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما علیحدہ ہو گئے اور حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اپنے اہل خانہ جن میں والدہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا، بہنیں حضرت اسماء اور حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے اہل خانہ جن میں ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں حضرت سیدہ ام کلثوم اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہن شامل تھیں اور اپنی زوجہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہ اور اپنے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۹۹)

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مدینہ منورہ میں قیام اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ بنو حارث کے محلہ میں ہوا جہاں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مقیم تھے۔ مدینہ منورہ آمد کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحت بگڑ گئی اور وہ شدید بیمار ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بیمار ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل تھے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کی دن رات خدمت کی جس کے باعث حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت سنبھل گئی۔ دن رات کی اس خدمت کے بعد آپ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں اور یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہا کے سر کے بال بھی جھڑ گئے۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کی صحت قدرے بہتر ہوئی تو حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اب اپنی امانت کو لے جائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں مہر ادا نہیں کر سکتا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو قرض دیا جس پر حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا مہر ادا کیا اور یوں آپ رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر حضور نبی کریم ﷺ کے گھر آ گئیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ آمد کے بعد ہمارا قیام بنو حارث کے محلہ میں ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ ایک روز ہمارے گھر تشریف لائے۔ جب آپ ﷺ آئے میں اس وقت جھولا جھول رہی تھی۔ میری والدہ نے مجھے جھولے سے اتارا اور راور میرا منہ ہاتھ دھو کر میرے بالوں میں کنگھا کر کے چوٹی کی۔ پھر مجھے لے کر اس کمرے میں داخل ہوئیں جہاں آپ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ دیگر انصار و مہاجرین بھی تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ انصار اور مہاجرین اس کمرے سے باہر چلے گئے پھر میری والدہ نے مجھ سے کہا یہ تمہارے اہل ہیں اور اللہ تمہیں ان کے لئے بابرکت کرے اور تمہیں ان سے برکت حاصل ہو اور پھر وہ بھی کمرے سے باہر چلی گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے اس کمرہ میں میرے ساتھ خلوتِ خاص فرمائی۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس وقت حضور نبی کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی ضیافت کے لئے دودھ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے وہ دودھ قدرے پینے کے بعد مجھے پینے کے لئے دیا تو میں شرما گئی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت یزید نے کہا کہ تم حضور نبی کریم ﷺ کا دیا ہوا نہ لوٹاؤ چنانچہ میں نے شرماتے ہوئے وہ دودھ پی لیا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ماہِ شوال میں ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے رخصتی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کو مسجد نبوی ﷺ سے ملحقہ حجرہ عطا فرمایا جہاں اب حضور نبی کریم ﷺ کا روضہ مبارک واقع ہے۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ سے ملحقہ صرف دو حجرے موجود تھے جن میں سے ایک حجرہ آپ رضی اللہ عنہا کا تھا اور دوسرا حجرہ ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور حضور نبی کریم ﷺ کی صاجزادیوں حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے مخصوص تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت عمر مبارک صرف نو برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت باقاعدہ کوئی رسم ادا نہ کی گئی اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور رخصتی دونوں ماہِ شوال میں ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بارے میں صحیح روایات یہی ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہجرت کے پہلے سال ماہِ شوال میں ہوئی۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۳)

واقعہ افک:

شعبان ۵ ھ میں واقعہ افک پیش آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ غزوہ بنی مصطلق کے لئے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد اس وقت آپ ﷺ کے ہمراہ تھی۔ اس سفر میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھیں۔

غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ سے کچھ دور رات کے وقت یہ قافلہ قیام پذیر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا رفع حاجت کے لئے قافلہ سے قدرے فاصلہ پر چلی گئیں۔

روایات میں آتا ہے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت اپنی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا ایک ہار تھا جو آپ رضی اللہ عنہا کے گلے میں تھا۔

دورانِ رفع حاجت وہ ہار وہیں کہیں گر گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس ہار کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران قافلہ نے روانگی کی تیاریاں شروع کر دیں اور ساربانوں نے آپ رضی اللہ عنہا کی ڈولی یہ سمجھ کر دوبارہ اونٹ پر رکھ دی کہ آپ رضی اللہ عنہا اس میں موجود ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہا اس ہار کو ڈھونڈنے کے بعد واپس پہنچیں تو قافلہ وہاں سے کوچ کر چکا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہا پریشان ہو گئیں اور اس دوران آپ رضی اللہ عنہا کو اپنے پردہ کا بھی ہوش نہ رہا۔ پھر وہاں سے حضرت صفوان بن معقل رضی اللہ عنہ جو قافلہ کے پیچھے تھے تاکہ اگر کسی کا کوئی سامان رہ جائے تو اسے اٹھا سکیں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھ لیا۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفوان بن معقل رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فوراً اپنی چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان بن معقل رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ آپ رضی اللہ عنہا کے قریب لا کر بٹھا دیا جس پر آپ رضی اللہ عنہا سوار ہو گئیں اور انہوں نے اونٹ کی مہار تھام لی۔ حضرت صفوان بن معقل رضی اللہ عنہ، آپ رضی اللہ عنہا کو لے کر لشکر اسلام سے آن ملے تو ساربانوں کو خبر ہوئی ڈولی میں آپ رضی اللہ عنہا موجود نہیں ہیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قافلے سے بچھڑ جانا معمولی واقع تھا مگر منافقین نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کر دیا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی منافق اور دیگر منافق کہنے لگ گئے کہ نعوذ باللہ آپ رضی اللہ عنہا اب پاکدامن نہیں رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ان کے الزامات سنے تو شدید بیمار ہو گئیں۔

حضور نبی کریم ﷺ بھی ان الزامات کی وجہ سے قدرے پریشان تھے جس کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ آپ رضی اللہ عنہا کی پہلے جیسی تیمارداری نہ کر سکے۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے والدین کے گھر آ گئیں جہاں ایک ماہ تک آپ رضی اللہ عنہا بستر پر بیمار پڑی

رہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ لوگوں کی باتیں سن رہے تھے مگر حضور نبی کریم ﷺ کو صرف اللہ عزوجل کے کلام کا انتظار تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک ماہ کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کا کلام سنا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینہ جاری ہو گیا اور آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر مبارک اٹھایا اور پھر اللہ عزوجل کا فرمان لوگوں کو سنایا جس میں اللہ عزوجل نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی گواہی دی اور تہمت لگانے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی۔

ترجمہ: ”جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی وہ تم میں سے ہی ایک گروہ ہے اس تہمت کو تم اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے اس میں ہر اس شخص کے لئے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور ان میں سے جو اپنے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔“

حضور نبی کریم ﷺ اس وقت ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

”اللہ عزوجل نے تمہاری پاک دامنی کی گواہی دی ہے اور تم پر تہمت لگانے والے عنقریب ذلیل وخوار ہوں گے میں صرف اللہ عزوجل کی گواہی کا انتظار کر رہا تھا۔“

(صحیح بخاری جلد دوم حدیث ۱۳۰۰، البدایہ والنہایہ جلد چہارم صفحہ ۱۳۲، تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۴، سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۲۰۱ تا ۲۰۵)

واقعہ تحریم:

حضور نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ بعد نمازِ عصر آپ ﷺ تھوڑی تھوڑی دیر اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ آپ ﷺ کے عدل کا عالم یہ تھا کسی زوجہ کی طرف زیادہ جھکاؤ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں چند روز معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے اس لئے اوقاتِ مقررہ پر دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو آپ ﷺ کی آمد کا انتظار رہا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے اور شہد چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو بے انتہاء مرغوب ہے اور وہ روزانہ آپ ﷺ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپ ﷺ اپنے اخلاق کی وجہ سے انکار نہیں فرماتے اس لئے معمول میں فرق آگیا ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ اور ام المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن سے اس کا ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نظافت پسند تھے اور ذرا سی بو بھی آپ ﷺ کو نہایت ناگوارِ خاطر ہوتی تھی۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نیند کی سی کرختگی ہوتی ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دونوں کو سمجھا دیا کہ حضور نبی کریم ﷺ جب تشریف لائیں تو یہ پوچھا جائے یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کے منہ سے یہ کیسی بو آتی ہے؟ جب آپ ﷺ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے تو کہیں شاید مغافیر کا شہد

ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ ﷺ کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور آپ ﷺ نے عہد کیا کہ اب کبھی شہد نہ کھاؤں گا۔ اگر یہ کوئی معمولی بات ہوتی تو اللہ عزوجل سورۃ تحریم کی آیات نازل نہ فرماتے جس میں اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ سے فرمایا۔

"اے پیغمبر! اللہ نے آپ (ﷺ) کے لئے جو حلال کیا ہے اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اس کو خود پر حرام نہ کریں اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور اس نے قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اللہ تمہارا مالک ہے اور علم و حکمت والا ہے۔"

اس واقعہ کے دوران ہی حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کوئی راز کی بات کہی جو انہوں نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کر دی چنانچہ اسی سورۃ میں ذیل کا فرمانِ الٰہی ہوا۔

"اور پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی جب اس نے دوسرے سے اس کو کہہ دیا اور اللہ نے پیغمبر پر اس واقعہ کو ظاہر کر دیا تو پیغمبر نے اس بیوی کو اس کا قصور کچھ بتایا اور کچھ نہیں بتایا اس نے کہا آپ سے کس نے یہ کہہ دیا پیغمبر نے جواب دیا مجھ کو اس باخبر دانا نے بتایا۔"

(صحیح بخاری جلد سوم کتاب الطلاق حدیث ۲۴۸)

واقعہ ایلائ:

واقعہ تحریم کے بعد ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ یہ ۹ ھ کا واقعہ ہے اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیر نگیں ہو چکے تھے۔ مالِ غنیمت، فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواج

مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے مقرر تھی ایک تو وہ خود کم تھی، پھر فیاضی اور کشادگی کے سبب سال بھر تک بہ مشکل کفایت کر سکتی تھی جس کی وجہ سے آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں روسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں جنہوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا پہلے شوہروں کے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں اس لئے انہوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپ ﷺ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔ یہ واقعہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سنا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنی صاحبزادی کو سمجھایا۔

"تم حضور نبی کریم ﷺ سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو تم کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو' اللہ کی قسم! حضور نبی کریم ﷺ میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ وہ تم کو طلاق دے دیتے۔"

پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ایک بی بی کے دروازے پر گئے اور ان کو نصیحت کی۔ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے اب آپ ﷺ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

پھر ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہم دونوں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ درمیان میں ہیں اور دائیں بائیں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بیٹھی اپنے اخراجات کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ یہ دونوں حضرات اپنی اپنی بیٹیوں کو مارنے پر آمادہ ہو گئے تو انہوں نے کہا ہم آئندہ حضور نبی کریم ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے اس مطالبہ پر قائم رہیں اور انہی دنوں میں حضور نبی کریم ﷺ گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانہ میں قیام کیا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ کے اس عہد پر منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے جب آپ ﷺ کے متعلق سنا تو وہ سب جمع ہو گئیں اور رونا شروع کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی مسجد نبوی ﷺ میں جمع ہو گئی۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بالاخانے میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی ہے؟''

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

''نہیں یہ جھوٹ ہے۔''

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر اس کی منادی کرادی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان سن کر والہانہ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں دنوں کی گنتی کرتی رہی یہاں تک کہ حضور نبی کریم ﷺ انتیس دن بعد بالا خانے سے نیچے آئے اور میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۳۹۹ تا ۴۰۱)

واقعہ تخییر:

واقعہ ایلاء کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دن ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

''تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو کیونکہ اللہ عزوجل نے مجھ پر سورۃ الاحزاب کی آیات نازل فرمائی ہیں جن میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

''اے پیغمبر (ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی ہوس ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی کے جوڑے دے کر رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور رسول (ﷺ) اور آخرت پسند ہے تو اللہ عزوجل نے تم سے نیک عورتوں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔''

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب اللہ عزوجل کا فرمان سنا تو عرض کیا۔

''یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔''

حضور نبی کریم ﷺ نے جب ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جواب سنا تو چہرہ مبارک پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں جب حضور نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنی بیبیوں کو اختیار دیں کہ وہ دنیا چاہیں تو دنیا لے لیں

اور آخرت چاہیں تو آخرت لے لیں تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مجھ سے فرمایا۔

"تمہیں ایک بات کہتا ہوں اور تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا اور جب تک اپنے ماں باپ سے مشورہ نہ کرلو۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ میرے والدین کبھی بھی آپ ﷺ کو چھوڑنے کا مشورہ نہ دیں گے اور پھر آپ ﷺ نے مجھے اللہ عزوجل کا پیغام سنایا۔

"اے پیغمبر (ﷺ)! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی ہوس ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی کے جوڑے دے کر رخصت کر دوں اور اگر اللہ اور رسول (ﷺ) اور آخرت پسند ہے تو اللہ عزوجل نے تم سے نیک عورتوں کے لئے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا اس میں ایسی کون سی بات ہے جس کا مشورہ میں اپنے والدین سے کروں اور میں چاہتی ہوں اللہ عزوجل کو، اللہ عزوجل کے حبیب ﷺ کو اور آخرت کے گھر کو اور پھر تمام بیبیوں نے ایسا ہی جواب دیا۔

(صحیح مسلم جلد چہارم کتاب الطلاق صفحہ ۹۵ تا ۹۶)

فقر و قناعت:

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سامان انتہائی مختصر تھا اور ایک چارپائی، ایک چٹائی، ایک تکیہ، آٹا اور کھجور رکھنے کے برتن، پانی کا ایک برتن اور پانی پینے کے لئے ایک پیالہ تھا۔ رات کو چراغ جلانے کی بھی حیثیت نہ تھی اور آپ رضی اللہ عنہا

فرماتی تھیں کہ چالیس راتیں گزر جاتی ہیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا۔

(الترغیب والترہیب جلد چہارم صفحہ ۱۹۳)

علمی مقام ومرتبہ:

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی مقام بے حد بلند ہے کیونکہ ہر بات کے بارے میں انہیں حضور نبی کریم ﷺ کا طرزِ عمل معلوم تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن وحدیث، فقہ و تاریخ اور علم الانساب میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا جبکہ احنف بن قیس اور موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہم نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

(معجم الکبیر جلد ۲۳ حدیث ۲۹۹، مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۳۱۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بلیغ، فصیح اور تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔

کتب سیر میں متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دینی علوم کے علاوہ طب، تاریخ اور شعر و ادب پر بھی دسترس حاصل تھی۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ اور فیضیافتگان کی تعداد دو سو کے قریب ہے جن میں کئی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ہیں جن میں سے چند ایک کے نام ذیل ہیں۔

"حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت

عبداللہ بن زبیر، حضرت بریرہ، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت قاسم
بن محمد بن ابی بکر، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن، حضرت مسروق
بن اجدع، حضرت معاذہ بنت عبداللہ، حضرت صفیہ بنت شیبہ،
حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن، حضرت عائشہ بنت طلحہ اور حضرت
امام نخعی رضی اللہ عنہم۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا احادیث بھی بیان کرتی تھیں اور احادیث بیان کرتے وقت اس کے پس منظر اور اسباب وعلل بھی بیان کرتی تھیں اور جو توجیہہ آپ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں اس کے لئے کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی اور آپ رضی اللہ عنہا ہمیشہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کی حقیقی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتی تھیں۔

وصال:

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا آخری زمانہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی اس وقت عمر مبارک ۶۷ برس تھی۔ ۵۸ھ میں رمضان المبارک کے مہینہ میں بیمار ہوئیں اور چند دنوں تک علیل رہیں۔ دورانِ بیماری اگر کوئی آپ رضی اللہ عنہا کی خیریت دریافت کرتا تو آپ رضی اللہ عنہا فرماتیں۔

"کاش! میں پتھر ہوتی یا پھر کسی جنگل کی جڑی بوٹی ہوتی۔"

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دورانِ بیماری حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تامل کا اظہار کیا۔ بھانجوں نے سفارش کی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ

بن عباس رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر کہا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا نام ازل سے ام المومنین تھا اور آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں، رفقاء سے ملنے میں اب آپ رضی اللہ عنہا کو اتنا ہی وقفہ باقی ہے کہ روح بدن سے پرواز کر جائے۔ اللہ عزوجل نے آپ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعہ تیمم کی اجازت فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی شان میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں جو اب روز و شب پڑھی جاتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

"اے ابن عباس رضی اللہ عنہما! مجھے اس تعریف سے معاف رکھو مجھے یہ پسند ہے کہ میں معدوم محض ہوتی۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ کو اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کی خبر مدینہ منورہ میں آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق آپ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے باہر جمع ہونا شروع ہو گئے۔

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں لوگوں کا جم غفیر تھا اور حد نگاہ لوگ ہی لوگ نظر آتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جو ان دنوں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بھانجوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو قبر مبارک میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں واقع ہے اور مرجع گاہ خلائق خاص و عام ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کی خبر ملی تو انہوں نے فرمایا۔

"بے شک عائشہ (رضی اللہ عنہا)، حضور نبی کریم ﷺ کی پیاری بیوی تھیں اور حضور نبی کریم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی۔

آپ رضی اللہ عنہا بلاشبہ جنت میں اعلیٰ مقامات کی حقدار ہیں۔"

"(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۸ طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۸۱ تا ۸۲ ۲۔البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۹۳)

ام المومنین حضرت سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام "حفصہ" ہے اور آپ رضی اللہ عنہا خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۸)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری یہ ہے۔

"سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔"

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری نویں پشت پر حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب سے جاملتا ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مادری یہ ہے۔

"سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون بن حبیب بن وھب بن خذافہ بن جمع۔" (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۴)

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون تھیں جو صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن تھیں اور انہی کے بطن سے آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی تولد ہوئے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۸)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعث نبوی ﷺ سے پانچ برس قبل تولد ہوئیں اور اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ جب آپ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ اور گھر کے دیگر افراد کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۴)

پہلا نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت کی اور پھر ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ قبل واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئیں اور پھر جب مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا حکم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ہمراہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔

۲ھ میں غزوۂ بدر میں حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو گئے اور انہی زخموں سے ان کا وصال ہوگیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۸)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

روایات میں آتا ہے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ حضور نبی کریم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا

تمہاری صاحبزادی کے لئے ایک بہتر رشتہ ہے اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ایک بہتر رشتہ ہے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے فرمایا۔

"جب تم نے مجھ سے ان کے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو میں خاموش رہا اس لئے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے ان کا ذکر کیا تھا اور میں حضور نبی کریم ﷺ کا راز تم پر کبھی فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

(صحیح بخاری جلد سوم کتاب النکاح حدیث ۱۱۰۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۸ تا ۵۴۹)

عبادت وریاضت:

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا عبادت وریاضت میں بھی بے مثل تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا اکثر و بیشتر روزہ رکھا کرتی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا فرض نمازوں کے علاوہ نفل نمازیں بھی بکثرت پڑھا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا دن کو روزہ رکھتی تھیں اور رات کو عبادتِ خداوندی میں مشغول رہتی تھیں اور عبادت وریاضت سے آپ رضی اللہ عنہا کے شغف کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا جب وصال ہوا آپ رضی اللہ عنہا اس وقت روزہ سے تھیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۲۷۳، طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۶)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ۴۵ھ میں تریسٹھ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا بوقت وصال روزہ سے تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بوقت وصال اپنے بھائی حضرت عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہما کو وصیت کی کہ میرا تمام ترکہ فروخت کر کے اس کی رقم صدقہ کر دینا۔

ام المومنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے صاحبزادوں حضرت عاصم، حضرت سالم، حضرت عبداللہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم نے قبر مبارک میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک جنت البقیع میں مرجع گاہ خلائق خاص و عام ہے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۲۷۳، الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۲۷۰، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹)

اُم المومنین حضرت سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق قریش کی شاخ بنی مخزوم سے تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کا نام "ہند" ہے جبکہ کنیت "ام سلمہ" ہے اور آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت سے ہی شہرت دوام پائی۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۰)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ پدری یہ ہے۔

"سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت ابو میہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن یقظ بن کعب۔"

کچھ مورخین نے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام خذیفہ بیان کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب کعب پر حضور نبی کریم ﷺ کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ۔"

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۷)

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا شمار مکہ مکرمہ کے صاحب ثروت لوگوں میں ہوتا تھا اور ان کی فیاضی کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ بے شمار غرباء ان کے دسترخوان سے کھانا کھاتے تھے اور وہ جب بھی سفر پر جاتے تو اپنے ساتھ جانے والے لوگوں کے قیام وطعام کا تمام خرچہ خود اٹھاتے تھے اور اسی وجہ سے وہ ''زاد الراکب'' یعنی سواروں کا زادِ راہ کے لقب سے مشہور تھے اور جو بھی ان کے ساتھ سفر کرتا وہ سفری اخراجات سے بے نیاز ہو جاتا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۴۵۸)

پہلا نکاح اور قبولِ اسلام:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب جوان ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد بن ہلال سے ہوا اور وہ تاریخ میں اپنی کنیت ''ابوسلمہ'' سے مشہور ہوئے۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۴۵۸)

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے چار بچے سلمہ، عمر، رقیہ اور زینب رضی اللہ عنہم تولد ہوئے۔ (زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۳۹۷)

حضور نبی کریم ﷺ نے جب اعلانِ نبوت کیا تو ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی دعوتِ توحید پر لبیک کہا اور دین اسلام قبول کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۶)

حبشہ کی جانب ہجرت:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنومخزوم کا شمار چونکہ مکہ مکرمہ کے نامور قبیلوں میں ہوتا تھا لہٰذا ان دونوں کے اسلام قبول کرنے پر ان کے قبیلہ میں سخت ردعمل دیکھنے میں آیا اور ان پر ظلم وستم

کے پہاڑ توڑ دیئے گئے۔

جب مشرکین کے مظالم میں اضافہ ہوگیا تو حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور اس گروہ میں ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ جب ہم حبشہ کی جانب ہجرت کر کے گئے تو وہاں ہمارے ساتھ نہایت ہی عمدہ سلوک روا رکھا گیا اور ہم اپنی عبادت میں مکمل آزاد تھے اور جب مشرکین مکہ کو علم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں نہایت آرام اور سکون سے رہ رہے ہیں اور اپنی عبادت میں مکمل آزاد ہیں تو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اپنا ایک وفد بھیجا اور اس وفد نے نجاشی کی خدمت میں تحائف بھی پیش کئے اور اپنا موقف بیان کیا مگر نجاشی ایک سمجھدار انسان تھا اور وہ معاملہ کی نزاکت کو جانتا تھا چنانچہ اس نے ہمیں مشرکین مکہ کے اس وفد کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۳۹۶)

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت:

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ عرصہ حبشہ میں مقیم رہیں اور پھر یہ دونوں واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے مگر یہاں پر انہیں ایک مرتبہ پھر اپنے قبیلہ والوں اور مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا مگر یہ ظلم وستم بھی ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے مہاجرین میں سے چند لوگ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور اس دوران مکہ مکرمہ میں کئی لوگ مسلمان ہو چکے تھے جبکہ یثرب (مدینہ منورہ کا پرانا نام) کے بھی کئی لوگ

مسلمان ہو چکے تھے۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کر دی اور وہ مدینہ منورہ سے آنے والے مسلمانوں کو بھی تنگ کرنے لگے۔ اس دوران مدینہ منورہ کے ستر نقیب جو سردار تھے انہوں نے حج کے ایام میں حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی جسے بیعت عقبہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ جو بھی مدینہ منورہ آئے گا ہم اس کی بھرپور حمایت کریں گے اور اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر اللہ عزوجل کا حکم بھی آن پہنچا اور اس دوران قریش کے ظلم وستم میں بھی بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ۱۳ نبوی کو حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا اور یہ گروہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہونے لگی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا تو انہوں نے سفر کے لئے اونٹ تیار کیا اور مجھے اس پر بٹھایا اور میری گود میں ہمارے بیٹے سلمہ (رضی اللہ عنہ) کو بھی بٹھایا اور پھر ہم نے سفر کا آغاز کیا۔ پھر میرے قبیلہ والوں نے ہمیں دیکھا تو انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا اور میرے شوہر سے کہنے لگے۔

"ابوسلمہ (رضی اللہ عنہ)! یہ تمہاری جانب سے زیادتی ہے اور تمہارے ساتھ ہماری بیٹی ہے اور یہ دور دراز کا سفر کیسے طے کرے گی اور ہم تمہیں ہرگز جانے نہ دیں گے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں کو اس

کی خبر ہوئی اور انہیں اس پر سخت غصہ آیا اور وہ کہنے لگے کہ انہوں نے ہمارے بیٹے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی واپس لی ہے ہم بھی ان کے پاس اپنا بیٹا ہرگز نہ رہنے دیں گے اور پھر وہ آئے اور آ کر مجھ سے سلمہ (رضی اللہ عنہ) کو لے گئے۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس واقعہ نے میرے اور میرے شوہر کے مابین جدائی حائل کر دی تھی اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اس دوران اکیلے ہی مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ میں روزانہ اپنے قبیلے سے باہر نکلتی اور ایک ٹیلے پر بیٹھ جاتی اور شام تک وہاں بیٹھی روتی رہتی اور اپنے شوہر اور بیٹے کی جدائی میں آنسو بہاتی تھی۔ پھر ایک دن میرے ایک چچازاد نے جب میرا یہ حال دیکھا تو اس نے قبیلہ والوں سے کہا کہ تم نے بڑا ظلم کیا اور اسے اس کے شوہر اور بچے سے جدا کر دیا چنانچہ میرے قبیلہ والوں نے مجھے مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی اور اس دوران حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ والوں نے میرا بیٹا بھی مجھے واپس لوٹا دیا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھے میرا بیٹا مل گیا تو میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور ارادہ کیا کہ میں اکیلی ہی مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوں گی اور میرے قبیلہ والوں کو میرے اس ارادے کی خبر تھی مگر ان میں سے کوئی بھی میرے ساتھ جانے کو تیار نہ ہوا۔ پھر جب میں مکہ مکرمہ سے نکلی تو راستہ میں مقام تنعیم پر مجھے بنی عبدالدار کا ایک شخص عثمان (رضی اللہ عنہ) بن طلحہ ملا۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"اے بنت ابی امیہ! آپ کہاں جاتی ہیں؟"

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اسے بتایا کہ میں مدینہ منورہ جارہی ہوں اور میرے شوہر مدینہ منورہ میں ہیں۔ اس نے پوچھا آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کون ہے؟ میں نے بتایا میں اکیلی ہوں اور میرا کمسن بیٹا میرے ساتھ ہے۔

اس نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کہنے لگا۔

"ہماری مردانگی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ایک عورت تنہا سفر کرے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر وہ ہمارے آگے چلنے لگا اور جب ہم کسی منزل پر پہنچتے تو وہ اونٹ کو بٹھا کر خود دور چلا جاتا اور جب میں اونٹ سے اتر جاتی تو وہ آگے بڑھ کر اونٹ سے کجاوا اتار دیتا اور اونٹ کو کسی درخت کے نیچے باندھ کر خود اس درخت کے نیچے لیٹ جاتا۔ پھر جب ہم دوبارہ سفر کا ارادہ کرتے تو وہ اونٹ پر کجاوا رکھتا اور مجھے سوار ہونے کا کہہ کر وہاں سے ہٹ جاتا یہاں تک کہ جب میں سوار ہو جاتی تو وہ آتا اور اونٹ کو کھڑا کرتا اور آگے بڑھا دیتا یہاں تک کہ ہم منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ میں ہم قبیلہ عمرو بن عوف میں پہنچے تو اس نے مجھ سے کہا آپ رضی اللہ عنہا کا شوہر اسی قبیلے میں مقیم ہے اور پھر وہ مجھے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے خود مکہ مکرمہ واپس لوٹ گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عثمان (رضی اللہ عنہ) بن طلحہ سے زیادہ کسی کو شریف نہیں پایا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جنہیں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جب ہجرت کر

کے قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال دریافت کرتے تھے اور جب وہ پوچھتے کہ آپ رضی اللہ عنہا کس کی صاحبزادی ہیں تو آپ رضی اللہ عنہا اپنے والد کا نام بتاتی تھیں مگر لوگ یقین نہ کرتے تھے ایک رئیس کی صاحبزادی یوں سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے اور ساتھ ہی آپ رضی اللہ عنہا کے پاس سامانِ سفر نہ تھا اس لئے یہ اندازہ کرنا ان کے لئے بے حد مشکل تھا پھر جب حج کے ایام میں آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کے نام رقعہ بھجوایا تو لوگوں کو یقین ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو مخزوم سے ہے۔

(فتح الباری جلد ہفتم صفحہ ۲۸۸. طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۱۲۸. اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۵۸۸. زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۲۹۷. مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۰۷)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ۲ھ میں اولین معرکہ حق و باطل میں شرکت کی اور بہادری کے جوہر دکھا کر داد وصول کی اور پھر ۳ھ میں غزوۂ احد میں بھی شمولیت اختیار کی اور انتہائی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ اس معرکہ میں آپ رضی اللہ عنہ کو زہر میں بجھا ہوا ایک تیر لگا جس کے زخم کا بظاہر تو علاج ہو گیا مگر زہر اندر ہی اندر اثر دکھاتا رہا۔ اسی دوران حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت کی بناء پر ۱۵۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہ کو طلحہ اور اسد بن خویلد کی سرکوبی کے لئے بھیجا جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے ابھار رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بہادری اور بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کا قلع قمع کیا اور اس معرکہ میں بے شمار مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے حصہ میں آیا۔ پھر اس معرکہ کے کچھ دنوں بعد آپ رضی اللہ عنہ کا زخم پھر تازہ ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۴ھ میں وصال فرما گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال بارگاہ خداوندی میں دعا کی۔

"اے اللہ! میرے اہل وعیال کی عمدہ نگہداشت فرمانا۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ جب مرضِ وصال میں مبتلا ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے اور جب حضور نبی کریم ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی روح قضائے الٰہی سے پرواز کرگئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا۔

"انسانی روح اس وقت نکالی جاتی ہے جب اس کی دونوں آنکھیں اسے دیکھنے کے لئے کھلی رہ جاتی ہیں۔"

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضور نبی کریم ﷺ نے پڑھائی اور اس میں زائد تکبیریں کہیں۔ نمازِ جنازہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ نے خود زائد تکبیریں کہیں یا سہواً ایسا ہوا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ سہواً نہیں بلکہ یہ تو ہزاروں تکبیروں کے مستحق تھے۔

(زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۳۹۸، صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۳۰۱، طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۸، مسند امام احمد جلد چہارم صفحہ ۲۷)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس سے واپس لوٹے اور آپ رضی اللہ عنہ اس دن بہت خوش تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مصیبت میں مبتلا ہو وہ یہ دعا مانگے۔

"اے اللہ! میری مصیبت میں میرا اجر لکھ دے اور اس سے بہتر میرے لئے اس کا قائم مقام بنا دے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو میں نے اس دعا کو پڑھنا اپنا معمول بنالیا اور جب میں یہ دعا مانگتی تو میرے دل میں یہ خیال بھی آتا کہ ابوسلمہ (رضی اللہ عنہ) سے بہتر کون ہوگا کہ وہ تو صحابی رضی اللہ عنہ تھے مگر چونکہ اس دعا کی تعلیم حضور نبی کریم ﷺ نے دی تھی لہٰذا میں اسے باقاعدگی کے ساتھ پڑھتی رہی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں فوت ہو جائے اور وہ عورت شادی نہ کرے تو اللہ عزوجل اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اگر ایسے ہی کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے اور وہ شادی نہ کرے تو اللہ عزوجل اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا آؤ پھر ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرے گا وہ دوسری شادی نہیں کرے گا۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا تم ایسا عہد نہ کرو اور اگر میں پہلے مرجاؤں تو تم دوسری شادی کر لینا اور پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے یوں دعا مانگی۔

"اے اللہ! اگر میں مرجاؤں تو ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کو مجھ سے بہتر شخص عطا فرمانا۔"

جب حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اس وقت ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور جب بچہ کی ولادت ہوگئی تو آپ رضی اللہ عنہا کی عدت بھی ختم ہوگئی۔ پھر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام بھیجا جسے آپ رضی اللہ عنہا نے رد کر دیا۔ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو کہ رشتہ میں آپ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے انہوں نے نکاح کا پیغام بھیجا مگر آپ رضی اللہ عنہا نے اس رشتہ سے بھی انکار کر دیا یہاں تک کہ حضور

نبی کریم ﷺ نے نکاح کا پیغام بھجوایا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کے پیغام پر مرحبا کہا اور آپ رضی اللہ عنہا نے اس پیغام کو قبول کر لیا کیونکہ یہ ایک بہت بڑی سعادت تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے مرتبہ پر فائز ہو رہی تھیں۔

روایات میں آتا ہے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کے پیغام کو قبول کر لیا مگر تین عذر پیش کئے۔

۱۔ میں بہت زیادہ غیرت کھانے والی ہوں اور اگر مجھ میں کوئی ایسی چیز آپ ﷺ کو دکھائی دی جس سے آپ ﷺ غصہ میں آئیں تو پھر میرا انجام بخیر نہ ہوگا۔

۲۔ میں بچوں والی ہوں اور میرے بچوں کی پرورش میرے ذمہ ہے۔

۳۔ میرا کوئی وارث نہیں جو میرے نکاح کا اہتمام کرے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے نکاح کا پیغام لے کر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ آئے تھے انہوں نے یہ تینوں عذر حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچا دیئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب یہ تینوں عذر سنے تو خود ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔

> ”تم نے جس غیرت کا ذکر کیا تو میں بارگاہِ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تم سے دور ہو اور تم نے بچوں کا ذکر کیا تو ان کے لئے اللہ عزوجل ہی کافی ہے اور تم نے کہا کہ تمہارا کوئی وارث نہیں تو ایسی کوئی بات نہیں اور تمہارا موجود وارث ہو یا پھر غائب وارث کوئی بھی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا شوال ۴ ھ کو حضور نبی کریم ﷺ سے

نکاح کے بعد حرمِ نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں۔

روایت میں ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بیٹے سلمہ رضی اللہ عنہ نے ولی کے فرائض انجام دیئے اور اس حدیث کے راوی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حق مہر کے متعلق فرمایا کہ میں نے جو کچھ فلاں بیوی کو دیا وہ تمہیں بھی دوں گا چنانچہ میں نے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے سے پوچھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے کیا دیا تھا تو انہوں نے کہا دو مٹکے تھے جن سے وہ اپنی ضروریات پوری کرتی تھیں اور ایک چکی اور ایک چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۰ تا ۵۵۱. مسند امام احمد جلد چہارم صفحہ ۲۷ تا ۲۸. طبرانی معجم الکبیر جلد ۲۳ حدیث ۵۱۸. مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۳۴۸. طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۸۹ تا ۲۹۰)

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نکاح کے بعد گھر میں داخل ہوئے تو ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرم کی وجہ سے اپنی چھوٹی بیٹی زینب کو گود میں لے لیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے چھوٹی بچی کو دیکھا تو واپس تشریف لے گئے اور پھر جب دوبارہ آئے تو اس وقت بھی زینب. آپ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھیں چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ پھر واپس تشریف لے گئے اور پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے زینب کو گود میں لیا اور کہا اسے مجھے دے دیں اس کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ گھر کے باہر کھڑے ہیں۔ جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ، زینب کو لے گئے تو حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور زینب کے متعلق پوچھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اسے عمار رضی اللہ عنہ لے گئے۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں رات کو آؤں گا اور جب حضور نبی کریم ﷺ رات کو تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہا نے گیہوں اور چربی سے حریرہ تیار کیا اور حضور نبی کریم

ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور حضور نبی کریم ﷺ صبح تک وہیں مقیم رہے۔

(مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۲۹۵)

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تین دن قیام کیا اور پھر فرمایا کہ اگر تم کہو تو میں مزید چار دن یہاں رک جاؤں تاکہ سات دن پورے ہوں اور پھر سات دن میں دوسری ازواج کے پاس رہوں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں تین دن ہی ٹھیک ہیں اور میں اس سے زیادہ جدائی برداشت نہ کر پاؤں گی۔ (صحیح مسلم جلد چہارم صفحہ ۷۶ تا ۷۷)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی رہائی کی شرط:

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر رہا کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ تادم زندگی حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں رہیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر یہ شرط عائد نہ بھی ہوتی تو میں پھر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتا اور آپ رضی اللہ عنہ نے دس برس تک حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کی۔ (شواہد النبوۃ صفحہ ۳۵۷ تا ۳۵۸)

علمی مقام و مرتبہ:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا علم حدیث سے بے حد شغف رکھتی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا جو بھی بات حضور نبی کریم ﷺ سے سنتی تھیں اسے یاد رکھتی تھیں اور جس بات کی سمجھ نہ آتی اسے حضور نبی کریم ﷺ سے سمجھتی تھیں۔ علم حدیث سے آپ رضی اللہ عنہا کے شغف کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے زیادہ احادیث آپ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں جنہیں

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن احادیث کا خزانہ تھیں مگر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

مروان بن الحکم کہا کرتا تھا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہوتے ہوئے ہم کسی اور سے کوئی مسئلہ کیوں دریافت کریں جبکہ ہمارے درمیان علم وفضل کا خزانہ موجود ہے اور ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ میں حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت تھی جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہا سے علم احادیث اور فتاویٰ کا درس لیا۔

(مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۱۷، اعلام الموقعین جلد اول صفحہ ۱۳، طبقات ابن سعد صفحہ ۶۶)

عبادت وریاضت:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا عبادت وریاضت میں بھی بے مثل تھیں اور فرائض وواجبات کے علاوہ سنن ونوافل بھی بکثرت ادا کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اکثر و بیشتر روزہ رکھتی تھیں اور ایک روایت کے مطابق ہر پیر، جمعرات اور جمعہ کو روزہ ضرور رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا ظاہری شریعت کی بھی پابند تھیں اور کوئی بھی کام خلاف شریعت نہ کرتی تھیں اور نہ کسی کو کرنے دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہا کو پتہ چلا کہ کچھ لوگ نمازِ عصر میں جلدی کرتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا اور کہا حضور نبی کریم ﷺ نمازِ عصر کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے تھے جبکہ تم جلدی پڑھتے ہو۔

(مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۲۸۹)

اولاد:

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا میرے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بچے ہیں اور میں ان پر خرچ کرتی ہوں اور انہیں چھوڑ نہیں سکتی کیا مجھے اس پر اجر ملے گا؟ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ان پر جو خرچ کرو گی تمہیں اس کا اجر ملے گا۔ (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۸۰۸)

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تمام اولاد حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے تھی اور حضور نبی کریم ﷺ سے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی اولادِ پاک کا تعارف ذیل ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بیٹے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے نام پر آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت ہے۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ حبشہ میں پیدا ہوئے اور دین اسلام کی دولت سے سرفراز تھے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور یہ شادی حضور نبی کریم ﷺ نے خود کروائی تھی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے بیٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ بھی حبشہ میں ہی پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دورِ خلافت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں فارس اور بحرین کے گورنر بنے اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں ۸۳ میں مدینہ منورہ میں ان کا وصال ہوا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ عنہا ہیں اور سیرت اور عادات واطوار میں اپنی والدہ کا پرتو تھیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی چھوٹی صاحبزادی حضرت زینب

رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کا نام پیدائش کے وقت "برہ" رکھا گیا مگر حضور نبی کریم ﷺ نے بدل کر نام "زینب" رکھا۔

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا وصال تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بعد سب سے آخر میں ہوا اور بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہا کی عمر ۸۴ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور قبر میں بیٹوں نے اتارا اور آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں مدفون کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کے سن وصال میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا سن وصال ۶۰ھ ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا سن وصال ۶۳ھ ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۲)

اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا لقب "ام المساکین" ہے اور آپ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام خزیمہ جبکہ والدہ کا نام ہند ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا شجرہ نسب پدری ذیل ہے۔

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن الحارث بن عبداللہ بن عمر بن عبد المناف بن بلال بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن حصفہ بن خنیس بن عیلان۔"

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا تعلق بنو عامر کی ایک شاخ

قبیلہ بنوہلال سے تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب معد بن عدنان پر حضور نبی کریم ﷺ سے جاملتا ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا سلسلہ نسب مادری یہ ہے۔

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت ہند بنت عوف بن الحارث بن حماطہ الحمیر"

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اپنی والدہ ہند بنت عوف کی جانب سے ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹، الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۱۲، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۶)

لقب کی وجہ تسمیہ:

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بہت زیادہ دریادل، غرباء کا خیال رکھنے والی سخی اور مساکین کی خبر گیری کرنے والی خاتون تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت سے ان اوصاف سے متصف تھیں اور بھوکوں کو کھانا کھلانا آپ رضی اللہ عنہا کا شغل تھا یہی وجہ ہے آپ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت سے ہی "ام المساکین" کے لقب سے مشہور ہوئیں یعنی مساکین کی ماں۔

(طبرانی معجم الکبیر جلد ۲۴ حدیث ۱۴۸، مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۳۵۷)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اعلانِ نبوت سے چودہ برس قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے جد چونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اسی لئے آپ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کو مکہ مکرمہ میں نہایت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

پہلا نکاح:

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا پہلا نکاح حضور نبی کریم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش سے ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے غزوۂ احد میں شمولیت اختیار کی اور بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگی۔

"اے اللہ! میرا مقابلہ کسی ایسے بہادر سے کرنا جس سے مقابلہ کرتے ہوئے میں تیری راہ میں جامِ شہادت نوش فرماؤں اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے تاکہ جب میں تجھ سے ملوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ (رضی اللہ عنہ)! تیرے ہونٹ، ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں اے اللہ! یہ تیرے اور تیرے رسول اللہ ﷺ کے لئے کٹے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کی دعا قبول ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ کو غیب سے شہادت کی بشارت دی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا۔

"اللہ عزوجل کی قسم! میں اس وقت تک دشمن کا مقابلہ کروں گا جب تک کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش نہ مثل دیں۔"

پھر جب غزوۂ احد میں جنگ کا بازار گرم ہوا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے بہادری کے جوہر دکھانے شروع کئے اور لڑتے لڑتے آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک شاخ دی اور فرمایا

تم اس سے لڑو۔ راوی کہتے ہیں اس شاخ نے تلوار کا کام دیا اور آپ رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ دیئے گئے اور پھر انہیں دھاگہ میں پرو دیا گیا یوں آپ رضی اللہ عنہ کی شہید ہونے کی آرزو پوری ہوئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ، حضور نبی کریم ﷺ کے عقد میں آنے سے قبل اپنے چچا حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔

ابن قلبی کا قول ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا تھا اور طفیل بن حارث نے آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے بھائی حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث سے ہوا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث نے غزوۂ بدر میں حصہ لیا اور شدید زخمی ہوئے مگر زخموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کفار کا دلیری سے مقابلہ کیا اور جب زخم گہرے ہو گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہیں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث نے اپنا سر حضور نبی کریم ﷺ کی ران پر رکھا اور پھر جب معرکہ بدر ختم ہوا تو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹۔ الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۱۲۔ زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۴۱۶۔ اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۱۳۱)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ اپنے شوہر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کی شہادت کے بعد دس ماہ تک بیوہ رہیں اور پھر حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کی جانب نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواباً عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ!

آپ ﷺ میرے معاملے میں خود مختار ہیں چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک ۳ھ میں آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی مقرر کیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹ تا ۵۵۰)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ قریباً آٹھ ماہ تک حضور نبی کریم ﷺ کے حرم میں رہیں اور عین جوانی میں ۴ھ میں اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ انتہائی مختصر تھا یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کے حالات و واقعات کے بارے میں کتب سیر میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ کی بوقت وصال عمر قریباً ۳۰ برس تھی جبکہ ایک روایت کے مطابق ۳۲ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضور نبی کریم ﷺ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسری اور آخری زوجہ ہیں جنہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی ظاہری زندگی میں وصال فرمایا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۹ تا ۵۵۰، الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۱۴)

اُم المومنین حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا نام "برہ" تھا اور کنیت ام الحکم تھی اور تعلق قریش کی شاخ بنی اسد بن خزیمہ سے تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام بدل کر "زینب" رکھا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۱)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے۔

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش بن رأب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔"

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا سلسلہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت امیمہ بن جناب عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔"

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی والدہ امیمہ بنت جناب عبدالمطلب رشتہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی ہیں اور جنابِ عبدالمطلب کی زوجہ فاطمہ بنت عمرو بن مخزومی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۱۔ الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۱۴)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اعلان نبوت کے سترہ برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش انتہائی ناز و نعم میں ہوئی کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کا خاندان دولت و ثروت کے اعتبار سے قریش میں ممتاز تھا اور آپ رضی اللہ عنہا بھی اکثر کہا کرتی تھیں کہ میں عبد شمس کی اولاد کی سردار ہوں۔

قبولِ اسلام:

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نے ابتداء میں ہی حضور نبی کریم ﷺ کی دعوتِ توحید پر لبیک کہا اور مسلمان ہوگئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول

کرنے کے متعلق منقول ہے آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش خاندان کے پہلے فرد تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد خاندان کے دیگر افراد نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کیا اور ان افراد میں آپ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳)

ہجرت مدینہ:

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے مہاجرین میں سے چند لوگ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور اس دوران مکہ مکرمہ میں کئی لوگ مسلمان ہو چکے تھے جبکہ یثرب (مدینہ منورہ کا پرانا نام) کے بھی کئی لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کر دی اور وہ مدینہ منورہ سے آنے والے مسلمانوں کو بھی تنگ کرنے لگے۔ اس دوران مدینہ منورہ کے ستر نقیب جو سردار تھے انہوں نے حج کے ایام میں حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی جسے بیعت عقبہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ جو بھی مدینہ منورہ آئے گا ہم اس کی بھرپور حمایت کریں گے اور اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ پھر اللہ عزوجل کا حکم بھی آن پہنچا اور اس دوران قریش کے ظلم وستم میں بھی بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ۱۳ نبوی کو حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا اور یہ گروہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہونے لگی۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نے ہجرت کا حکم سن کر اپنے خاندان کے دیگر افراد جن میں مرد وخواتین بھی شامل تھیں اپنے بھائی حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کی سربراہی میں مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہا اپنے خاندان کے افراد کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو بعد میں ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے آپ رضی اللہ عنہا کے گھروں پر قبضہ کرلیا جس کی شکایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے حضور نبی کریم ﷺ سے کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ عزوجل اس کے بدلے تم سب کو جنت میں گھر عطا فرمائے گا۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۴۹)

پہلا نکاح:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ قریباً سات برس کی عمر میں اپنے والدین سے بچھڑ گئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کو غلام بنا لیا گیا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں فروخت کردیا گیا اور ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام نے آپ رضی اللہ عنہ کو چار سو درہم میں خریدا اور اپنی پھوپھی ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ سے ہوا تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے آئیں اور حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد جو کہ شاعر تھے اور بنی کلب کے امراء میں شمار ہوتے تھے وہ اپنے بھائی کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں مکہ مکرمہ پہنچے اور انہیں علم ہوا کہ ان کا بیٹا حضور نبی کریم ﷺ کے پاس ہے۔ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے فرزند! تم اپنی قوم کے سردار ہو اور تم قیدیوں کو قید سے آزاد کرواتے ہو اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہو میں تمہارے پاس اپنے بیٹے کو واپس لینے آیا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں

زید (رضی اللہ عنہ) کو بلاتا ہوں اور اسے اختیار ہے کہ وہ اگر آپ کے ساتھ جانا چاہے تو چلا جائے اور اگر اس نے آپ کو اختیار کیا تو اسے اجازت ہوگی اور اگر اس نے مجھے اختیار کیا تو پھر کوئی زبردستی نہیں کرے گا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کو زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ بھی کہا جانے لگا اور عرب میں مشہور ہو گیا آپ رضی اللہ عنہ کو سیاہ فام غلام سے سفید فام عربوں کا سردار بنا دیا گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد جب مواخات قائم فرمائی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا اور جب آپ رضی اللہ عنہ بالغ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کر دیا اور ان کے بطن سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تولد ہوئے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا نکاح ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے کرنے کے لئے نکاح کا پیغام آپ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو بھیجا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایک اعلیٰ نسب کے قریشی کی شادی ایک آزاد غلام سے کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ اس موقع پر اللہ عزوجل نے سورۃ الاحزاب کی آیت نازل فرمائی جس میں مسلمانوں کو حکم دیا۔

"اور کسی مسلمان مرد اور عورت کو اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کچھ حکم دیں تو انہیں اپنے معاملہ پر اختیار ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے وہ صریحاً گمراہ ہے۔"

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو جب اس فرمانِ خداوندی کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی اور ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے نکاح کی حامی بھر لی اور یوں آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا مہر دس دینار ساٹھ درہم، پچاس مد غلہ اور تیس صاع کھجوروں مقرر ہوا۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مابین شادی کے بعد کچھ دنوں تک تعلقات انتہائی خوشگوار رہے مگر پھر دونوں کے مابین جھگڑا رہنے لگا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جب ان جھگڑوں کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے کیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کہا تم اس رشتہ کو نبھاؤ مگر پھر بھی دونوں کے مابین تعلقات خراب ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں اور انہوں نے اس کا ذکر حضور نبی کریم ﷺ سے بھی کیا مگر حضور نبی کریم ﷺ نے منع فرما دیا۔

پھر جب دونوں کے مابین جھگڑوں نے شدت اختیار کر لی اور نباہ کی صورت دکھائی نہ دینے لگی تو ایک مرتبہ پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام ماجرا بیان کیا اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں زینب (رضی اللہ عنہا) کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے اس دوران حضور نبی کریم ﷺ پر بذریعہ وحی مطلع کر دیا تھا کہ زینب (رضی اللہ عنہا) حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آنے والی ہیں اور زید (رضی اللہ عنہ) انہیں طلاق دیں گے چنانچہ اس مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زیادہ زور نہ دیا بلکہ شریعت کے مطابق ایک مرتبہ پھر سمجھایا کہ تم اس

رشتہ کو نبھاؤ۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد جب دونوں کے مابین جھگڑے کی نوعیت مزید بڑھ گئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کو طلاق دے دی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت عقبہ سے کر دیا اور وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی پھوپھی ام بیضا بنت عبدالمطلب کی بیٹی اروی بنت کریز کی بیٹی تھیں اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی ماں شریک بہن تھیں اور ان سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا اور ایک بیٹے زید بن زید رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۱ تا ۵۵۲، طبرانی معجم الکبیر جلد چہارم حدیث ۱۰۹، سیرت مصطفی ﷺ جلد سوم صفحہ ۳۰۹)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کی عدت پوری ہوگئی تو حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو۔ جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، آپ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہا آٹا گوندھ رہی تھیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں زینب (رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچا تو ان کی جانب دیکھ نہ سکا اور میں نے ان کی جانب پیٹھ کر لی اور کہا زینب (رضی اللہ عنہا) تمہیں مبارک ہو مجھے حضور نبی کریم ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور وہ تم سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا جب تک

اللہ عزوجل کا اس معاملے میں کچھ حکم نہ ہوگا میں کچھ جواب نہ دوں گی۔ پھر وہ نماز پڑھنے چلی گئیں اور اس دوران اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ پر وحی نازل فرمائی جس میں اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ سے فرمایا۔

"اے محبوب (ﷺ)! یاد کیجئے جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اور اللہ اس کا حقدار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر زید (رضی اللہ عنہ) کی غرض نکل گئی اور ہم نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا کہ مسلمان پر کچھ حرج نہیں کہ وہ اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا تعلق ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔"

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کو اس کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا فوراً سربسجود ہو گئیں اور اس واقعہ کے بعد زمانہ جاہلیت کی ایک اس رسم کا بھی خاتمہ ہو گیا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز نہیں اور اللہ عزوجل نے خود حکم دیا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔

ایک روایت کے مطابق ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کو جب فرمانِ خداوندی کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا نے شکرانے کے طور پر دو ماہ کے روزے رکھنے کی نذر مان لی۔

اس واقعہ کے بعد اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ پر وحی نازل فرمائی

جس میں اللہ عزوجل نے واضح فرمادیا کہ محمد (ﷺ) تم مردوں میں کسی کے باپ نہیں اور وہ اللہ عزوجل کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اس فرمان کے بعد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جنہیں اس سے قبل لوگ زید رضی اللہ عنہ بن محمد ﷺ کہا کرتے تھے وہ انہیں ان کے اصلی نام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہی پکارنے لگے۔

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح ۵ھ میں ہوا جبکہ کچھ مؤرخین کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح ۴ھ میں ہوا جبکہ کچھ نے ۳ھ بھی بیان کیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار سو درہم مقرر ہوا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۲ تا ۵۵۳۔ زرقانی علی المواہب جلد چہارم ۲۱۰۔ مسند امام احمد جلد سوم صفحہ ۱۹۵۔ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۴۶۱۔ طبرانی معجم الکبیر جلد ۲۴ حدیث ۱۰۹۔ مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۳۴۴)

آیتِ حجاب کا نزول:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے نکاح فرمایا اور اگلے دن ولیمہ کی دعوت رکھی اور اس کا تمام انتظام میرے سپرد فرمایا۔ پھر لوگوں کا گروہ آتا اور میں انہیں کھانا کھلاتا اور وہ چلا جاتا یہاں تک کہ میں لوگوں کو خود بلا کر لاتا اور انہیں کھانا کھلاتا رہا۔ پھر میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب کوئی ایسا نہیں رہا جسے میں بلاؤں اور کھانا کھلاؤں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم کھانا سمیٹ لو اور اس وقت لوگوں کے تین گروہ بیٹھے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے اور انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے اپنی نئی

زوجہ کو کیسا پایا؟ پھر حضور نبی کریم ﷺ اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن جو اس وقت نکاح میں تھیں سب کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں بھی وہی گفتگو ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ جب وہاں سے واپس تشریف لائے تو وہ تینوں گروہ وہیں بیٹھے تھے اور باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ چونکہ حیاء والے تھے اس لئے ان سے کچھ نہ کہا اور پھر وہ لوگ بھی چلے گئے اور حضور نبی کریم ﷺ اس حجرہ میں داخل ہونے لگے جہاں ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش موجود تھیں۔ اس دوران حضور نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور اللہ عزوجل نے فرمایا۔

"اے لوگو! وہ جو ایمان لائے تم نبی (ﷺ) کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ کھانے کے لئے بلائے جاؤ اور خود کھانے کے منتظر نہ رہو یہاں تک کہ جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور یہ کہ وہاں بیٹھ کر اپنا دل باتوں سے نہ بہلاؤ بلاشبہ اس میں نبی (ﷺ) کو ایذا تھی اور وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ حق بیان کرنے میں نہیں شرماتا اور تم ان سے برتنے کی چیز نہ مانگو تو پردے کے باہر مانگو اس میں زیادہ پاکیزگی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں حق نہیں کہ رسول (ﷺ) کو اذیت دو اور نہ ہی یہ کہ ان کے بعد بھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بلاشبہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔" (الاحزاب:۵۳)

دعوتِ ولیمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی

کسی زوجہ کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا کیا اور ان کا ولیمہ ایک بکری سے کیا اور اس کا گوشت لوگوں کو کھلایا۔

(صحیح بخاری جلد سوم حدیث ۱۵۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا تو لوگوں کو روٹی اور گوشت سے شکم سیر کیا۔

(صحیح بخاری جلد سوم حدیث ۱۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے نکاح کیا اور میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی ایک کا ولیمہ بھی ایسے کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسا ولیمہ ان کا کیا اور ان کا ایک بکری سے ولیمہ کیا۔ (سنن ابی داؤد کتاب النکاح)

زہد و قناعت:

روایات میں آتا ہے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے پاس وظیفہ بھیجا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اللہ عزوجل عمر (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرمائے اور وہ اسے میری نسبت تقسیم کرنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو بتایا گیا کہ یہ آپ رضی اللہ عنہا کے لئے ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے اور مال کے مابین پردہ حائل کر دیا اور پھر قاصد سے کہا کہ تم مال یہاں ڈال دو اور پھر آپ رضی اللہ عنہا برزہ رضی اللہ عنہا بنت رافع کو مٹھی بھر کر مال دیتیں اور فرماتی تھیں کہ یہ فلاں کو دے آؤ اور پھر جب مال نہ ہونے کے برابر رہ گیا تو برزہ رضی اللہ عنہا بنت رافع نے کہا اس میں ہمارا بھی کچھ حق ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھا جو کچھ باقی ہے وہ تم رکھ لو اور جب انہوں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو اس کے نیچے ۸۵ درہم موجود تھے۔ پھر آپ

رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں بلند کئے اور یوں دعا مانگی۔

"اے اللہ! مجھے آئندہ برس عمر (رضی اللہ عنہ) کے وظیفہ سے محروم رکھنا۔"

روایات میں آتا ہے کہ اسی برس ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا وصال ہو گیا اور آپ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد غرباء و مساکین کہتے تھے کہ ہماری مدد کرنے والی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۲۵۴، طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۳۰۹)

وصال:

ابن سعد کی روایت میں ہے ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔ یہاں لمبے ہاتھ سے مراد فیاضی تھی اور ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش بے حد فیاض تھیں چنانچہ اس پیشگوئی کی مصداق وہی ہوئیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے بعد ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔

(حلیۃ الاولیاء جلد دوم حدیث ۱۴۹۶)

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم سب سے زیادہ سرعت کے ساتھ مجھ سے وہ ملے گی جس کے تم سب میں زیادہ لمبے ہاتھ ہوں گے۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر ہم سب اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنے لگیں کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں لیکن ہم سب میں سب سے زیادہ لمبے ہاتھ ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کام کرتی تھیں اور صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم جلد ششم صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۴)

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت حجش کا وصال ۲۰ھ میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں مدفون کیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جبکہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن عبداللہ بن حجش رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتارا۔ بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۵۳ برس تھی۔ (شواہد النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۴)

ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت حجش کے وصال پر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آج وہ عورت چلی گئیں جو متقی و پرہیزگار اور یتیموں اور بیواؤں کا خیال رکھنے والی تھیں۔ (اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۵)

ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت حجش نیک اور بہت زیادہ روزے رکھنے والی تھیں۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۳۱۴)

اُم المومنین حضرت سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی نام "برہ" تھا مگر جب آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام "جویریہ" رکھا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۴)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری ذیل ہے۔

"سیدہ جویریہ بنت الحارث بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو"

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو مصطلق سے تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کا

باپ حارث چونکہ قبیلے کا سردار تھا لہٰذا آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش انتہائی نازو نعم میں ہوئی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۳۰۳)

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے دو برس قبل قدید میں پیدا ہوئیں جو رابغ اور جدہ کے درمیان واقع ہے۔

پہلا نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بالغ ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح مسافع بن صفوان سے کر دیا گیا جو اپنی اسلام دشمنی میں مشہور تھا اور مسافع بن صفوان غزوۂ بنی مصطلق میں مارا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۳۰۳)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

روایات میں آتا ہے کہ شعبان المعظم ۶ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا اور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے کیونکہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی تھی کہ بنی مصطلق جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مریسیع کے مقام پر دونوں گروہوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور ایک زبردست معرکہ کے بعد اللہ عزوجل نے لشکر اسلام کو فتح عطا فرمائی۔ اس معرکہ میں بے شمار کفار جہنم واصل ہوئے اور بے شمار قیدی بنائے گئے اور ان قیدیوں میں ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بھی تھیں جو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے لشکر کے ہمراہ ہمارے قبیلے بنو مصطلق پر چڑھائی کی تو اس معرکہ سے تین دن قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ سے چاند آ رہا ہے اور وہ میری آغوش میں آن گرتا ہے۔ میں نے اس خواب کا ذکر کسی سے بھی کرنا مناسب نہ جانا یہاں تک کہ آپ

ﷺ نے بنو مصطلق پر حملہ کیا اور ہم قیدی بنا لئے گئے۔ اس وقت میں نے اپنے خواب کی یہ تعبیر نکالی کہ میں جلد آپ ﷺ کی زوجہ بنوں گی اور پھر اللہ نے بھی میرے اس خواب کو حقیقت میں بدل دیا اور آپ ﷺ نے مجھے آزاد فرما کر مجھ سے نکاح فرما لیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس سے فرمایا مجھ سے مکاتبت کر لیں یعنی جب میں مطلوبہ رقم دے دوں گی تو مجھے آزاد کر دیا جائے گا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس نے تیس تولہ سونے پر آپ رضی اللہ عنہا سے مکاتبت کر لی مگر آپ رضی اللہ عنہا کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی ہوں اور میرے لئے یہ ایک بار گراں ہے کہ میں یوں قیدی بنائی جاؤں اور میں چونکہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں تو میں نے ان سے تیس تولہ سونے پر مکاتبت کر لی ہے مگر میرے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ نہیں لہٰذا آپ ﷺ میرے حال پر رحم فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے اس سے بہتر تجویز کرتا ہوں؟"

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کہو تو میں تمہاری جانب سے یہ فدیہ ادا کر کے تمہیں آزاد کر دوں اور پھر اپنی بیوی بنا لوں۔ ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے اسے قبول کر لیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث رضی اللہ عنہ بن ابی ضرار کو جب علم ہوا کہ ان کی بیٹی کو بھی قیدی بنایا گیا تو وہ اپنی بیٹی کو فدیہ دے کر چھڑوانے کی غرض سے مدینہ منورہ کی جانب چلے اور انہوں نے اپنے ساتھ بے شمار

اونٹ لے لئے جنہیں بطورِ فدیہ دے کر وہ اپنی بیٹی کو آزاد کروانا چاہتے تھے مگر ان اونٹوں میں دو اونٹ ایسے بھی تھے جو انہیں عزیز تھے چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ کے نواح میں پہنچے تو انہوں نے ان دونوں اونٹوں کو وہیں چھپا دیا تا کہ واپسی پر لے جائیں اور یہ دونوں اونٹ فدیہ سے محفوظ رہیں۔ پھر جب وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فدیہ کی بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں وہ دو اونٹ کم ہیں جنہیں تو فلاں گھاٹی میں چھپا آیا ہے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی بات سنی تو کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ عزوجل کے سچے رسول ہیں اور اس بات کا علم میرے سوا کسی کو نہ تھا اور اگر آپ ﷺ سچے نہ ہوتے تو اللہ عزوجل آپ ﷺ کو یوں آگاہ نہ فرماتا۔

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا جس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بیس برس تھی۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اس کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں پھیل گئی اور پھر آپ ﷺ نے حکم دیا بنی مصطلق کے جتنے بھی قیدی ہیں انہیں آزاد کر دیا جائے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنے قبیلہ والوں پر کسی کو باعث برکت نہیں پایا اور آپ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے سو سے زائد گھرانے آزاد ہوئے۔

(زرقانی جلد دوم صفحہ ۹۷ تا ۹۸۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۴ تا ۵۵۶۔ صحیح بخاری جلد دوم کتاب المغازی حدیث ۱۲۹۷)

عبادت وریاضت:

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو عبادتِ خداوندی سے خصوصی رغبت تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کا بیشتر وقت ذکر وفکر خداوندی میں مشغول ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا بکثرت نوافل ادا فرماتی تھیں اور اکثر وبیشتر روزہ سے ہوتی تھیں۔

(مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۲۵۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۵)

علمی مقام ومرتبہ:

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اگرچہ بیس برس تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت اور قربت بہت کم میسر آئی تھی مگر پھر بھی آپ رضی اللہ عنہا نے اس مختصر وقت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض پایا۔

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مسائل سے آگاہی کے لئے رجوع کیا اور تابعین کی ایک بڑی جماعت آپ رضی اللہ عنہا سے فیضیافتہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث بھی روایت کی ہیں اور یہ احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن شداد، حضرت جابر، حضرت ابوایوب المراغی، حضرت مجاہد، حضرت کریب، حضرت عبید بن السباق رضی اللہ عنہم اور دیگر شامل ہیں۔

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔آپ رضی اللہ عنہا کے سن وصال کے متعلق مورخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔کچھ مورخین کی رائے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۰ھ میں ہوا جبکہ کچھ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۲ھ میں ہوا مگر بیشتر کی رائے یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ربیع الاوّل ۵۰ھ میں ہوا اور بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۶۵ برس تھی۔آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ مدینہ منورہ کے گورنر مروان بن الحکم نے پڑھائی اور آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں مدفون کیا گیا۔

(الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۲۶۱، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۶)

ام المومنین حضرت سیّدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام "رملہ" ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت "ام حبیبہ" ہے۔آپ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کا نام "ہند" ہے۔

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے۔

"سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔"

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس۔"

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا رشتہ میں حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پھوپھی زاد بہن ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن ہیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۶، الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۰۲)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت سے سترہ برس قبل مکہ مکرمہ میں تولد ہوئیں۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۳۰۵)

قبولِ اسلام:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا جوان ہوئیں تو آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوگیا جو ام المومنین حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا بھائی تھا۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے شوہر کے ہمراہ اسلام قبول کرلیا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۶)

حبشہ کی جانب ہجرت:

مکہ مکرمہ میں جب مشرکین نے مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے تو حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر چند مسلمانوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور جب وہ مسلمان حبشہ میں پرسکون زندگی بسر کرنے لگے تو حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر ایک اور گروہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اسی

گروہ میں تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔ حبشہ میں قیام کے دوران ہی آپ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک بیٹی تولد ہوئی جس کا نام "حبیبہ" رکھا گیا اور آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت "ام حبیبہ" اپنی اسی بیٹی کی وجہ سے ہے۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۲، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۶)

شوہر کا مرتد ہونا:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا شوہر انتہائی بری حالت میں ہے اور اس کی صورت انتہائی بھیانک ہو چکی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا اور میں سوچنے لگی کہ اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟ پھر جب میں صبح اٹھی تو وہ مجھ سے کہنے لگا کہ میں نے دین کے معاملہ میں بہت غور کیا اور میں نے نصرانیت سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا اور میں پہلے بھی نصرانی تھا اور مسلمان ہوا اور اب میں دوبارہ نصرانیت کی جانب لوٹتا ہوں اور تم بھی یہی مذہب قبول کر لو۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا ایسا ہرگز نہ ہوگا اور پھر میں نے اسے اپنا خواب بھی سنایا مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور اس نے شراب نوشی بھی شروع کر دی۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پر عبید اللہ بن جحش نے بہت زیادہ دباؤ ڈالا کہ آپ رضی اللہ عنہا بھی کسی طرح دین اسلام ترک کر کے نصرانیت قبول کر لیں مگر آپ رضی اللہ عنہا نے ہر مرتبہ اس کی بات کو رد کیا یہاں تک کہ دونوں کے مابین علیحدگی ہو گئی اور عبید اللہ بن جحش نے نجاشی کو دیکھ کر نصرانیت قبول کی تھی اور پھر وہی نجاشی مسلمان ہو گیا۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے عبید اللہ بن جحش حالت کفر میں مر گیا۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۲، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۶)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبیداللہ بن جحش سے علیحدگی کے بعد میں نے ایک مرتبہ پھر خواب دیکھا اور خواب میں کوئی مجھے ام المومنین کہہ کر پکار رہا تھا۔ پھر جب میری عدت ختم ہوئی تو نجاشی نے اپنی ایک خادمہ جس کا نام "ابرہہ" تھا اسے میرے پاس بھیجا اور اس نے مجھے بتایا کہ نجاشی کے پاس حضور نبی کریم ﷺ کا ایک خط آیا ہے اور حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے اور نجاشی کا کہنا ہے کہ اگر آپ رضی اللہ عنہا اس شادی پر رضامند ہیں تو آپ رضی اللہ عنہا اپنا کوئی وکیل مقرر فرمالیں۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہ میرے لئے بڑی خوشی کا مقام تھا اور میں نے اپنے ماموں زاد بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن سعید بن ابی العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا اور میرے ہاتھوں میں کنگن اور پیروں میں پازیب تھی اور اس کے ساتھ ہی انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں اور یہ سب سونے کے تھے میں نے اس خادمہ کو دے دیئے۔

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح کے وقت ۳۷ برس تھی اور آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ۶ ھ میں حضور نبی کریم ﷺ سے ہوا۔

روایات میں آتا ہے ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کے بعد مدینہ منورہ روانگی کی تیاریاں شروع کیں تو شاہِ حبشہ نجاشی نے آپ رضی اللہ عنہا کے تمام سفری انتظامات مکمل کروائے اور عرض کیا کہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ہمارا سلام عرض کیجئے گا اور شاہِ حبشہ نجاشی کی خادمہ "ابرہہ" نے بھی آپ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا سلام بھی حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچایئے گا۔ پھر شاہِ حبشہ نجاشی نے حضرت شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ کو آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ روانہ کیا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۳۰۴ تا ۳۰۵، طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۳، زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۴۰۵)

یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے:

منقول ہے قریش کے رؤساء نے زعم میں آکر معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا۔ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے بہت کوشش کی کہ دیگر سرداران قریش اس معاہدہ کو برقرار رکھیں اور معاہدہ کو برقرار رکھنے کی کوشش کے لئے حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) خود مدینہ منورہ پہنچے اور اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر قیام کیا۔ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے حضور نبی کریم ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس بستر پر بیٹھنے سے منع کر دیا اور فرمایا یہ حضور نبی کریم ﷺ کا بستر ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۴)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وصال کا وقت نزدیک آیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا۔

"اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اگر میرے اور تمہارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات ہوئی ہو جو کہ بالعموم سوکنوں میں ہو جاتی ہے تو تم مجھے معاف کر دینا اور میں بھی تمہیں معاف کرتی ہوں۔"

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا اللہ عزوجل تمہاری مغفرت کرے اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا۔

"عائشہ (رضی اللہ عنہا)! اللہ عزوجل تمہیں خوش رکھے۔"

پھر ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کو بلا کر ان سے بھی معافی مانگی۔

روایات کے مطابق ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۷۳ برس کی عمر میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ کچھ روایات کے مطابق ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا وصال دمشق میں ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا وہیں مدفون ہوئیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۷)

اُم المومنین حضرت سیّدہ صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اسم مبارک "زینب" تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام "صفیہ" رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی کنیت "ام یحییٰ" ہے اور آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق مشہور یہودی قبیلہ بنونضیر سے تھا۔

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب پدری یوں ہے۔

"سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب بن سعید بن ثعلبہ بن عبید بن کعب بن الخزرج بن ابی حبیب بن الحضیر بن الخام۔"

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حیی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا اور یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا شجرہ نسب مادری یوں ہے۔

"سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت صنبرہ بن شمویل۔"

ایک قول کے مطابق ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام "برہ" تھا۔

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا تعلق بنو قریظہ سے تھا اور آپ رضی اللہ عنہا کی والدہ بنو قریظہ کے سردار شمویل کی بیٹی تھیں۔ (الاستیعاب جلد چہارم صفحہ ۳۴۶)

پہلی شادی:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھا اور یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی پرورش انتہائی ناز و نعم میں ہوئی اور جب آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بارہ برس ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا کی شادی بنو قریظہ کے نامور شہسوار سلام بن مشکم سے کر دی گئی مگر اس شادی کا انجام جلد ہی طلاق پر ہوا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۷)

دوسری شادی:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شادی حی بن اخطب نے خیبر کے سردار ابورافع کے بھتیجے کنانہ بن الحقیق سے کر دی اور کنانہ بن الحقیق خیبر کے قلعہ قموص کا حاکم تھا اور غزوۂ خیبر میں لشکر اسلام سے مقابلے میں مارا گیا۔

خیبر کی فتوحات میں جہاں کئی مرد و عورتیں قیدی بنائے گئے ان میں ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق بھی اس معرکہ میں مارا گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۷)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

روایات میں آتا ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ

رضی اللہ عنہا کے قبولِ اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا اور آزادی کو آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر قرار دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں جب خیبر کے مالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت آیا تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے بھی مالِ غنیمت سے کچھ عطا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم مالِ غنیمت سے اپنے لئے کوئی کنیز لے لو۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت سے ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو لیا اور چلے گئے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے دحیہ (رضی اللہ عنہ) کو صفیہ (رضی اللہ عنہا) دے دیں وہ تو بنونضیر اور بنوقریظہ کے سرداروں کی بیٹی ہیں اور مناسب یہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم ان کو بلاؤ چنانچہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تم ان کے عوض کوئی دوسری کنیز لے لو۔"

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد فرمایا اور پھر آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ شب عروسی ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تلوار لے کر حضور نبی کریم ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کے باہر پہرہ دیتے رہے اور جب صبح کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو برہنہ تلوار لئے پھرتے دیکھا تو دریافت کیا۔

"اے ابوایوب (رضی اللہ عنہ)! کیا وجہ ہے تم یوں پھر رہے ہو؟"

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نئی دلہن تھیں اور وہ اس حال میں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں کہ ان کے شوہر، بھائی اور باپ کو قتل کئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ آپ ﷺ کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو مسکرائے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر بھی فرمائی۔

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضور نبی کریم ﷺ نے غزوۂ خیبر کے موقع پر خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیا اس وقت میری نئی نئی شادی ہوئی تھی اور میں نے رات کو خواب میں دیکھا سورج میرے سینے پر آن گرا ہے۔ میں جب بیدار ہوئی تو میں نے اس خواب کا ذکر اپنے شوہر سے کیا۔ اس نے جواب میں مجھے ایک زوردار تھپڑ مارا اور کہا۔

"تم اس بادشاہ کی خواہش رکھتی ہو جو اس شہر میں آئے ہیں۔"

اور اس کی بات سے مراد حضور نبی کریم ﷺ تھے اور پھر حضور نبی کریم ﷺ نے خیبر کو فتح کیا اور میرے شوہر کی گردن اڑا دی گئی۔

روایات میں آتا ہے کہ فتح خیبر سے مدینہ منورہ واپس لوٹتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے لشکر اسلام کے ہمراہ مقام صہبا میں قیام کیا اور یہیں ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ شب زفاف بسر کی اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک سترہ برس تھی اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم

ﷺ نے ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور یہی آپ رضی اللہ عنہا کا حق مہر تھا اور پھر ابھی ہم راستہ میں ہی تھے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں تیار کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ جب حضور نبی کریم ﷺ شب زفاف بسر کر چکے اور صبح کے وقت تشریف لائے تو فرمایا کہ جس کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز ہے وہ دستر خوان پر لائے اور پھر کوئی پنیر، کوئی کھجوریں اور کوئی گھی لایا اور پھر ایک حلوہ تیار کیا گیا اور دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کیا گیا اور پھر یہ دعوت تین دن تک چلتی رہی۔

حضور نبی کریم ﷺ جب مقام صہبا سے چلے تو آپ ﷺ نے خود ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کروایا اور اپنی عباان پر تان دی تاکہ کوئی انہیں دیکھ نہ سکے۔ پھر جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر اتارا گیا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۷ تا ۵۵۸، الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۳۴۷، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۴۹۰، سیرت حلبیہ جلد ششم صفحہ ۴۳۵، زرقانی علی المواہب جلد چہارم صفحہ ۴۳۴)

اخلاق حسنہ:

روایات میں آتا ہے کہ جب خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ملنے کے لئے ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس وقت سونے کے زیورات پہن رکھے تھے اور اس وقت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے ہمراہ کچھ اور خواتین بھی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے کانوں کے جھمکے اتار کر خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو دے دیئے اور ساتھ آنے والی دیگر خواتین میں بھی زیورات تقسیم فرما دیئے۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۳۰۹)

علمی مقام ومرتبہ:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا علم وعرفان کا مرکز تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے پاس خواتین آ کر اپنے مسائل دریافت کرتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے دس احادیث بھی مروی ہیں جنہیں صحاح ستہ میں بیان کیا گیا ہے اور آپ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت سیدنا امام زین العابدین، حضرت یزید بن معصب، حضرت مسلم بن صفوان، حضرت اسحٰق بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور دیگر ہیں۔ صہیرہ بنت جیفر جب حج کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سے ملنے مدینہ منورہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کوفہ کی بے شمار عورتیں آپ رضی اللہ عنہا کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لئے موجود تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا ان کے سوالات کے جواب دے رہی تھیں۔ (مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۳۷)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ساٹھ برس کی عمر میں ۵۰ ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مدینہ منورہ میں وصال فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں مدفون کیا گیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۹)

روایات میں آتا ہے کہ ام المومنین حضرت سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے ترکہ میں ایک لاکھ درہم چھوڑا اور بوقت وصال وصیت کی کہ اس میں سے ایک تہائی میرے بھانجے کو دیا جائے۔ آپ رضی اللہ عنہا کا بھانجا یہودی تھا لہٰذا وصیت کو پورا کرنے میں سب تذبذب میں مبتلا تھے۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی تو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم ان کی وصیت پوری کرو چنانچہ ایک تہائی آپ رضی اللہ عنہا کے بھانجے کو دے دیا گیا اور باقی مال خیرات کر دیا گیا۔

(سیرت حلبیہ جلد ششم صفحہ ۴۳۶)

اُم المومنین حضرت سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام "برہ" تھا مگر جب حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح میں آئیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نام تبدیل کر کے "میمونہ" رکھ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا تعلق قبیلہ قیس بن عیلان سے تھا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۵۹)

نسب نامہ:

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے۔
"سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بن بحیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان۔"
ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب مادری یوں ہے۔
"سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت ہند بن عوف بن زہیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر۔" (الاستیعاب جلد چہارم ۴۰۴ طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۳۱۱)

ولادت باسعادت:

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اعلانِ نبوت کے سترہ برس بعد مدینہ منورہ میں تولد ہوئیں۔

پہلا نکاح:

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پہلے نکاح کے متعلق مؤرخین میں

اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح مسعود بن عروفہ بن عمیر ثقفی سے ہوا اور پھر دونوں کے مابین ناچاقی کی بناء پر طلاق ہو گئی اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا جبکہ کچھ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح خویطب بن عبدالعزیٰ سے ہوا اور پھر خویطب بن عبدالعزیٰ سے علیحدگی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا۔ پھر ۷ ھ میں ابورہم بن عبدالعزیٰ کی وفات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہا بیس برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۶۰، زرقانی علی المواہب جلد سوم صفحہ ۳۸۸)

حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح:

روایات میں آتا ہے ذیقعدہ ۷ ھ میں حضور نبی کریم ﷺ عمرۃ القضاء کی نیت سے مکہ مکرمہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے تو مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام سرف پر قیام کیا اور اس وقت ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا وہیں مقیم تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بہنوئی اور چچازاد حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو کہ آپ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے پر غمگین تھے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔

"میمونہ (رضی اللہ عنہا) بیوہ ہو چکی ہے اس لئے آپ رضی اللہ عنہا اسے سہارا دیتے ہوئے اس سے نکاح کر لیں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا کی بات رد نہ کی اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو نکاح کا پیغام دے کر حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا جسے آپ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت قبول فرما لیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نکاح کا پیغام لے کر ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا۔

"اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے وہ سب اللہ عزوجل اور اس کے
رسول ﷺ کا ہی تو ہے۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس آنے کے بعد عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب جو حبشہ سے مدینہ منورہ واپس لوٹے تھے انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ پیش کیا اور آپ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس ان کے نکاح میں تھیں جبکہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا بنت عمیس، حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ رہ چکی تھیں اور حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کا معاملہ حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا اور حضور نبی کریم ﷺ نے حالت احرام میں آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور پھر جب عمرہ سے واپس لوٹے تو احرام چونکہ اتر چکا تھا لہٰذا اس وقت رخصتی عمل میں آئی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے خود کو حضور نبی کریم ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا چنانچہ اس موقع پر اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ کی جانب وحی نازل فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"اور مومن عورت جب وہ اپنی جان نبی ﷺ کی نذر کر دے اور
اگر نبی ﷺ اس سے نکاح کرنا چاہے تو اسے اجازت ہے اور یہ
اجازت آپ ﷺ کے لئے خاص ہے، دیگر مومنین کے لئے
نہیں ہے۔" (الاحزاب: ۵۰)

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۶۰، الاستیعاب جلد چہارم ۴۰۶ تا ۴۰۷)

اخلاق وعادات:

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نیک، خدا ترس اور متقی تھیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا۔

"میمونہ (رضی اللہ عنہا) ہم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔" (الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد چہارم صفحہ ۴۱۳)

روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیمار عورت نے منت مانی کہ جب وہ صحت یاب ہوگی تو وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھے گی چنانچہ جب وہ صحت یاب ہوئی تو وہ بیت المقدس جانے کی تیاری کرنے لگی۔ پھر جب سفر شروع کرنے لگی تو ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں نے منت مانی تھی کہ میں اگر صحت یاب ہوئی تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گی اور اب میں بیت المقدس کی جانب سفر شروع کرنے لگی ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو تمہاری منت پوری ہو جائے گی اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری کسی جگہ نماز پڑھنے سے ہزار گنا افضل ہے اور یہ مسجد اللہ عزوجل اور اس کے نبی ﷺ کی محبوب ہے۔ (مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۳۱)

وصال:

ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی زندگی کے آخری ایام مکہ مکرمہ میں بسر کئے اور پھر جب آپ رضی اللہ عنہا مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے لے چلو کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے مکہ مکرمہ میں موت نہ آئے گی چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ سے لے جایا گیا اور جب مقامِ سرف میں پہنچیں تو وہیں آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال ۵۱ھ میں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالرحمن بن خالد اور حضرت عبداللہ خولانی رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔ آپ رضی اللہ عنہا کو اسی خیمے میں دفن کیا گیا جہاں آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ سے ہوا تھا۔ بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۸۱ برس تھی۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۶۰، مجمع الزوائد جلد نہم حدیث ۱۵۳۶۲)

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سرف کے مقام پر ام المومنین حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حضور نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہیں جب ان کے جنازے کو اٹھاؤ تو ہلانا نہیں اور نہ ہی جنبش دینا بلکہ نرمی کرنا کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی نو ازواج تھیں جن میں سے آٹھ کی باریاں مقرر تھیں اور ایک کی باری نہ تھی۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو بات ہم تک پہنچی وہ جن کی باری مقرر نہ تھی وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو مدینہ منورہ کے اندر ان سب کے بعد فوت ہوئیں۔ (صحیح بخاری)

باب چہارم:

اولادِ پاک

نبی کریم روف الرحیم ﷺ کی اولاد کے بارے مین ہمیں مختلف رائے ملتی ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند روایت یہی ہے کہ آپ ﷺ کے تین صاجزادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔

نبی کریم ﷺ کے صاجزادوں کے نام قاسم رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے اور آخری صاجزادہ کا نام ابراہیم رضی اللہ عنہ ہے جبکہ آپ ﷺ کی صاجزادیوں کے اسم گرامی زینب، رقیہ، اُم کلثوم اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہن ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی صاجزادیوں کے بارے میں عموماً کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا بالاتفاق سے آپ ﷺ کی چار ہی صاحب زادیاں ہیں اسی طرح آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہ آپ کی اُم ولد ماریہ قطبیہ کے بطن سے پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں فوت ہو گئے جبکہ آپ ﷺ کی باقی ساری اولاد آپ ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ اور اسلام قبول کرنے والی پہلی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہے اور آپ ﷺ کی باقی بیویوں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے جس قدر بھی اولادِ نرینہ پیدا ہوئی وہ سب کے سب بچپن ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہو گئے اس لیے ان کی تعداد کے بارے میں مؤرخین کا آپس میں اتفاق نہیں۔

جمہورِ علماء سیر کا کہنا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دو صاجزادے تولد ہوئے جس میں سے ایک صاجزادے کا اسم گرامی قاسم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صاجزادے کا اسم گرامی عبداللہ رضی اللہ عنہ ہے اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ (زرقانی محمد بن عبدالباقی شرح مواہب لدنیہ ج ۳: ص ۱۹۳)

سیدنا حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔

(زرقانی محمد بن عبدالباقی شرح مواہب لدنیہ ج ۳: ص ۱۹۴)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب آپ ﷺ کی صاحب زادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اسلام لائیں اور بدر کے بعد ہجرت کی اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ ھ میں انتقال کیا۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔

علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ

یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہ سے آنحضرت ﷺ بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ ﷺ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوشِ مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ ﷺ آہستہ سے ان کو اتار دیتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

ایک بار آنحضرت ﷺ کے پاس ہدیہ میں ایک زریں ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا، سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائیں گے لیکن آپ ﷺ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دستِ مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

اخرجه ابن سعد و احمد و ابو یعلی بسند حسن عن عائشه

(ابن سعد محمد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸: ص ۴۰)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا، بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔ (زرقانی، ج ۳: ص ۱۹۵)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں، رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اور ام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے۔ فقط

نکاح ہوا تھا عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تبت یدا ابی لھب و تب نازل ہوئی تو ابولہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔

آپ ﷺ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ ﷺ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی' ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

صحبھما اللہ ان عثمان اول من ھاجر باھلہ بعد لوط

"اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو۔ تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔"

وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا' چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔ جس وقت آنحضرت ﷺ غزوہ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے۔ عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ آئے، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے دفن میں مشغول تھے کہ یکایک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔

دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔ (الاصابہ (۴۳۰) ج ۴: ص ۳۰۴، زرقانی شرح مواہب، ج ۳: ص ۱۹۷)

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

اُم کلثوم اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں، بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا اس کے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاول ۳ ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، چھ سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی، ماہ شعبان ۹ ھ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت علی، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا، آنحضرت ﷺ قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

حضرت اُم کلثوم پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں۔ اس نے باپ کے کہنے پر طلاق دے دی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دے دی تھی مگر عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دے کر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دے دی ہے اور وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد آپ ﷺ پر حملہ کیا اور آپ ﷺ کا پیراہن چاک کر دیا، آپ ﷺ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ! اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔

چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا، جا کر مقام زرقا میں اترا، ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے، رات کے وقت ایک شیر آ گیا۔

وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا، جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبالیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

(زرقانی شرح مواہب، ج ۳: ص ۱۹۹۔ ابن حجر. الاصابہ (۱۴۷۰) ج ۴: ص ۴۸۹)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دیتا رہتا۔ (سیوطی، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۷' زرقانی' حوالہ مذکور)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

فاطمہ نام، زہرا اور بتول لقب ہیں۔ جمال وکمال کے سبب سے زہراء کہلاتی تھیں اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنابر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعثت کے پہلے سال میں پیدا ہوئیں' ابن جوزی کہتے ہیں کہ بعثت سے پانچ سال پیشتر پیدا ہوئیں جبکہ قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ (زرقانی' کتاب مذکور ج ۳: ص ۲۰۲۔ ابن حجر الاصابہ (۸۳۰) ج ۴: ص ۳۷۷)

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔

فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔

چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۴۸۰ درہم کو خریدی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیمت لا کر حضور ﷺ کے آگے ڈال دی۔ حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ بلال رضی اللہ عنہ کو دیا کہ خوشبو خرید لائیں اور باقی جہیز وغیرہ کے لیے ام سلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہو گیا۔ جہیز میں یہ چیزیں تھیں۔ (طبقات ابن سعد، جزء ثامن ترجمہ زہرا)

ایک لحاف، ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں، ایک مشک، دو گھڑے۔ اسی سال ماہ ذوالحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ادائے رسم کے لیے مکان کرایہ پر لیا۔ پھر حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ نے دے دیا۔ (وفاء الوفاء للسمہودی)

آنحضرت ﷺ کو اپنے اہل میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر پر جایا کرتے تو اخیر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مل کر جاتے۔ جب واپس آتے تو سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرا پارہ گوشت ہے۔ جس نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کا ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔"

فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کی نسبت حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔

خیرُ نِساء ھٰذہ الامۃ سیدۃ نسآء الْعالمین سیدۃ نسآء اھل الجنۃ سیدۃ النساء المؤمنین افضل النساء الجنۃ۔

"صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام کا سلسلہ نسل جاری ہے اور قیامت تک رہے گا۔"

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا میں رنجش ہو جایا کرتی تھی تو حضور ﷺ دونوں میں مصالحت کروا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دولت خانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہاں نہ پایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے (محاورہ عرب کے موافق) پوچھا کہ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہو گئی ہے۔ وہ ناراض ہو کر نکل گئے ہیں اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔

حضور ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟ اس نے آ کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے۔ اور خاک آلودہ ہو رہے ہیں۔

حضور ﷺ خاک جھاڑنے لگے اور فرمایا۔ اے ابو تراب! اُٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا۔ (صحیحین)

فتح مکہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سنا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔

"آپ ﷺ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کے لیے
ناراض نہیں ہوتے۔ یہ دیکھیے کہ علی رضی اللہ عنہ ابو جہل کی لڑکی سے
نکاح کرنے لگے ہیں۔"

یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا۔

"اما بعد میں نے ابو العاص رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔
اس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی۔ مجھ سے وعدہ کیا اور
پورا کیا۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرا گوشت پارہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ
اسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسول خدا ﷺ کی لڑکی اور دشمن خدا
کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہوں گی۔"

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرما گئیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وعباس وفضل رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ وامام حسین رضی اللہ عنہ جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن ورقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔

سیدنا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ بعثت کے بعد ان کی پیدائش ہوئی اور بچپن میں ہی ان کی وفات ہوگئی۔ طیب وطاہر ان کے ہی لقب ہیں۔

سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ رسولِ کریم ﷺ کی آخری اولاد ہیں جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ ھ میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز آپ ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا۔ آپ ﷺ نے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے، سر منڈوایا، بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کیے گئے اور اسم گرامی ابراہیم رکھا اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔ کبھی کبھی آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔

تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ھ میں انتقال کیا' جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گرہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گرہن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ نے اس عقیدہ فاسدہ کے رد کرنے کے لیے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں۔ کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو اور صدقہ دو۔

(زرقانی، ج ۳، ص: ۲۱۴)

آپ ﷺ نے ان کی وفات پر غم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

تدمع العین ویحزن القلب ولا نقول ما یسخط الرب وانا بك یا ابراهیم لمحزونون

ترجمہ:...... "آنکھیں اشک بار ہیں اور دل رنجور لیکن ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو رب کو ناراض کرنے والی ہو، اے ابراہیم (رضی اللہ عنہ)! ہم تم پر غمزدہ ہیں۔" (ترمذی، کتاب الدعاء)

باب پنجم:

خسرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خولید بن اسد

آپ رسول اللہ ﷺ کی محبوب زوجہ اُم المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے والد خولید بن اسد ہیں ان کا تعلق بھی قریش قبیلے سے ہے اور سلسلہ نصب قصیٰ پر جا کر آنحضرت ﷺ سے جا ملتا ہے۔ خویلد بن اسد کی زوجہ یعنی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن جندب بن حجر بن معیص بن عامر بن لُوئی ہے اور جناب خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوئی بن فہر بن مالک بن النصر بن کنانہ ہے۔

خویلد بن اسد بڑے تاجر تھے اور دولت مند بھی تھے مکہ میں جتنی نئی اور بیرون ملک سے لائی گئی اشیاء تھیں وہ سب خویلد بن اسد ہی لے کر آتے تھے۔ خویلد بن اسد کو اپنے چچازاد بھائی کے بیٹے ورقہ بن نوفل سے بڑی محبت تھی اور خویلد بن اسد کی خواہش تھی کہ ان کی صاحبزادی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی ورقہ بن نوفل سے ہو۔

مگر باوجود کوشش کے یہ شادی نہ ہوسکی اور سیدہ خدیجہ کی شادی آنحضرت ﷺ سے انجام پائی، جنگ فجار کے موقع پر خویلد بن اسد لشکر قریش کی طرف سے شریک جنگ تھے اور اسی لڑائی میں فوت ہوئے

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر آپ رضی اللہ عنہ کا نام "عبداللہ" رکھا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوبکر ہے جبکہ القابات صدیق اور عتیق ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنی کنیت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ سے مشہور ہوئے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا بنت صخر ہے جو اپنی کنیت ام الخیر رضی اللہ عنہا سے مشہور ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۵۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۲)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے قریباً اڑھائی برس بعد ۵۷۲ء میں پیدا ہوئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "تاریخ الخلفاء" میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے متعلق بیان کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تین برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

(اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۲۰۔ طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۳۹۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۷)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لقب "صدیق" کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے جب حضور نبی کریم ﷺ معراج سے واپس آئے اور قریش مکہ کو اپنی معراج سے آگاہ کیا تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ کو واقعہ معراج کے بارے میں پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے معراج پر جانے کی تصدیق کرتا ہوں چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی اس تصدیق کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو "صدیق" کا لقب دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگ سے آزاد کر دیا ہے۔"

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ "عتیق" کے لقب سے بھی مشہور ہوئے۔

حضرت لیث بن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو "عتیق" حسن صورت کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔

(اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۰۱، تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۵، طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۵ تا ۱۶)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کے ایک قبیلہ بنو تیم سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ایک خوش اخلاق، نیک سیرت اور ایماندار تاجروں میں ہوتا تھا۔ قریش کے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کا نام نہایت احترام سے لیتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ صاحب علم تھے اور یہی وجہ تھی قریش کے سردار کئی اہل مواقع پر آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر اور مشیر مقرر فرماتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دورِ جہالیت میں کبھی بھی بتوں کے آگے سجدہ ریز نہ ہوئے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ اس دور کی تمام جاہلانہ رسوم ورواج سے باغی تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قبیلہ خون بہا اور تاوان کے امور کے فیصلے کرتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسی منصب پر فائز تھے اور اپنے منصب کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بچپن سے ہی اصول پسند تھے اور اصولوں پر کسی بھی قسم کا سمجھوتا نہ کرتے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عربوں کی نفسیات سے بخوبی آگاہ تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو عربوں کی نسب دانی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شرافت اور ایمانداری کے باعث سردارانِ قریش اپنا مال تجارت کی غرض سے آپ رضی اللہ عنہ کو بخوشی دیتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر بھی بخوبی اعتماد کا اظہار کرتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت کی تمام معاشرتی برائیوں سے پاک رہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ قریش کے تمام قبائل میں نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت سے حضور نبی کریم ﷺ کے دوست تھے اور اکثر و بیشتر حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ جس وقت حضور نبی کریم ﷺ اپنے چچا جناب ابوطالب کے ہمراہ ملک شام تجارت کی غرض سے گئے اور بحیرہ راہب سے حضور نبی کریم ﷺ کی ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دورِ جاہلیت میں تجارت کیا کرتے تھے اور جب حضور نبی کریم ﷺ کی دعوت پر آپ رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا کل سرمایہ جو چالیس ہزار درہم تھا سب کا سب راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔ جب پوچھا گیا اپنے بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میرے بال بچوں کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی کافی ہے۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اکثر حضور نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ بھی اکثر و بیشتر آپ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے اور دونوں حضرات کے مابین دوستی مثالی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ بھی چونکہ ابتداء سے بت پرستی،

شراب نوشی اور دیگر معاشرتی برائیوں سے دور تھے اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں آپ رضی اللہ عنہ کو قلبی سکون ملتا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے ان چند لوگوں میں ہوتا تھا جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ علم الانساب کے ماہر بھی تھے اور فن خطابت پر بھی عبور رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اشعار بھی کہا کرتے تھے اور تعبیر الرویاء کے بھی ماہر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس قریش کے معززین آتے اور آپ رضی اللہ عنہ سے اپنے خوابوں کی تعبیر دریافت کیا کرتے تھے الغرض آپ رضی اللہ عنہ اس وقت کے تمام مروجہ علوم پر کامل عبور رکھتے تھے۔ (سیرت حلبیہ صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۰۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۸۔ اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۰۱)

حضور نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس ہوئی اور آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ باقاعدہ منصب نبوت پر فائز ہوئے۔ آپ ﷺ پر پہلی وحی کا نزول دوشنبہ کے روز ہوا۔

منقول ہے جب ظہورِ نبوت کا وقت نزدیک آیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے میل جول کم کر دیا اور آپ ﷺ عبادت کے لئے مکہ مکرمہ کے نواح میں واقعہ جبل حرا کے ایک غار میں تشریف لے جاتے تھے۔ یہ غار تاریخ میں کوہِ حرا کے نام سے معروف ہے۔ اسی غار میں حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی مرتبہ آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ منصب نبوت پر فائز کئے گئے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم)

روایات میں آتا ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب ملک شام اور ملک یمن کے سفر کے بعد مکہ مکرمہ واپس لوٹے تو آپ رضی اللہ عنہ کو سفر کی کامیابی کی مبارک باد دینے کے لئے سردارانِ قریش کا ایک وفد آیا اور کامیاب تجارتی سفر کی مبارک باد دی

اور کہنے لگے۔

"تمہارے دوست محمد ﷺ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کے دین کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ ہم تمہارے ہی انتظار میں تھے تم آؤ اور تمام معاملہ اپنے ہاتھ میں لو۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی وقت حضور نبی کریم ﷺ کے گھر تشریف لے گئے اور حضور نبی کریم ﷺ سے باہر آنے کی درخواست کی۔ حضور نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"اے ابوالقاسم ﷺ! آپ کے متعلق مجھے خبر پہنچی ہے آپ لوگوں کو ایک خدا کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں اور نبی برحق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"ہاں ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! میرے پروردگار نے مجھے ایک خاص مقصد کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کروں انہیں برے کاموں سے روکوں اور ان تک اللہ عزوجل کا پیغام پہنچاؤں۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی باتیں سنیں تو کہا۔

"بلاشبہ آپ جھوٹ نہیں بولتے اور آپ ہی اس منصب اعلیٰ کے اہل ہیں۔ آپ امانت دار ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں۔ آپ اچھے کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اچھے کام کرنے کی تلقین

کرتے ہیں۔ میں آپ کے دست حق پر بیعت کرتا ہوں اور اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔

(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ ۳۰۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے حضور نبی کریم ﷺ اکثر و بیشتر آپ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی طویل نشست ہوتی جس میں اسرار و رموز کی کئی باتیں ہوتی تھیں اور اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ کو رازدارانِ نبی ﷺ بھی کہا جاتا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ جب بھی باہر تشریف لے جاتے تو جب بھی کوئی ندائے غیبی سنائی دیتی تو آپ ﷺ اس کا ذکر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کرتے تھے جو زمانہ جاہلیت سے آپ ﷺ کے دوست اور آپ ﷺ کے رازدان تھے۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پیدائشی غلام تھے اور ان کے مالک کا نام اُمیہ بن خلف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والے ساتویں شخص تھے۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے آپ کا مالک اُمیہ بن خلف آپ رضی اللہ عنہ پر بے انتہا ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے خاص پڑھے لکھے اور بہترین غلام کے بدلے میں اُمیہ بن خلف سے خرید لیا اور پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں حضور نبی کریم ﷺ کے پاس لے گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو تمام واقعہ کا علم ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ بہت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا۔

"ابوبکر (رضی اللہ عنہ)! مجھے بھی اپنے نیک کام میں شریک کرلو۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! گواہ رہیے میں نے بلال (رضی اللہ عنہ) کو آزاد کر دیا ہے۔"

روایات میں آتا ہے حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی بارگاہِ خداوندی میں قبولیت کی دعا کی۔ (حلیۃ الاولیاء، جلد اول صفحہ ۱۴۱ تا ۱۴۲)

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان غلاموں میں سے ہیں جنہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرما دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دنوں میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے مشرک مالک نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے تاکہ کسی طرح آپ رضی اللہ عنہ دین اسلام کو ترک کر دیں مگر آپ رضی اللہ عنہ نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور ان مظالم کو برداشت کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کر دیا مگر آپ رضی اللہ عنہ پھر بھی ان کی خدمت میں رہے۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بھی سعادت حاصل ہے آپ رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور کے بعد کا تمام سفر حضور نبی کریم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ طے کیا اور انہی حضرات کے ہمراہ مدینہ منورہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر اور غزوہ احد میں بھی شمولیت اختیار کی اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آپ ۴ھ میں چالیس برس کی عمر میں بئر معونہ کے معرکہ میں شہید ہوئے۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد سوم صفحہ ۱۶۵)

حضرت شدید رضی اللہ عنہ کو بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔

۲۷ رجب المرجب ۱۰ نبوی میں معراج کا واقعہ پیش آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ اپنی چچا زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر قیام پذیر تھے۔ رات کے وقت جبرائیل

علیہ السلام براق لے کر آئے اور آپ ﷺ کو معراج کی خوشخبری سنائی۔ آپ ﷺ براق پر تشریف فرما ہوئے اور بیت اللہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے آپ ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی۔

حضور نبی کریم ﷺ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جہاں پہلے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، تیسرے آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت زکریا علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر تشریف لے گئے جہاں اللہ عزوجل سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور آپ ﷺ کو چالیس نمازوں کو تحفہ ملا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے پانچ نمازوں کا ہو گیا۔

حضور نبی کریم ﷺ معراج کی سعادت کے بعد واپس لوٹے اور آپ ﷺ نے اپنی معراج کے متعلق قریش کو بتایا تو انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارا دوست کہتا ہے اس نے آسمانوں کی سیر کی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس دوران حضور نبی کریم ﷺ سے کوئی ملاقات نہ ہوئی تھی مگر آپ رضی اللہ عنہ نے بلا تصدیق کہا کہ اگر یہ سب میرے آقا حضور نبی کریم ﷺ نے کہا ہے تو وہ سچ کہتے ہیں اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اس تصدیق پر حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو "صدیق" کا لقب عطا فرمایا۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سفر معراج کی کیفیات جب حضور نبی کریم ﷺ کی زبانی سنیں تو ایک ایک حرف کی تصدیق کی جس

کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہوگیا۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۶، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۰۱، مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۳۱۰ طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۶، البدایہ والنہایہ جلد سوم صفحہ ۱۲۷)

مشرکین مکہ کے ظلم وستم حد سے تجاوز کر چکے تھے مگر پھر بھی وہ حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلوں کو پست نہ کر سکے۔ اس دوران حج کے ایام میں یثرب جوکہ مدینہ منورہ کا پہلا نام تھا وہاں سے کچھ لوگوں کا قافلہ مکہ مکرمہ آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوتِ حق دی تو انہوں نے لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تو ۱۳ نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب پہلا گروہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ در گروہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا شروع ہو گئے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے مہاجرین میں سے چند لوگ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور اس دوران مکہ مکرمہ میں بھی بے شمار لوگ مسلمان ہو چکے تھے جبکہ مدینہ منورہ کے بھی بے شمار لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ قریش نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کر دی اور وہ مدینہ منورہ سے آنے والوں کو بھی تنگ کرنے لگے۔ اس دوران مدینہ منورہ کے ستر نقیب جو مسلمانوں کے سردار تھے انہوں نے حج کے ایام میں حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی جسے بیعت عقبہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے عہد کیا آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ آئیں گے ہم ان کی معاونت کریں گے اور اپنی جان ان پر نچھاور کریں گے۔ پھر اللہ عزوجل کا حکم آن پہنچا اور اس دوران قریش کے ظلم وستم میں بھی

بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔

۱۳ نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک قافلہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا اور یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہونے لگی۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہارا دارِ ہجرت دکھایا گیا ہے جو کھجوروں والا شہر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے متعلق حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنہیں آپ ﷺ نے اپنے بستر پر لٹایا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل وعیال کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ ہجرت کرنے والے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ جب گھر سے نکلنے لگے تو آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

> ”تو مجھے اور اللہ کو بے حد محبوب ہے مگر یہاں کے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا ہے اگر میں مجبور نہ ہوتا تو یہاں سے ہرگز نہ جاتا۔“

مؤرخین لکھتے ہیں حج کے دنوں میں یثرب جو کہ مدینہ منورہ کا پہلا نام تھا وہاں سے کچھ لوگوں کا قافلہ مکہ مکرمہ آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوتِ حق دی تو انہوں نے لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تو ۱۳ نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو

مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب پہلا گروہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ در گروہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا شروع ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۹۹ تا ۱۰۲، خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۲۹۰)

حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اللہ عزوجل نے وہاں تمہارے لئے بھائی اور امن والے گھر بنائے ہیں۔ آپ ﷺ کا حکم ملتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے ابھی تک ہجرت نہ کی تھی اور آپ ﷺ اللہ عزوجل کی جانب سے وحی کے انتظار میں تھے۔ سیدنا صدیق اکبر اور حیدر کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سمیت چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی مکہ مکرمہ میں باقی رہ گئے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا تم جلدی نہ کرو ہوسکتا ہے اللہ عزوجل نے تمہارے لئے کوئی نیک ہم سفر لکھا ہو۔ پھر جب حکم الٰہی آن پہنچا تو آپ ﷺ نے حیدر کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور خود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔

(صحیح بخاری جلد دوم حدیث نمبر ۱۰۸۷، خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۲۹۰)

روایات میں آتا ہے مشرکین مکہ نے جب دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے لئے ایک محفوظ پناہ گاہ مدینہ منورہ کی صورت میں ڈھونڈ لی ہے تو انہوں نے ایک منصوبہ بنایا جس میں تمام قبائل کا ایک ایک آدمی حضور نبی کریم ﷺ کے باہر اکٹھا ہوا تاکہ ایک لمحے میں حضور نبی کریم ﷺ پر وار کر کے انہیں شہید کر دیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی مشرکین مکہ کے ناپاک ارادوں کی خبر ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حیدر کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ صبح ہوتے ہی لوگوں کی وہ امانتیں جو حضور نبی کریم

ﷺ کے پاس موجود تھیں وہ متعلقہ لوگوں کو واپس کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"علی (رضی اللہ عنہ)! مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا اور میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرنے والا ہوں۔ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں تم ان امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچا دینا۔ مشرکین مکہ نے میرے قتل کی منصوبہ بندی کی ہے اور وہ آج رات مجھے قتل کرنے کا ناپاک ارادہ رکھتے ہیں۔ تم میری یہ چادر اوڑھ لو اور میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق بستر پر لیٹ گئے اور چادر اوڑھ لی۔ مشرکین مکہ نے رات بھر حضور نبی کریم ﷺ کے گھر کا محاصرہ جاری رکھا مگر صبح ہوتے ہی انہیں خبر ہوئی کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو چکا اور حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے باہر جا چکے ہیں۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۱۰۲، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۰۵)

حضور نبی کریم ﷺ اپنے دولت خانہ سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب فرمایا:

"بطحائے مکہ، تو پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔"

اسی رات آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر گھر کے عقب میں

ایک دریچہ سے نکلے اور کوہ ثور کے غار پر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ داخل نہ ہوں۔ جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہولوں تاکہ اگر اس میں کوئی سانپ بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے آپ ﷺ کو نہ کاٹے۔

اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دی۔ اس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلوار پھاڑ کر ان کو بند کیا مگر دو سوراخ باقی رہ گئے، ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دیئے۔ پھر عرض کیا اب تشریف لائیے۔ آپ ﷺ داخل ہوئے اور سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کاٹا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ ﷺ جاگ اٹھیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو جو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے تو فرمایا:

"ابوبکر تجھے کیا ہوا؟"

عرض کی:

"میرے ماں باپ آپ پر فدا مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا۔"

آپ ﷺ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا۔

(مشکوۃ شریف باب مناقب ابی بکر)

اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آ کر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا

غلام عامر بن فُہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو دو بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس ﷺ اور صدیق اکبر کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبداللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تاکہ نقش مٹ جائے۔

جب آنحضرت ﷺ رات کو اپنے دولت خانہ سے نکل آئے تو صبح کو کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں اس لیے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت ﷺ کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا۔

(مشکوٰۃ شریف باب فی المعجزات فصل ثالث)

دہانہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر (حضرت) محمد (ﷺ) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ اس حال میں آہٹ پاکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"یارسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے تو ہمیں دیکھ لے گا۔"

آپ نے فرمایا:

"غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گزار کر شب دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے عامر بن فُہیرہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ بدرقہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ راستے میں اگر کوئی حضرت

صدیق سے رسول اللہ ﷺ کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادی طریق ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرہ میں جمع ہوتے۔انتظار کرتے جب دوپہر ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لیے نظر دوڑائی۔اسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکار اٹھا:

"اے معشر عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا۔"

یہ سن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرہ قباء کے عقب میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا۔اور اظہار مسرت کے لیے نعرہ تکبیر بلند کیا۔جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں پہنچی۔یہ قبیلہ موضع قباء میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ہے آباد تھا۔اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اوسی تھا۔اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اترے تھے۔حضور ﷺ نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

ایک روایت میں ہے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے والد بزرگوار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ انہوں نے مدینہ کو کیسا پایا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"جن کے ساتھ میں مدینہ آیا ہوں ان کی خاطر میں موت کو جوتے کے ایڑی کے ایک پرزے سے بھی زیادہ حقیر تصور کرتا

ہوں۔" (البدایہ والنہایہ جلد سوم صفحہ ۲۱۸)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت بے مثل تھی جس کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دفاعی شعبے کا انچارج مقرر کیا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صلاحیتوں سے ثابت کیا کہ وہ بلاشبہ اس منصب کے حقدار ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ بھی ہر مہم میں مجاہدین کی روانگی کے لئے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کے مشورے کو دیگر پر فوقیت دیتے۔

غزوہ تبوک سے واپسی پر حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرماتے ہوئے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ حج کی غرض سے بھیجا اور یہ بعثت نبوی ﷺ کے بعد پہلا باقاعدہ حج تھا اور آپ رضی اللہ عنہ اس حج میں حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے امیر مقرر کئے گئے تھے جو اس بات کی دلیل ہے آپ رضی اللہ عنہ ہی حضور نبی کریم ﷺ کے بعد منصب امارت کے حقدار تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ امیر حج بنائے جانے سے سے قبل بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کئی اہم ذمہ داریاں سونپتے رہے تھے اور اب آپ رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے امیر حج کے تمام فرائض ادا کئے اور اپنے ساتھیوں کے کھانے پینے اور سونے کا برابر انتظام کرتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو اس طریقے سے منظم کیا کہ دشمنانِ اسلام یہی سمجھتے رہیں مسلمان تعداد میں ان کی توقع سے بہت زیادہ ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کلام جاری تھا اس دوران حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ

رضی اللہ عنہ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

"حضرت علی (رضی اللہ عنہ)! کیسے آئے ہو کیا قاصد بن کر آئے ہو یا قائد بن کر؟"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"میں قائد نہیں قاصد بن کر آیا ہوں اور حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے سورۃ توبہ دے کر بھیجا ہے کہ میں یہ حج کے دن لوگوں کو سناؤں۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے اور خانہ کعبہ کا طواف کر چکے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمیں مناسک حج کی تعلیم دی۔

اس کے بعد حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۃ توبہ کی تلاوت فرمائی اور اعلان کیا اب کوئی بھی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوگا، کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر عرفہ کے دن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حج کا خطبہ دیا تو حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سورۃ توبہ کی ایک مرتبہ پھر تلاوت فرمائی۔ پھر جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قربانی کا حکم دیا تو قربانی کے بعد حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے پھر سورۃ توبہ کی تلاوت کی اور پھر جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سعی کا طریقہ بتایا اور سعی کرنے کا حکم دیا تو حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سعی کے بعد پھر سورۃ توبہ کی تلاوت فرمائی۔ یوں حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے

حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق چار مرتبہ سورۃ توبہ کی تلاوت فرمائی۔

مؤرخین لکھتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا جبکہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نقیب اسلام مقرر فرمایا اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کو معلم بنایا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی جانب سے قربانی کے لئے بیس اونٹ بھی دیئے۔

(سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳۴۴ تا ۳۴۹، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۴۳ تا ۴۴۴)

مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰ھ میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی جانب حج بیت اللہ کی غرض سے عازم سفر ہوئے۔ آپ ﷺ کی روانگی کی خبر آناً فاناً گردونواح میں پھیل گئی اور پھر لوگوں کے قافلے جوق در جوق آپ ﷺ کے قافلے سے ملنے لگے اور یوں جب یہ قافلہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا تو روایات کے مطابق اس قافلے میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد موجود تھے۔

۲۸ صفر المظفر کو حضور نبی کریم ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور جنت البقیع سے واپسی پر آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں قیام کیا۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود آپ ﷺ باقاعدگی سے نماز پڑھاتے رہے۔ جب طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نماز کی امامت کے لئے کہیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ان پر رقت طاری ہوجاتی ہے وہ جب قرأت کریں گے تو لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے

آپ ﷺ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حکم دیں وہ امامت کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں! امامت صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی کریں گے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۹۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا جس مرض میں وصال ہوا ان دنوں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز میں امامت فرماتے تھے حتیٰ کہ سوموار کے روز جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے لئے بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے اچانک اپنے حجرۂ اقدس کا پردہ ہٹا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب دیکھا۔ اس وقت آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس قرآن مجید کے اوراق کی مانند دکھائی دیتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور پھر ہنس پڑے۔

واقدی کا قول ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وصال فرمایا اور دوسرے دن یعنی سہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت زوال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۴۰۴)

روایت ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارک میں حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ایسے ہچکیاں بھر رہے تھے جیسے گھڑا چھلک رہا ہو مگر اس حالت میں بھی وہ قول و فعل میں مضبوط اور استقلال دکھا رہے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ پر جھکے، حضور نبی کریم ﷺ کا چہرہ کھولا اور پیشانی اور رخساروں کو بوسہ دیا اور حضور نبی کریم ﷺ کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور بے ساختہ رونے لگے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا معاملہ پیش آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شش و پنج میں مبتلا ہوئے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین کہاں کی جائے؟ اس

موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ نبی جس جگہ وصال فرماتا ہے اسی جگہ اس کی تدفین عمل میں آتی ہے۔"

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون کیا گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۳۹)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے بعد جب جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا تاکہ اُمت کو متحد رکھا جاسکے تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت کرلیا اور آپ رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت سب سے پہلے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی اور بیعت کرتے ہوئے فرمایا: بلاشبہ آپ رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے سب سے زیادہ قریب ہیں اس لئے ہمیں آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں کسی بھی قسم کا کوئی اعتراض نہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت ابتداء میں مشکلات سے دوچار رہی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت کو مستحکم کرنے پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور تمام فتنوں اور مرتدین کا خاتمہ کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد جن قبائل نے بغاوت کی اور ان کے سردار بادشاہ بن بیٹھے آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لئے مہمات روانہ کیں۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی معاملہ فہمی اور دینی وسیاسی بصیرت تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ ہی عرصہ میں ان تمام فتنوں اور خطرات کا سدباب کیا جس سے دین اسلام کو خطرات لاحق تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں ذمیوں اور محکوموں کے ساتھ انسانی رواداری کا منفرد درس دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ذمیوں اور محکوموں سے متعلق

حضور نبی کریم ﷺ کے فرمودات پر عمل کیا اور ان کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔ حیرہ کے عیسائیوں سے جب معاہدہ ہوا تو حکم دیا کہ ان کی عبادت گاہوں اور گرجوں کو کچھ نقصان نہ پہنچایا جائے اور ان کے ایسے قلعوں کو بھی نہ گرایا جائے جنہیں یہ ضرورت کے وقت دشمن کے مقابلے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے مذہبی تہواروں کے موقع پر جب عیسائی صلیب کا جلوس نکالنا چاہیں تو انہیں ہرگز نہ روکا جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رواداری اور حسن سلوک کی بدولت بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی لشکر روانہ کرتے تو اپنے سالاروں کو حکم دیتے کہ وہ محکوموں کے حقوق کا خاص خیال رکھیں اور ان کی دل آزاری کا سبب بننے والا کوئی کام نہ کریں۔ اگر کوئی محکوم جزیہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس کو جزیہ معاف کر دیا جائے اور اگر کوئی محتاج ہے تو اس کی کفالت بیت المال کے ذمہ لگائی جائے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں اور محکوموں کے حقوق واضح کر کے یہ ثابت کر دیا دین اسلام کی بنیاد بھائی چارے اور رواداری پر ہے اور مسلمان ظلم کے صریحاً خلاف ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ تعلیم اسلام کے زندہ پیکر اور اخلاقِ نبوی ﷺ کی زندہ تصویر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ سوا دو سال کے اس قلیل عرصہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی کام ایسا نہ کیا جو سنت رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس مختصر دورِ خلافت میں ایسے کارنامے انجام دیئے جو بعد میں آنے والے خلفاء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی فکری سوچ، غیر معمولی ذہانت، دینی و سیاسی بصیرت اور روشن ضمیری سے وہ کام کئے جو کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ

نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختصر جماعت کے ہمراہ تمام عرب اور ارد گرد میں پھیلی ایرانیوں اور رومیوں کی طاقت کو اپنی روحانی اور اخلاقی طاقت سے مغلوب کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو صحیح معنوں میں حضور نبی کریم ﷺ کا جانشین ثابت کیا۔آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھنے والے ان سے سیکھنے والے اور ان کو سننے والے موجود تھے وہ سب بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بصیرت اور اخلاقی اقدار کے قائل تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بہت زیادہ بیمار ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا میں اختیار دیتا ہوں تم اپنے لئے خلیفہ چن لو۔لوگوں نے کہا ہمیں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی رائے میں کوئی اعتراض نہیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے قدرے خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔

”میرے نزدیک عمر (رضی اللہ عنہ) بن خطاب سے بہتر کوئی نہیں۔“

ابن سعد کی روایت ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کچھ لوگ عیادت کے لئے حاضر ہوئے۔لوگوں نے عرض کیا۔

”اے خلیفہ رسول ﷺ! کیا ہم آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کسی طبیب کو نہ بلوائیں؟“

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”طبیب نے مجھے دیکھا ہے۔“

لوگوں نے پوچھا۔

”پھر طبیب نے آپ رضی اللہ عنہ سے کیا کہا؟“

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”طبیب کہتا ہے میں ہر اس کام کو گزرنے والا ہوں جس کا میں

ارادہ رکھتا ہوں۔"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرض الموت کی ابتداء سات جمادی الثانی کو ہوئی۔ اس روز سوموار کا دن تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نہائے تو آپ رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا جو پندرہ دن تک رہا۔ اس دوران سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر امامت فرماتے رہے۔ بالآخر ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو آپ رضی اللہ عنہ اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئے۔

ابن سعد کی روایت ہے بوقت وصال سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اتنی ہی تھی جتنی حضور نبی کریم ﷺ کی تھی۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۹، طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۳۲ تا ۳۸، اسد الغابہ جلد پنجم صفحہ ۳۲۰)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غسل آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے حسب وصیت دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ بنت عمیس اکثر روزہ سے ہوتی تھیں اور جس دن آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں قسم دے کر روزہ رکھنے سے منع فرمایا تاکہ بوقت غسل کہیں نقاہت نہ ہو جائے۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اسلام میں پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اپنے خاوند کو غسل دیا۔

روایات میں آتا ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال وصیت کی میرا جنازہ اسی چارپائی پر اٹھایا جائے جس پر حضور نبی کریم ﷺ کا جنازہ اٹھایا گیا تھا۔ وہ چارپائی ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تھی اور وہ لکڑی کی چارپائی تھی اور کھجور وغیرہ کے پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ پھر وہ چارپائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام نے چار ہزار درہم میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی میراث میں سے خریدی اور اسے عام مسلمانوں کی ملکیت قرار دے دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور قبر مبارک حضور نبی کریم ﷺ کے پہلو میں کھودی گئی۔ قبر مبارک میں سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا عثمان ابن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم نے اتارا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی لحد میں اترنا چاہا تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا۔

"بس کافی ہیں۔"

زمعہ بن قیس

اُم المومنین حضرت سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد کا نام زمعہ بن قیس ہے۔

ان کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے۔

زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدو بن نصر بن مالک بن حسل بن عمار بن لوئی۔

زمعہ قبیلے قریش کی شاخ عامر بن لوئی سے تعلق رکھتے تھے اور زمعہ کی اہلیہ کا اسم گرامی الشموس ہے اور ان سلسلہ نسب اس طرح ہے:

الشموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن خرائنبن عامر بن غنم بن عدی بن النجار۔

آنحضرت ﷺ کی یہ ساس الشموس عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو بن زید کے بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ابھی تک شادی نہ کی تھی اس موقع پر ایک صحابی رسول حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ کی بیوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بتایا تو آنحضرت ﷺ نے رضامندی کا اظہار فرمایا آپ ﷺ کی طرف سے رضامندی کے حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد کے پاس گئیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے لیے آنحضرت ﷺ کا پیغام دیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ان کے منہ سے بے ساختہ "مرحبا" نکل گیا بعد میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے اس سے مشورہ کیا اور خود ہی اپنی صاجزادی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پڑھا دیا اور حق مہر کی رقم چار سو درہم مقرر کی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ایک بھائی عبد الرحمان بن ذمعہ اس وقت مکہ سے باہر گئے ہوئے مگر جب وہ واپس آئے اور اپنی بہن کا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہونے کی خبر ملی تو عبد الرحمان نے غصہ اور پشیمانی سے اپنے سر میں مٹی ڈال لی اور دور جہالت کی طرح آہ، بکا کرنے لگا مگر جب بعد میں عبد الرحمان بن ذمعہ مسلمان ہو گئے تو پھر حضرت عبد الرحمان بن ذمعہ رضی اللہ عنہ بڑے فخر سے لوگوں کو بتاتے تھے کہ آنحضرت ﷺ میرے بہنوئی ہیں۔

خزیمہ بن حارث

اُم المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا اسم گرامی خزیمہ بن حارث ہے۔ اس کا سلسلہ نسب اس طرح روایات میں آیا ہے۔

خزیمہ بن الحارث بن عبد اللہ بن عکرمہ بن خصفہ بن خنیص بن عیلان الھلالی

جبکہ خزیمہ بن الحارث کے صاجزادے اور جناب سیدہ اُم المومنین زینب

رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت ابی خثیمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ابی اُمیہ سہیل بن مغیرہ

اُم المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام ابی امیہ سہیل بن مغیرہ ہے یہ بنو مخزوم کے معزز فرد تھے جو قریش ہی کی ایک شاخ ہے ان کا شمار قریش کے مشہور، معروف اور معزز خاندان میں ہوتا ہے۔ان کا شجرہ نسب اس طرح ہے:

ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن سہیل بن المغیرہ

سہیل مغیرہ کی بیوی کا نام عاتکہ بنت عامر ہے۔ابی امیہ سہیل بن مغیرہ مکہ کے سخی دل اور مالدار شخص تھے۔وہ مکہ کے بہت سے کمزور اور مساکین کی کفالت فرماتے ان کے پاس سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا اور اسی سخاوت کے سبب سے مکہ کے لوگوں نے ان کو "زادالراکب" کالقب دے رکھا تھا ان کی لاڈلی بیٹی "ہند" جن کی کنیت "اُم سلمہ" ہے۔

جحش بن ریاب

اُم المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے والد گرامی کا اسم گرامی "جحش" ہے۔ان کا سلسلہ نسب روایات اس طرح آیا ہے:

جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرہ بن کثیر بن غنم بن دوُدان بن اسد بن خزیمہ

جحش بن ریاب کا نکاح رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی حضرت اُمیمہ سے ہوا اس طرح جحش بن ریاب رسول اللہ ﷺ کے سُسر کے علاوہ رشتے میں سگے پھوپھا بھی

لگتے تھے، ان کے دو بیٹوں حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور حضرت عبید بن جحش رضی اللہ عنہ دین اسلام کی پہلی ہجرت بجانب حبشہ کے قافلے میں شامل تھے۔

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر آپ رضی اللہ عنہ کا نام "عمر" رکھا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا لقب "فاروق" ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوحفص" ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنی عدی سے ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اپنی ذاتی اور خاندانی وجاہت کی بناء پر قریش میں ممتاز اور بلند مرتبہ کا حامل تھا۔ (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۴۱)

حضرت ابوعمرو زکوان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام "فاروق" کس نے رکھا؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور نبی کریم ﷺ نے ان کا نام "فاروق" رکھا تھا۔

(اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۴۵)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت اور واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد اور واقعہ فجارِ اعظم کے چار برس بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور جب حضور نبی کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر قریباً ستائیس برس تھی۔ (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۴۱)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شمار عرب کے تعلیم یافتہ افراد میں ہوتا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ عرب کے ان چند لوگوں میں سے ایک تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نوجوانی میں توانا جسم اور اعلیٰ صلاحیتوں سے مزین تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ علم الانساب کے بھی ماہر تھے اور اس کے علاوہ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو فنونِ

لطیفہ سے بے حد شغف تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی علمی قابلیت و استعداد کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کو قریش کے سفیر کا درجہ حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ذریعے ہی جنگ اور امن کے پیغامات دیگر قبائل تک پہنچائے جاتے تھے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ماہر پہلوان بھی تھے اور عرب میں زمانہ قدیم سے جاری میلوں بالخصوص عکاظ کے میلے میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ شمشیر زنی میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ماہر نیزہ باز بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک شاندار گھڑ سوار تھے اور بھاگتے ہوئے گھوڑے پر آسانی سے سوار ہو جاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ سرکش گھوڑا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں موم ہو جاتا تھا۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب ہوش سنبھالا اور جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آبائی پیشہ تجارت کو ہی بطورِ روزگار اختیار کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے تجارت کی غرض سے کئی ممالک کا سفر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے علمی ذوق اور ذہنی قابلیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جب بھی کسی ملک کا سفر کرتے تو اس جگہ کی زبان اور اس کی ثقافت سے بھی آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کے ہاں ہونے والی علمی محافل میں شریک ہوتے اور ان محافل سے علمی استفادہ کرتے تھے۔

(اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۱۴۱۶)

روایات میں آتا ہے حضور نبی کریم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا اس وقت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک قریباً ستائیس برس تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے توحید کی دعوت دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمائی۔

"اے اللہ! عمر (رضی اللہ عنہ) بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابوجہل)

دونوں یا دونوں میں سے ایک کے ذریعے اسلام کی خدمت فرما۔" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۰)

اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشی اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنے قبولِ اسلام کو خاندان کے دیگر لوگوں اور آپ رضی اللہ عنہ سے چھپا رکھا تھا۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کے ایک اور شخص حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے۔ ایک دن آپ رضی اللہ عنہ اسی کیفیت میں تلوار نیام سے نکالے جا رہے تھے راستہ میں حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا تو پوچھا عمر (رضی اللہ عنہ)! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آج محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلا ہوں۔ حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو کہا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! تمہیں تمہارا نفس دھوکہ دے رہا ہے، تم کیا سمجھتے ہو اگر تم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا تو بنی عبدمناف تمہیں چھوڑ دیں گے، تم زمین پر چلنے کے قابل نہیں رہو گے اور حضور نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے سے پہلے تم اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور

بہنوئی نے اسلام قبول کرلیا ہے اور انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت قبول کرلی ہے۔"

مورخین لکھتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو اپنی بہن کے گھر روانہ ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بہن اور بہنوئی کے گھر اس وقت حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ موجود تھے جو انہیں سورۃ طٰہٰ کی تعلیم دے رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ سن کر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو گھر کے ایک کونے میں چھپا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب نے کہا کچھ بھی نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کیوں نہیں، میں نے خود اپنے کانوں سے تم دونوں کو کچھ پڑھتے سنا ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم دونوں نے محمد (ﷺ) کے دین کی پیروی اختیار کرلی ہے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہی اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب شوہر کو بچانے کے لئے آگے بڑھیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو دھکا دے مارا جس سے ان کا سر پھٹ گیا اور خون بہنا شروع ہو گیا۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے جلال کی پرواہ کئے بغیر کہا۔

"ہاں! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سخت لہجہ اور بہن کا بہتا ہوا خون دیکھا تو شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے اچھا مجھے بھی وہ صفحات دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے میں تمہیں وہ پڑھ کر واپس کردوں گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب نے کہا۔

"ان صفحات کو کوئی ناپاک شخص نہیں چھو سکتا اس کے لئے پہلے تمہیں غسل کرنا ہوگا۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے غسل کیا اور اپنی بہن اور بہنوئی سے ان اوراق کا مطالبہ کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت خطاب نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچیں۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ

"بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں اس لئے تم میری عبادت کرو اور میری ہی یاد میں نماز پڑھا کرو۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے اور کہنے لگے کس قدر اچھا اور عظمت والا کلام ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ بے اختیار پکار اٹھے۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

"میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ جو گھر کے اندر چھپے ہوئے تھے انہوں نے جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے تو باہر نکل آئے اور کہنے لگے۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! اللہ کی قسم! میں نے کل ہی حضور نبی کریم ﷺ کو دعا فرماتے سنا تھا الٰہی! عمر (رضی اللہ عنہ) بن خطاب اور عمر بن ہشام دونوں میں سے ایک کے ذریعے دین اسلام کو تقویت پہنچا اور اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور دین

اسلام کو تمہارے ذریعے تقویت پہنچائی۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قلب پر رقت طاری ہو گئی اور آپ رضی اللہ عنہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے مجھے اسی وقت حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲)

مؤرخین لکھتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ اس وقت کوہِ صفا کے نواح میں دارِارقم میں موجود تھے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ دارِارقم روانہ ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا تو حضور نبی کریم ﷺ کو اس بات کی اطلاع پہنچائی۔ حضور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے انہوں نے جب آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق سنا تو فرمایا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ) کو آنے دو اگر تو وہ بھلائی کے ارادے سے آیا ہے تو اس کے ساتھ بھلائی ہو گی اور اگر وہ کسی برائی کے ارادہ سے یہاں آیا ہے تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جس وقت دارِارقم میں داخل ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑ کر فرمایا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! کس ارادہ سے آئے ہو؟"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بات سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جس سے کوہِ صفا کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو کفار افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے آج ہم آدھے رہ گئے۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۵۰)

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! ہمارا دین برحق ہے اور مشرکین باطل ہیں تو پھر ہم اپنے دین کو پوشیدہ رکھ کر کیوں عبادت کرتے ہیں؟ آپ ﷺ مجھے اجازت دیجئے۔ رب کعبہ کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اسلام قبول کرنے سے پہلے میں کفریہ مجالس میں بھی اعلانیہ شرکت کرتا تھا اب میں دین اسلام کی محافل کا بھی خوب چرچا کروں گا اور دیکھوں گا کس میں اتنی جرأت ہے کہ وہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف گندی نظروں سے دیکھ سکے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اجازت دے دی اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ تشریف لے گئے اور مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"جو مجھے جانتا ہے اسے خوب معلوم ہے اور جو مجھے نہیں جانتا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ میں عمر (رضی اللہ عنہ) بن خطاب ہوں۔ میں نے اسلام قبول کرلیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت اختیار کرلی ہے میں تمہیں حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی دعوت دیتا ہوں اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے میں سستی دکھائی تو جلد

میری تلوار تمہاری گردنوں پر ہوگی۔"

پھر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا وِرد جاری رکھا۔ (البدایہ والنہایہ جلد سوم صفحہ ۴۹)

روایات میں آتا ہے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کے بعد ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نماز ظہر کی ادائیگی کے لئے خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے دائیں جانب سیدنا صدیق اکبر، بائیں جانب حضرت سیدنا امیر حمزہ، سامنے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم تھے اور سب سے آگے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ چل رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پہرے میں خانہ کعبہ پہنچے اور نمازِ ظہر ادا فرمائی۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام سے اور حضور نبی کریم ﷺ کی خانہ کعبہ میں نماز کی ادائیگی کو دیکھ کر مشرکین مکہ آگ بگولا ہو گئے مگر حضرت سیدنا امیر حمزہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کے رعب و دبدبہ کی وجہ سے وہ کچھ نہ کر سکے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو ایک مشرک جمیل بن عمر جو ڈھول بجانے کا ماہر تھا اس نے چیخ چیخ کر اعلان کرنا شروع کیا خطاب کا بیٹا عمر (رضی اللہ عنہ) بے دین ہو گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ جھوٹا ہے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ مکہ مکرمہ کے مشرکین آپ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے آپ رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ کرنا شروع کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کہتے جاتے تھے۔

"اگر ہماری تعداد تین سو ہوتی تو مکہ مکرمہ میں میں یا تم رہتے یا پھر ہم رہتے۔" (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۴۵)

حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے جب مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی

اجازت دی گئی تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ واحد شخص تھے جنہوں نے اعلانیہ ہجرت کی تھی۔
حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ماسوائے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے جس نے اعلانیہ ہجرت کی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ ہجرت سے قبل خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے اور تلوار نیام سے نکال لی۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام پر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر امرائے قریش کے پاس گئے اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"تم میں سے کون ہے جو اپنی شکل خراب کروانا چاہے، تم میں سے کون ہے جو اپنی ماں کو بے اولاد کرنا چاہے، تم میں سے کون ہے جو اپنی اولاد کو یتیم کرنا چاہے، تم میں سے کون ہے جو اپنی بیوی کو بیوہ کرنا چاہے اگر تم میں سے کسی کا ایسا ارادہ ہے تو وہ میرے مقابلے میں آئے۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین قریش سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر گھبرا گئے اور کسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کا راستہ روکتا۔ (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۴۶ تا ۶۴۷)

بخاری کی روایت میں ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہجرت فرمائی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ آمد کے بعد انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارے کا رشتہ قائم کیا اور ایک انصار اور ایک مہاجر کو بھائی بھائی بنایا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا رشتہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے قائم کیا گیا جو کہ قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا قیام قبا میں تھا چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے بعد سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم ہوئیں تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا قیام قبا میں کر لیا اور پھر دونوں کے مابین طے ہوا کہ ایک دن ایک حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گا چنانچہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ایک دن حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۵۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بنو مالک بن نجار کے ایک محلہ کے میدان میں جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ بیٹھی تھی آپ ﷺ نے اس میدان کے متعلق دریافت کیا یہ جگہ کس کی ملکیت ہے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ دو کم سن یتیم بھائیوں سہل اور سہیل رضی اللہ عنہم کی جگہ ہے اور ان کے نگران انصار میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اس جگہ مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ فی سبیل اللہ دینی چاہی مگر آپ ﷺ نے اسے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ پر بات کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خواہش پر مسجد نبوی ﷺ کے لئے دس ہزار درہم کے عوض وہ زمین خرید لی۔ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔

(سیرت ابن ہشام جلد صفحہ ۴۹۷)

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کے بعد اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ کوئی ایسی

نشانی مقرر کی جائے جس سے لوگوں کو نماز کے وقت کا پتہ چل جائے چنانچہ ایک تجویز حضور نبی کریم ﷺ کو یہ پیش کی گئی کہ نماز سے پہلے بگل بجایا جائے لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے انکار کر دیا کیونکہ یہ یہود کا طریقہ تھا۔ ایک تجویز یہ پیش کی گئی آگ جلائی جائے جس سے پتہ چل جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے بھی انکار کر دیا کیونکہ یہ مجوسیوں کا طریقہ تھا۔ ایک تجویز یہ پیش کی گئی ناقوس بجا کر نماز کا اعلان کیا جائے مگر حضور نبی کریم ﷺ نے یہ طریقہ بھی رد کر دیا کیونکہ ناقوس بجانے کا طریقہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں رائج تھا۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس مجلس مشاورت میں موجود تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے خواب سے آگاہ کیا کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا کہ نماز کے لئے اذان کہو۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے خواب کے بعد اپنے خواب کا ذکر کیا جس میں انہوں نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے دو سبز چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور اس نے اذان کے کلمات انہیں سکھائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس تجویز کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ اذان کے کلمات حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو سکھائیں۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اذان کے کلمات سیکھنے کے بعد پہلی مرتبہ اذان دی اور یوں نماز سے پہلے باقاعدہ اذان دینے کا طریقہ رائج ہوا۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اذان کی آواز سن کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! یہ وہی کلمات ہیں جو میں نے خواب میں سنے تھے۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کے بتائے ہوئے کلمات کی تصدیق کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کی بات سن کر اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور فرمایا۔

"مجھے وحی کے ذریعے پہلے ہی یہ کلمات بتا دیئے گئے تھے مگر میں اس کی تصدیق اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چاہتا تھا۔"

(صحیح بخاری جلد اول کتاب الاذان حدیث ۵۷۴،۵۷۵)

غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کے ستر کے قریب افراد کو قیدی بنایا گیا جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحویل میں دے دیا اور ان میں سے کچھ کو بعد میں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔

روایات میں آتا ہے جب قیدیوں کے متعلق حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! قیدیوں میں اکثر کا تعلق آپ ﷺ کے خاندان سے ہے انہیں مناسب فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے تاکہ جو فدیہ ان سے حاصل ہو اس سے مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے میں مدد ملے اور ہم اس فدیہ سے اپنے جنگی اخراجات کو بھی پورا کر سکیں۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! میری رائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی میری رائے میں ان سب کے سر قلم کر دیئے جائیں تاکہ مشرکین کو علم ہو سکے کہ ہمارے دلوں میں کفار کے لئے نرم گوشہ

موجود نہیں۔ ہماری اس سختی کو دیکھ کر ان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔"

مؤرخین لکھتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے جب اپنے ان دونوں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات سنی تو خاموشی سے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس آئے اور فرمایا۔

"اللہ عزوجل نے بعض لوگوں کے دل بہت نرم کئے ہیں اور وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہے اور بعض کے دلوں کو سخت کیا ہے اور وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی اے اللہ! جو میری بات مان لے وہ میرے ساتھ ہے جو میرا انکار کرے تو اس کو بھی بخش دے اور تو ہی رحم فرمانے والا ہے۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی مثال عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! تیرا حق ہے اور یہ تیرے بندے ہیں چاہے تو انہیں عذاب دے اور چاہے تو بخش دے اور تیرا قول غالب اور حکمت والا ہے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی مثال نوح علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ! روئے زمین پر کسی کافر کو باقی نہ رہنے دے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جنہوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے اللہ! ان کے مال تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ یہ دردناک عذاب دیکھے بغیر تجھے ماننے والے نہیں ہیں۔"

مؤرخین لکھتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشورہ اور فیصلے کو ترجیح دی اور متعدد قیدیوں کو مناسب فدیہ کے عوض رہا کر دیا۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۳۸)

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ پر اعتراض کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی۔

"یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ﷺ اللہ کے سچے نبی نہیں؟"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! میں اللہ کا سچا نبی ہوں۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔

"کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں؟"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"بے شک ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔

"پھر آپ نے دین کے معاملے میں ہم پر یہ ذلت کیوں گوارا کی؟"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا وہ میری مدد ضرور فرمائے گا۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟"

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"کیا میں نے کہا تھا کہ ہم اس سال طواف کریں گے؟"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"انشاء اللہ تم ضرور بیت اللہ شریف کا طواف کرو گے۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گیا اور ان سے وہی سوال پوچھے جو میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا۔

"عمر (رضی اللہ عنہ)! یاد رکھو! حضور نبی کریم ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے تم بھی ان کا دامن پکڑے رکھو اللہ کی قسم! حضور نبی کریم ﷺ حق پر ہیں۔"

معاہدہ حدیبیہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بطورِ گواہ دستخط کئے۔ اس معاہدے کے بعد مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی آمدورفت میں آسانی ہوگئی اور فتح مکہ تک بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ معاہدہ حدیبیہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیاسی سوچ کا عکاس ہے اس معاہدہ کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کو مشرکین مکہ کی جانب سے اس بات پر اطمینان ہو گیا کہ اب وہ جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۲۴۶ تا ۲۵۶ ۔مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۲۵۴ تا ۲۶۷)

مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰ھ میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی جانب حج بیت اللہ کی غرض سے عازم سفر ہوئے۔ آپ

ﷺ کی روانگی کی خبر آناً فاناً گرد و نواح میں پھیل گئی اور پھر لوگوں کے قافلے جوق در جوق آپ ﷺ کے قافلے سے ملنے لگے اور یوں جب یہ قافلہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا تو روایات کے مطابق اس قافلے میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد موجود تھے۔

۲۸ صفر المظفر کو حضور نبی کریم ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور جنت البقیع سے واپسی پر آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں قیام کیا۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود آپ ﷺ باقاعدگی سے نماز پڑھاتے رہے۔ جب طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نماز کی امامت کے لئے کہیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے وہ جب قرأت کریں گے تو لوگ ان کی آواز نہ سن سکیں گے آپ ﷺ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حکم دیں وہ امامت کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں! امامت صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی کریں گے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۹۰)

واقدی کا قول ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وصال فرمایا اور دوسرے دن یعنی سہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت زوال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۴۰۴)

حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا معاملہ پیش آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شش و پنج میں مبتلا ہوئے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین کہاں کی جائے؟ اس

موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ نبی جس جگہ وصال
فرماتا ہے اسی جگہ اس کی تدفین عمل میں آتی ہے۔"

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون کیا گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۳۹)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا تو آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا۔

"آپ رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی نہیں ہے اور آپ رضی اللہ عنہ ہمارے سردار
اور حضور ﷺ کے صحیح جانشین ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے
ہمیشہ آپ رضی اللہ عنہ کو عزیز رکھا اور آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دی۔"

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تمام مخلوق آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر ٹوٹ پڑی اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد انصار نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر بیعت کر لی۔ آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس لوٹے اور پھر حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت سالم بن عبیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انصار کے کسی شخص نے کہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک آپ میں سے؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا۔

"ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۲۳ تا ۲۴، تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۸ تا ۱۰۱، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۰۴، صحیح بخاری جلد دوم کتاب المناقب حدیث ۸۶۶)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بہت زیادہ بیمار ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا میں اختیار دیتا ہوں تم اپنے لئے خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے کہا ہمیں اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی رائے میں کوئی اعتراض نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قدرے خاموش رہنے کے بعد فرمایا۔

"میرے نزدیک عمر (رضی اللہ عنہ) بن خطاب سے بہتر کوئی نہیں۔"

روایات میں آتا ہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو پندرہ روز تک بیمار رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ بخار کی شدت میں بھی مسجد میں تشریف لاتے مگر جب بخار کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دیا۔ پھر جب اپنے وصال کا یقین ہو گیا تو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کے مشورہ سے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا نام بطورِ خلیفہ پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں عمر (رضی اللہ عنہ) کے خلیفہ بننے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن ان کا مزاج سخت ہے۔ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا ان کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بھی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مزاج کے سخت ہونے کی شکایت کی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی باتیں سننے کے بعد فرمایا جب خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر پڑے گا تو ان کی طبیعت خود بخود نرم ہو جائے گی۔ کسی نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اب اللہ کو کیا جواب دیں گے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس وقت تم سب میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا وہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا پروانہ تیار کریں۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے خلافت کا پروانہ لکھ دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی مہر ثبت کی اور دعا کی اللہ عزوجل عمر (رضی اللہ عنہ) کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں نے اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ عمر (رضی اللہ عنہ) کا انتخاب کیا ہے تم اس کے احکامات پر عمل کرو اور اس کی اطاعت کرو۔"

پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور انہیں امورِ خلافت سے متعلق کچھ نصیحتیں کیں۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۳۶ تا ۴۷۔ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۱۹ تا ۱۲۰)

آپ رضی اللہ عنہ، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد ۲۳ جمادی الثانی ۱۳ھ کو منصب خلافت پر متمکن ہوئے۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک باون برس تھی۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو اہم فیصلہ کیا وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کے چیف آفیسر کے عہدہ سے معزول کرنا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جگہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کا چیف آفیسر مقرر کیا۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ۱۷ھ میں ان کے عہدہ سے معزول کیا گیا۔ کئی لوگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اس معزولی کی وجہ ذاتی عناد کو قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے معزول ہونے کے بعد مدینہ منورہ

واپس آکر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے اپنی معزولی پر شکوہ کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"خالد (رضی اللہ عنہ)! مجھے تم سے ویسی محبت ہے جیسی ہونی چاہئے اور میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تمہیں معزول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تمہارے کارناموں کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو رہے تھے۔ میں نے تمہیں معزول اس لئے کیا کہ لوگ جان جائیں کہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کرتا ہے۔"

(تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم صفحہ ۲۰۸۔ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۳۶)

تاریخ اسلام میں کوئی بھی شخص سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پایہ کا فاتح نہیں ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی فتوحات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چھتیس سو (۳۶۰۰) علاقے فتح ہوئے، ۹۰۰ جامع مساجد کی تعمیر ہوئیں اور ۴۰۰۰ عام مساجد تعمیر ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مفتوحہ علاقوں کا کل رقبہ بائیس لاکھ مربع میل ہے۔

بیت المقدس آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی جانب روانگی کے لئے اپنے ایک غلام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کے ساتھ یہ طے کیا کچھ راستہ وہ اونٹ پر سوار ہوں گے اور وہ پیدل چلے گا اور کچھ راستہ وہ اونٹ پر سوار ہو گا اور وہ پیدل چلیں گے چنانچہ اس طرح یہ قافلہ سفر کرتا ہوا بیت المقدس پہنچ گیا۔ جس وقت یہ دونوں حضرات بیت المقدس میں داخل ہوئے تو اس وقت اونٹ پر غلام سوار تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی مہار تھام رکھی تھی۔ عیسائیوں نے سمجھا شاید اونٹ سوار ہی مسلمانوں کے امیر ہیں اس لئے انہوں نے بڑی خاطر تواضع کی اور شاندار استقبال کیا۔ اس دوران حضرت

ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم آ گئے اور انہوں نے جب آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے لباس پر بے شمار پیوند لگے ہوئے تھے اور ان حضرات نے قیمتی لباس پہن رکھے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اس حال میں دیکھا تو نہایت غضبناک انداز میں فرمایا کہ تم لوگوں نے اتنی جلدی عجمیوں کی سی صورت بنالی۔ انہوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! ہمارے ان لباسوں کے نیچے ہتھیار ہیں اور ہم اب بھی عربی اخلاق پر قائم ہیں جس پر آپ رضی اللہ عنہ کی تسلی ہوئی۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شام کی مہم میں شامل تھے ان کو اذان دینے کی درخواست کی۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر اذان دی جس سے زمانہ نبوی ﷺ کی یاد تازہ ہوگئی اور روتے روتے اہل اسلام کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۲)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کیا گیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا عثمان ابن عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کا کام تھا کہ وہ روزمرہ کے معمولی اور اہم نوعیت کے تمام معاملات کو نبٹائے۔ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مجلس شوریٰ کے ارکان اکابر مہاجر و انصار کا اجلاس طلب کرتے جس میں سب کی رائے معلوم کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاتا تھا۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

بیت المال کا قیام ۱۵ھ میں عمل میں آیا۔ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شام کی طرح بیت المال کے قیام کا مشورہ دیا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے قیام کے بعد حضرت عبداللہ ابن ارقم رضی اللہ عنہما کو انچارج مقرر فرمایا کیونکہ وہ حساب کتاب کے ماہر تھے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے قیام کے بعد تمام صوبوں کے گورنروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے مصارف کے لئے رقم نکال کر بقایا رقم اور مال مرکزی بیت المال کو روانہ کر دیا کریں چنانچہ مختلف ذرائع سے جو رقوم اور مال و اسباب بیت المال میں اکٹھا ہوتا اس کا حساب کتاب رکھا جاتا تھا۔

زہری کہتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کوئی بھی مشرک جو بالغ ہو وہ مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک مکتوب ملا جس میں انہوں نے لکھا کوفہ میں فیروز نامی ایک شخص ہے جو نقاشی اور آہن گری میں ماہر ہے اور اگر آپ رضی اللہ عنہ اسے مدینہ منورہ آنے کی اجازت دیں تو وہ ہمارے بڑے کام آئے گا۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جوابی مکتوب لکھا تم فیروز کو مدینہ منورہ بھیج دو۔ فیروز جب مدینہ منورہ آیا تو اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ پر زیادہ ٹیکس لگا رکھا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ اس میں کچھ کمی کر دیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تم روزانہ کتنا ٹیکس دیتے ہو؟ وہ بولا دو درہم۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا تمہارا پیشہ کیا ہے؟ وہ بولا آہن گری اور نقاشی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تم جس پیشہ کے ماہر ہو اس پر یہ ٹیکس تو انتہائی معمولی ہے۔

زہری کہتے ہیں فیروز نے جب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تو وہ دل

میں بغض رکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور کہنے لگا امیر المومنین نے میرے علاوہ ہر ایک ساتھ انصاف کیا ہے۔

زہری کہتے ہیں ایک دن سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فیروز کو بلایا اور اس سے پوچھا میں نے سنا ہے تم چکی تیار کر سکتے ہو جو ہوا سے چلے؟ فیروز جو ابھی تک دل میں بغض لئے بیٹھا تھا کہنے لگا میں آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ایسی چکی تیار کروں گا جسے لوگ عرصہ دراز تک یاد رکھیں گے۔ جب فیروز رخصت ہو کر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے مصاحب سے فرمایا یہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔

زہری کہتے ہیں اگلے دن فیروز نے ایک تیز دھاری دار خنجر اپنی آستین میں چھپایا اور مسجد میں صبح کے وقت جا کر ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ مسجد میں کچھ لوگ صفیں درست کرنے پر مامور تھے اور جب وہ صفیں درست کر لیتے تو پھر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تشریف لاتے اور امامت فرماتے تھے چنانچہ اس دن بھی ایسا ہی ہوا اور جب صفیں درست ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نماز کے لئے تشریف لائے تو فیروز اپنی چھپی ہوئی جگہ سے نکلا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ پر خنجر کے چھ وار کئے اور ان میں سے ایک وار ناف کے نیچے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی حالت میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ہاتھ پکڑ کر امامت کے لئے آگے کیا اور زمین پر گر پڑے۔ جب لوگوں نے فیروز کو پکڑنے کی کوشش کی تو اس نے کئی اور لوگوں کو بھی زخمی کر دیا مگر پھر جب وہ پکڑا گیا تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۷، البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۶، طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۲، صحیح بخاری جلد اول کتاب الجنائز حدیث ۱۳۱۰)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی حالت شدید زخمی ہونے کی بناء پر آہستہ آہستہ مزید

خراب ہونے لگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا وہ انہیں حضور نبی کریم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں سپردِ خاک ہونے کی اجازت مرحمت فرما دیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے والد بزرگوار کی خواہش کا اظہار کیا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

"یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی لیکن میں عمر رضی اللہ عنہ کو خود پر ترجیح دیتی ہوں اور یہ جگہ ان کو عطا کرتی ہوں۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے واپس آ کر والد بزرگوار کو یہ بات بتائی تو آپ رضی اللہ عنہ بطورِ شکرانہ سجدہ میں چلے گئے۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۱۷، البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۱۸۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۶)

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا دیکھو میرے اوپر بیت المال کا کتنا قرض ہے؟ انہوں نے فرمایا چھیاسی ہزار۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"تم میرا تمام مال فروخت کر کے رقم بیت المال میں جمع کرا دینا اور اگر یہ رقم ناکافی ہو تو پھر اپنے مال سے اس کو ادا کرنا اور اگر پھر بھی ناکافی ہو تو بنی عدی بن کعب سے لے لینا اور اگر پھر بھی قرضہ پورا نہ ہو تو قریش سے قرض کی ادائیگی کا سوال کرنا اور ان کے علاوہ کسی سے نہ کہنا۔"

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۷، طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۱۹)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ھ کو زخمی ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا

وصال یکم محرم الحرام ۲۴ھ بروز ہفتہ ہوا۔ بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک قریباً تریسٹھ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو بیری کے پتوں میں ابلے ہوئے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی جو حضور نبی کریم ﷺ کے منبر اور مزار کے درمیان ریاض الجنۃ میں ادا کی گئی جبکہ سیدنا عثمان ابن عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کو قبر مبارک میں اُتارا۔

حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ

اُم المومنین حضرت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ماجد حضرت حارث بن ابی ضرار ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب روایات میں کچھ اس طرح سے بیان ہوا ہے:

حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عمرو۔

حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے قریب واقع ایک قبیلہ بنو معطلق سے ہے اور وہ اس قبیلے کے سردار تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ قبیلہ بنو معطلق کے لوگ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ان کی سرکوبی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا۔

جب مسلمان تیز رفتاری سے وہاں سے پہنچے تو اس قبیلے والوں سے ٹکراؤ ہو گیا مسلمانوں نے ان کے دس مرد قتل کر دیئے جبکہ باقی لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا ان گرفتار

شدگان میں قبیلہ بنو معطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ کی بیٹی "کبرہ" بھی شامل تھی اس کا شوہر مصافع بن صفوان اس مختصر جنگ میں ہلاک ہو چکا تھا۔ جب مسلمانوں میں مال غنیمت کی تقسیم شروع کی تو یہ "کبرہ" نامی بیوہ ایک بزرگ صحابی حضرت ثاقب بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں مگر یہ "برہ" رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور مدد کی درخواست گزار ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے "برہ" کی رضا مندی سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو (۹۰) تولہ سونا دے کر ان سے نکاح کر لیا اور ان کا اسم گرامی "جویریہ" رکھا گیا۔

اسی دوران اس عورت کے والد حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں قبیلہ بنو معطلق کا سردار ہوں اور میری بیٹی "برہ" آپ ﷺ کی قید میں ہے وہ بطور کنیز زندگی نہیں گزار سکتی از راہ کرم اسے رہا فرما دیا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم اپنی بیٹی سے پوچھ لو اگر وہ جانا چاہتی ہے تو لے جاؤ۔"

پھر حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی سے پوچھا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی قربت کو افضل اور برتر جانا اور والد کے ہمراہ جانے سے انکار کر دیا پھر حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا قائل ہو کر مسلمان ہو گیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے برہ (جویریہ) سے عقد فرما لیا ہے تو ان لوگوں نے اس قبیلے کے تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ تمام لوگ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی ہیں۔ حارث بن ابی ضرار رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد چوتھے مسلمان سسر ہیں۔

حارث بن حزن

اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی کا نام حارث بن حزن ہے اور ان کا شجرہ نسب اس طرح ملتا ہے:

حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رو بیہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن غیلان الھلالی

ہلال بن عامر پر اُم المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا اُم المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نسب مل جاتا ہے اور ان کے والد حارث بن حزن کا نکاح ہند بن عوف بن زبیر بن الحارث بن حماطہ بن حمیر سے ہوا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ سسرال اپنے دامادوں کے معاملے میں بہت زیادہ خوش قسمت مانا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت سیدالشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر طیار بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ، حضرت شداد رضی اللہ عنہ اور ہمارے پیارے آقا رسول اللہ ﷺ حارث اور ہند کے دامادوں میں شامل ہیں۔ اس خاندان کو عمرۃ القضاء کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کا سسرال بننے کا شرف حاصل ہوا، اس نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کافی کمی آگئی، کیونکہ ان کے سسرال کی جن خاندانوں سے رشتہ داریاں تھیں وہ سب رسول اکرم ﷺ کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے اور ان خاندانوں میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور مخالفت کم ہوتی گئی۔

حی بن اخطب

اُم المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام حی بن اخطب ہے یہ معروف یہودی قبیلے بنونضیر کا سردار تھا یہ قبیلہ بہر طاقت وار قبیلہ تھا جبکہ بنونضیر کے اس سردار کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حی بن اخطب نے اپنے یہودی علماء اور بزرگوں سے رسول اللہ ﷺ کی نشانیوں کو بہت اچھی طرح یاد کر رکھا تھا جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما رہے تھے اور مدینہ میں داخل ہونے سے قبل "قباء" کے مقام پر قیام پذیر تھے تو اسی دوران حی بن اخطب اپنے بھائی کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے وہاں آیا مگر رسول ﷺ کو پہچاننے کے باوجود رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لایا بلکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو دھوکے اور سازش تیار کر کے آپ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کی جسارت بھی کی مگر اپنی سازش اور کوشش میں ناکام رہا اور اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

قبیلہ بنو قریظہ کا انجام بہت بھیانک ہوا تھا۔ اس قبیلہ کو مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے جرم میں پورے قبیلے کے تمام مردوں کو "تہہ تیغ" کر دیا گیا اور ان کے تمام بچوں اور عورتوں کو قید کر لیا گیا بعد میں ان عورتوں اور بچوں کو نجد میں لے جا کر فروخت کر دیا گیا اور اس رقم سے مسلمان مجاہدین کے لیے سامان حرب اور گھوڑے خریدے گئے تھے۔

حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ کا شوہر جنگ خیبر کے موقع پر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور مسلمانوں نے ان کے بچے کچھے افراد کو قیدی بنا لیا جن میں صفیہ بنت حی بن اخطب شامل تھیں بعد میں رسول اللہ ﷺ نے صفیہ کو دعوت دین اسلام

دی جو اس نے قبول کر لی پھر آپ ﷺ نے صفیہ کی رضامندی سے ان سے عقد کر لیا
اس طرح مسلمانوں کے کٹر دشمن حی بن اخطب کی بیٹی صفیہ، ام المومنین بن کر احترام
کے ابدی مقام پر فائز ہو گئیں۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سفیان کا اسم گرامی "صخر" ہے۔ ان کی مشہور کنیت ابو سفیان ہے اور
ابو حنظلہ غیر مشہور کنیت ہے اور آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں۔
نبی کریم ﷺ سے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب چہارم پشت یعنی عبد مناف میں جا
کر ملتا ہے۔ (حضرت ابو سفیان اور ان کی اہلیہ)

مورخین نے لکھا ہے کہ ایک قول کے مطابق جناب ابو سفیان حضور نبی کریم
ﷺ سے عمر میں تقریباً دس بارہ سال بڑے تھے اس سلسلے میں اور بھی کئی اقوال تاریخی
کتابوں میں بیان ہوئے ہیں۔

قبائل کے قدیم مراسم کے مطابق بنی ہاشم اور بنو اُمیہ کے اکابر آپس میں
دوستی رکھتے تھے۔ قبائل کا یہ دیرینہ دستور ہے کہ ایک قبیلہ کے رؤسا دوسرے خاندان
کے عظماء کے ساتھ مراسم رکھتے ہیں اسی طرح ابو سفیان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہم نشین
اور مجلسی تھے۔ ان دونوں حضرات کی مصاحبت اور ہم نشین مورخین نے بڑی تفصیل سے
ذکر کیا ہے اور ان کی باہمی دوستی اور رفاقت کے متعلق کئی واقعات درج کیے ہیں۔

قدیمی روابط کے سلسلہ میں یہ چیز بھی طبری وغیرہ نے تحریر کی ہے کہ ایک ہاشمی
بزرگ ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ
قبل از اسلام ان کے باہمی تجارتی تعلقات تھے۔ ان دونوں کا تاجرانہ کاروبار مشترکہ تھا

اور آپس میں مل کر تجارت کیا کرتے تھے۔(حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

ابوسفیان بن حرب اسلام لانے سے پہلے نبی اقدس ﷺ اور اہل اسلام کے سخت مخالف اور معاند تھے۔قریش مکہ کی قیادت کرتے ہوئے عداوت میں ابوسفیان پیش پیش رہتے تھے۔غزوۂ احد،غزوۂ احزاب وغیرہ میں اہل اسلام کے ساتھ انہوں نے اپنی پوری مخاصمت کا ثبوت دیا تھا اور مسلمانوں کے لیے قدم قدم پر عناد وفساد کھڑا کرنا ان کا شیوہ تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے اور انہوں نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق کوشش کی اور ترغیب دلائی کہ وہ ضرور اسلام کو قبول کریں۔چنانچہ ان کی کوشش بارآور ہوئیں اور ان کی دیرینہ دوستی کا اثر ظاہر ہوا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔

ابوسفیان کے قبولِ اسلام کا واقعہ علامہ ذہبی نے"المنتقی"میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر حالات کی جستجو کے لیے جب مکہ سے باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور انہیں پکڑ لیا اور سواری پر اپنے پیچھے سوار کر لیا۔نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ان کو حاضر کیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کے لیے شرف وفضیلت حاصل کرنے کے طور پر عرض کیا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ شرف وفضیلت اور افتخار کو پسند کرتے ہیں۔آپ ﷺ ان کو شرف وفضیلت کی چیز عنایت فرمائیں۔

(المنتقی للذہبی۔صفحہ ۲۷۳)

حضور نبی کریم ﷺ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خاندانی عظمت شناسی کو دیکھتے ہوئے ان کے حق میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مکان میں

داخل ہو جائے گا تو اسے اس موقعہ پر امان حاصل ہے اور جو اپنا دروازہ بند رکھے گا اسے بھی امان دی جاتی ہے جو مسجد میں داخل ہو جائے گا وہ بھی مامون ہے۔ سبحان اللہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر کو دارالامان بنا دیا گیا ہے۔ (حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر ثابت البنانی سے مزید ایک چیز یہ ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ منورہ میں تشریف لاتے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف لایا کرتے۔ یہ ایک مستقل فضیلت کی چیز ہے جو اُن کو اعزاز کے طور پر حاصل ہوئی۔

فتح مکہ کے بعد حضورِ اکرم ﷺ نے غزوہ حنین کی تیاری فرمائی۔ آنجناب ﷺ کی معیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر تعداد میں شریک ہوئی۔ اہل حنین کے ساتھ بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ آخرکار مالک کریم نے اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائی۔ اس غزوہ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں لڑکے (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) بھی شامل و شریک تھے۔

حضورِ نبی کریم ﷺ نے تقسیم غنائم کے موقعہ پر جہاں اور جدید الاسلام حضرات کو تالیف قلب کے طور پر حسب معمول مقدار سے زائد حصے عنایت فرمائے۔ وہاں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں فرزندوں کو ایک ایک سو اونٹ اور چالیس چالیس اوقیہ (جو رائج الوقت سکہ تھا) عنایت فرمائے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ حضورِ نبی کریم ﷺ مہربان اور کریم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جاہلیت میں اگر آپ ﷺ سے جنگ ہوئی تو آپ ﷺ کو بہترین جنگی معاملہ کرنے والا پایا اور اگر آپ ﷺ سے صلح ہوئی تو آپ ﷺ کو عمدہ صلح کن پایا۔ حضورِ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

(حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

اہل اسلام نے غزوۂ حنین کے اختتام پر فریق مخالف کے کم و بیش قریباً چھ ہزار مرد و زن کو جنگی قیدی بنالیا۔ اب ان قیدیوں کو کچھ عرصہ زیر حراست رکھنے کی ضرورت تھی تو اس اہم منصب کے لیے نبی اقدس ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔

(المصنف از عبدالرزاق)

یہاں سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت اور صلاحیت پر اعتمادِ نبوی ﷺ کا پایا جانا ثابت ہوتا ہے جو ان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور باعث افتخار ہے۔ (حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

اسی سال طائف کا واقعہ پیش آیا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلامی افواج کے ساتھ شریک جہاد ہوئے۔

جنگ کے دوران ایک شخص سعید بن عبید الثقفی نے نشانہ لگا کر تیر امارا جس سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ اپنے مقام سے باہر آ گئی تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ آنکھ اٹھائے ہوئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فی سبیل اللہ میری آنکھ کو یہ عارضہ پیش آ گیا ہے تو حضورِ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ چاہیں تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیتا ہوں اور آنکھ واپس مل جائے گی اور اگر آپ چاہیں تو جنت ملے گی اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے جنت چاہیے۔

اہل نجران کے ساتھ جب صلح ہوئی تو اس وقت ایک عہد نامہ اہل اسلام اور نجران کے اہل کتاب کے درمیان تحریر کیا گیا تھا۔ یہ نبی اقدس ﷺ کے فرمان کے تحت لکھا گیا تھا اور عبداللہ بن ابی بکر اس معاہدہ کے کاتب تھے۔ اس عہد نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے جن لوگوں کی شہادت درج کی گئی ہیں۔ ان میں ایک حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے علاوہ چار دیگر شخص یہ تھے۔

(۱) غیلان بن عمرو

(۲) مالک بن عوف (من بنی نصر)

(۳) الاقرع بن حابس الحنظلی

(۴) مغیرہ بن شعبہ

جنگ یرموک خلافت فاروقی میں اہل اسلام کو پیش آئی تھی۔ بعض مصنفین نے اسے ۱۳ھ کے تحت درج کیا ہے جیسے طبری وغیرہ اور خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ میں اسے ۱۵ھ کے تحت ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

مقام یرموک شام کے علاقہ میں ہے۔ اس جنگ میں شامل ہونے کے لیے اہل اسلام کی بڑی زبردست فوج (تقریباً چوبیس ہزار) یرموک میں پہنچی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھی فوج اسلامی کے ایک دستے پر امیر مقرر فرما کر روانہ کیا تھا۔ اسلام میں یہ بڑے معرکے کی لڑائی تھی۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی عظیم قربانیاں پیش کیں۔

اس جنگ میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ خود بھی شامل تھے حالانکہ وہ کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور پیرانہ سالی کے عالم میں تھے۔ ضعف و پیری کے باوجود یہ جذبہ قابل قدر ہے۔ (حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے واقعہ یرموک میں جو خدمات جلیلہ سرانجام دیں۔ ان میں ایک یہ چیز بھی تھی کہ ان کی دوسری آنکھ بھی اس جنگ میں شہید ہو گئی جب کہ پہلی آنکھ غزوہ طائف میں اس سے قبل شہید کرا چکے تھے۔ گویا جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف اسلام کی خاطر دونوں آنکھیں پیش کر دیں اور

نابینا ہو گئے۔ یہ ان کا کامل مخلصانہ کردار ہے۔

جنگ یرموک میں جب ان کی آنکھ کو تیر لگا تو اس تیر کو ایک شخص ابوحثمہ نے آنکھ سے نکالا تھا۔ (طبری)

مورخین نے بیان کیا ہے کہ بعض دفعہ اس طرح بھی ہوتا تھا کہ فوجی دستوں کے سامنے آپ رضی اللہ عنہ چکر لگاتے اور فرماتے تھے:

"اللہ سے خوف کرو اللہ سے خوف کرو۔ تم عرب کی طرف سے مداخلت کرنے والے ہو اور اسلام کے امدادی ہو اور وہ روم کی طرف سے دفاع کرنے والے ہیں اور شرک کے امدادی ہیں۔ اے اللہ! تیرے ایام میں سے یہ بڑا اہم یوم ہے۔ اپنے بندوں پر اپنی خاص نصرت و رحمت نازل فرما۔"

(حضرت ابوسفیان اور اُن کی اہلیہ)

اکابر علماء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس ﷺ سے احادیث نقل کی ہے پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرہ نے روایات ذکر کی ہے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی آخری ایام میں کچھ عرصے تو مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اس کے بعد مدینہ شریف میں اقامت اختیار کر لی اور مدینہ شریف میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ ان کا انتقال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوا۔ مورخین نے ان کی وفات ۳۱ھ میں لکھی ہے۔

عہد سابق کے قبائلی رواج اور اس کے دور کے معاشرتی احوال کے موافق لوگ متعدد ازواج رکھتے تھے اس طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بھی متعدد ازواج تھیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) صفیہ بنت ابی العاص بن اُمیہ
(۲) ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس
(۳) زینب بنت نوفل بن خلف
(۴) صفیہ بنت ابی عمرو بن اُمیہ
(۵) لبابہ بنت ابی العاص بن اُمیہ

(نسب قریش از مصعب الزبیری)

آپ رضی اللہ عنہ کے اولاد کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حنظلہ بن ابوسفیان
(۲) رملہ بنت ابی سفیان (اُم المؤمنین حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا)
(۳) امیمہ بنت ابی سفیان
(۴) امیر معاویہ بن ابوسفیان
(۵) عتبہ بن ابی سفیان
(۶) جویریہ بنت ابی سفیان
(۷) اُم الحکم بنت ابی سفیان
(۸) یزید بن ابی سفیان
(۹) عمرو بن ابی سفیان
(۱۰) صخرۃ بنت ابی سفیان
(۱۱) ہند بنت ابی سفیان
(۱۲) میمونہ بنت ابی سفیان
(۱۳) عتبہ بن ابی سفیان

(حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ)

باب ششم:

دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "ابوالعاص" ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کا نام ربیع ہے جبکہ والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "ہالہ بنت خویلد" ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے یعنی آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہالہ بنت خویلد حضرت اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن تھی اس نسبت سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کی خالہ کہلاتی تھیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو اپنی اولاد کے مانند سمجھتی تھیں۔ خود حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضورِ نبی کریم ﷺ سے کہہ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد ان کے ساتھ کیا تھا۔ (سیرۃ النبی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ دونوں مشرک پر قائم تھے پس جب وحی نازل ہوئی۔ زینب رضی اللہ عنہا اپنے والد گرامی حضورِ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئی اور حضرت ابوالعاص

رضی اللہ عنہ مشرک پر ہی قائم رہا اور حضور نبی کریم ﷺ ہجرت سے قبل، مکہ میں مغلوب ہو جانے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان جدائی نہ کروا سکتے تھے۔

(غزوۂ بدر از علامہ محمد احمد باشمیل)

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بہت مالدار، امانت دار اور مکہ کے بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔ اسلام کے اعلان کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی خالہ اور اُن کی ساری صاحبزادیاں حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں مگر ابوالعاص رضی اللہ عنہ شرک پر قائم رہے۔ قریش نے آپ رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ زور دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی ابولہب کے بیٹوں کی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی بیٹی کو طلاق دے دیں۔ قریش نے آپ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ تم جہاں کہو گے ہم وہاں تمہارا نکاح کر دیں گے لیکن ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ:

"زینب (رضی اللہ عنہا) جیسی شریف عورت کے مقابلے میں دنیا کی کسی عورت کو پسند نہیں کرتا۔" (سیرۃ النبی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

حضور نبی کریم ﷺ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اس بات سے بے حد خوش ہوئے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے۔ پھر قریش کے لوگ عتبہ بن ابی لہب کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تو محمد (ﷺ) کی صاحبزادی کو علیحدہ کر دے، تو پھر قریش کی جس عورت سے تُو کہے گا تیری شادی کر دیں گے۔ عتبہ بن ابی لہب نے کہا، اگر تم اَبان بن سعید بن عاص یا سعید بن عاص کی بیٹی سے میری شادی کر دو تو میں ایسا کروں۔ قریش نے اُن کی شادی وہاں کر دی اور اُس نے حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دے دی۔ حالانکہ اُن کی ہنوز رخصتی نہ ہوئی تھی۔ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اس موذی مرض سے ان کو محفوظ رکھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی پھر حضرت

عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے شادی کی۔ (سیرت ابن ہشام از ابو محمد عبدالملک بن ہشام)

اگرچہ اسلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ میں تفریق کر دی تھی کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مسلمان تھیں اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ مشرک تھے مگر چونکہ نبی کریم ﷺ مکہ میں مغلوب تھے اس سبب سے ان کی تفریق نہ ہو سکی۔ اس سبب سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کی۔ پھر بدر کی جنگ میں ابوالعاص رضی اللہ عنہ گرفتار ہوئے اور مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس رہے۔ (سیرت ابن ہشام از ابو محمد عبدالملک بن ہشام)

اہل مکہ نے جب اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ روانہ کیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے فدیہ میں اپنا وہ ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے وقت ان کو تحفہ میں دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ اس ہار کو دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا اگر مناسب سمجھو تو اس ہار کو واپس کر دو اور اس قیدی کو چھوڑ دو۔

اسی وقت تسلیم اور انقیاد کی گردنیں خم ہو گئیں۔ قیدی بھی رہا کر دیا گیا اور ہار بھی واپس ہو گیا مگر رسول اللہ ﷺ نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے یہ وعدہ لے لیا کہ مکہ پہنچ کر زینب کو مدینہ بھیج دیں، ابوالعاص نے مکہ پہنچ کر زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کے ہمراہ روانہ کیا۔

(سیرۃ النبی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

کنانہ نے عین دوپہر کے وقت حضرت زینب کو اونٹ پر سوار کرایا اور ہاتھ میں تیر کمان لی اور روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی کا علی الاعلان مکہ سے روانہ ہونا قریش کو بہت شاق معلوم ہوا، چنانچہ ابوسفیان وغیرہ نے ذی طویٰ میں آ کر

اونٹ کو روک لیا اور یہ کہا کہ ہم کو محمد (ﷺ) کی بیٹی کو روکنے کی ضرورت نہیں لیکن اس طرح علانیہ طور پر لے جانے میں ہماری ذلت ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس وقت واپس چلو اور رات کے وقت لے کر روانہ ہو جاؤ۔ کنانہ نے اس کو منظور کیا۔ ابوسفیان سے پہلے ھبار بن اسود نے (جو بعد میں چل کر مسلمان ہوئے) جا کر اونٹ روکا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ڈرایا۔ خوف سے حمل ساقط ہو گیا۔ اس وقت کنانہ نے تیر کمان سنبھالی اور یہ کہا کہ جو شخص اونٹ کے قریب بھی آئے گا تیروں سے اس کے جسم کو چھلنی کر دوں گا۔

الغرض کنانہ مکہ واپس آ گئے اور دو تین راتیں گزرنے پر شب کو روانہ ہوئے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو حکم دیا کہ تم جا کر مقام بطن یاجج میں ٹھہرو، جب زینب رضی اللہ عنہا آ جائیں تو ان کو اپنے ہمراہ لے آنا۔

(سیرۃ النبی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

یہ لوگ بطن یاجج پہنچے اور ادھر سے کنانہ بن ربیع آتے ہوئے ملے۔ کنانہ وہیں سے واپس ہو گئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مع اپنے رفیق کے صاحبزادی کو لے کر مدینہ روانہ ہوئے۔ جنگ بدر کے ایک ماہ بعد مدینہ پہنچیں۔

کنانہ بن ربیع نے اس واقعہ کے متعلق شعر کہے:

عَجِبْتُ لِهُبَّارٍ وَّاَوْبَاشِ قَوْمِهٖ ۔۔۔ يُرِيْدُوْنَ اِخْفَارِيْ بِبِنْتِ مُحَمَّدٖ

"میں ہبار ہوں اور اس کی قوموں کے اوباشوں سے تعجب کرتا
ہوں کہ محمد (ﷺ) کی صاحبزادی کے متعلق میرے عہد کو توڑنا
چاہتے ہیں۔"

وَلَسْتُ اُبَالِيْ مَاحُيِيْتُ فَدِيْدَهُمْ ۔۔۔ وَمَا اسْتَجْمَعَتْ قَبْضًا يَدِيْ بِالْمُهَنَّدٖ

"میں جب تک زندہ ہوں اور جب رہوں تک میں اپنے ہاتھ

میں شمشیر ہندی کو قبضے کئے ہوئے ہوں ان کی دھمکیوں کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔"

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا جس میں میں بھی تھا اور حکم دیا کہ اگر ہبار بن اسود یا وہ شخص جس نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف سبقت کی تھی۔ یہ دونوں تمہارے ہاتھ میں آجائیں تو اُن کو آگ میں جلا دینا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ حکم حضور ﷺ نے رات کو ہم کو دیا تھا جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے پاس ایک شخص کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ میں نے جو تم کو جلانے کا حکم دیا تھا پھر مجھ کو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی شخص کے لیے یہ بات سزاوار نہیں کہ وہ آگ کی سزا دے لہٰذا تم ان دونوں کو قتل کر دینا۔

(سیرت ابن ہشام از ابو محمد عبدالملک بن ہشام)

صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس رہنے لگیں اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ مکہ میں مقیم رہے۔ فتح مکہ سے قبل ابوالعاص رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام کی طرف روانہ ہوئے، چونکہ اہلِ مکہ کو آپ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت پر اعتماد تھا اس لئے اور لوگوں کا سرمایہ بھی شریک تجارت تھا۔

شام سے واپسی میں مسلمانوں کا ایک دستہ مل گیا۔ اس نے تمام مال و متاع ضبط کر لیا اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ چھپ کر مدینہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس آ پہنچے۔

رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز کے لئے تشریف لائے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عورتوں کے چبوترہ سے آواز دی اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع (رضی اللہ عنہ) کو پناہ دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

ایھا الناس ھل سمعتم ما سمعت قالوا نعم قال اما والذی نفسی بیدہ ما علمت بشئ من ذلك حتی سمعت ما سمعتم انه یجیر علی المسلمین ادناھم

"اے لوگو کیا تم نے بھی سنا ہے جو میں نے سنا ہے۔ لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی کہ محمد (ﷺ) کی جان اس کے ہاتھ میں ہے مجھ کو اس کا مطلق علم نہیں جو اور جس وقت تم نے سنا وہی میں نے سنا۔ تحقیق خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں میں کا ادنیٰ سے ادنیٰ اور کمتر سے کمتر بھی پناہ دے سکتا ہے۔"

اور یہ فرما کر صاحب زادی کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ اے بیٹی اس کا اکرام کرنا مگر خلوت نہ کرنے پائے، کیونکہ تو اس کے لئے حلال نہیں یعنی تو مسلمان ہے اور وہ مشرک اور کافر ہے اور اہل سریہ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم کو اس شخص (یعنی ابو العاص رضی اللہ عنہ) کا تعلق ہم سے معلوم ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو ان کا مال واپس کر دو ورنہ وہ اللہ کا عطیہ ہے جو اللہ نے تم کو عطا فرمایا ہے اور تم ہی اس کے مستحق ہو۔

یہ سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کل مال واپس کر دیا۔ کوئی ڈول لاتا تھا اور کوئی رسی، کوئی لوٹا اور کوئی چمڑا غرض یہ کہ کل مال ذرہ ذرہ کر کے واپس کر دیا۔

ابو العاص (رضی اللہ عنہ) کل مال لے کر مکہ روانہ ہوئے اور جس جس کا حصہ تھا اس کا پورا کیا۔ جب شرکاء کے حصے دے چکے تو یہ فرمایا۔

یا معشر قریش ھل بقی لاحد منکم عندی مال

یأخذہ قالوا لا فجزاك الله خیرا فقد وجدناك وفیا کریما قال فانا اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله والله ما منعنی من الاسلام عنده الا تخوف ان اکل اموالکم فلما اداها الله الیکم وفرغت منها اسلمت

"اے گروہ قریش! کیا کسی کا کچھ مال میرے ذمہ باقی رہ گیا ہے جو اس نے وصول نہ کیا ہو۔ قریش نے کہا نہیں۔ پس اللہ تجھ کو جزائے خیر دے تحقیق ہم نے تجھ کو وفادار اور شریف پایا۔ کہا پس میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اب تک فقط اس لئے مسلمان نہیں ہوا کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ میں نے مال کھانے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ جب اللہ نے تمہارے مال کو تم تک پہنچا دیا اور مجھے اس ذمہ داری سے سبکدوش کیا تب مسلمان ہوا۔"

بعد ازاں ابو العاص رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ چلے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں دے دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اول کافی سمجھا گیا کوئی جدید نکاح نہیں ہوا اور بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ جدید نکاح ہوا اور فقہاء کے نزدیک یہی روایت صحیح ہے۔ اس لئے کہ اگر پہلا نکاح کافی ہوتا تو آپ ﷺ صاحبزادی سے یہ نہ فرماتے کہ تو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

(سیرۃ النبی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی)

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک ”عثمان“ ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام عفان بن ابی العاص ہے جبکہ ماں کا نام اروی بنت کریز ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے القابات ”غنی“ اور ”ذوالنورین“ ہیں جبکہ کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمرو ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کی نانی ام حکیم البیضا ہیں جو جناب عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے والد بزرگوار حضرت سید عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں چنانچہ اس رشتہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ، حضور نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔(اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۵۱۶)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے اس لقب کی وجہ یہ ہے حضور نبی کریم ﷺ کی دو صاجزادیاں حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔آپ رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس سے قبل کسی بھی نبی کی دو بیٹیاں کبھی ایک شخص کے نکاح میں نہیں آئی تھیں اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین یعنی دو نوروں والا کا لقب عطا کیا گیا۔(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۸)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا لقب ”غنی“ اس وجہ سے مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ راہِ خدا میں بکثرت صدقہ کیا کرتے تھے اور اپنا مال غرباء وفقراء پر بے دریغ خرچ کیا کرتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے غرباء ومساکین کا خصوصی خیال رکھا کرتے تھے اور جب اسلام قبول کیا تو اپنا مال دین اسلام کی سربلندی اور ترویج کے لئے وقف کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد نادار، مفلس اور غریب مسلمانوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھا اور جب بھی مسلمانوں کو مال کی ضرورت پیش آئی آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال

مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے پیش کر دیا یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غنی کہا جاتا تھا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی کنیت زمانہ جاہلیت میں ابوعمرو تھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ سے کیا تو حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تولد ہوئے جن کے نام سے آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہوئی۔

یہ بھی منقول ہے زمانہ جاہلیت میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور حضور نبی کریم ﷺ کی بیٹی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے آپ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا تو ان کے بطن سے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جن کے نام پر آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ مشہور ہوئی۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۱)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ عام الفیل کے چھ برس بعد طائف میں پیدا ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ سے قریباً چھ برس چھوٹے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۷)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو امیہ سے تھا اور بنو امیہ کے پاس قریش کا دفاع کا محکمہ تھا۔ بنو امیہ کے جھنڈے پر عقاب کا نشان بنا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خاندان بنو امیہ کے امراء کا خاندان تھا اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کو بنو امیہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا اور وہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے لشکر کے سالار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو امیہ کو محکمہ دفاع اور دیگر اہم علاقائی ذمہ داریوں کی بناء پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور قریش میں

بنو ہاشم کے بعد یہ دوسرا معزز قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ بنو ہاشم کے پاس زائرین کعبہ کی دیکھ بھال اور حجاج کی خدمت کا منصب تھا اور آبِ زمزم کی تقسیم بھی بنو ہاشم کی ذمہ داری تھی۔ فتح مکہ کے وقت جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو اس وقت آبِ زمزم کی تقسیم کی ذمہ داری حضور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اور بنو ہاشم زمانہ جاہلیت سے ہی اپنی سخاوت کی بناء پر شہرت رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ آہستہ آہستہ مالی امور پر بنو ہاشم کی گرفت کمزور ہوتی چلی گئی اور ایک وقت تھا وہ صاحب ثروت تھے مگر اب وہ تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے چنانچہ حجاج کرام اور خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آنے والے زائرین کی ذمہ داری بنو ہاشم سے لے کر بنو امیہ کے سپرد کر دی گئی البتہ آبِ زمزم کی تقسیم کی ذمہ داری بنو ہاشم ہی کی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جب اعلانِ نبوت کیا تو بنو امیہ نے سب سے زیادہ حضور نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے بچپن اور لڑکپن کے حالات و واقعات کے متعلق کتب سیر میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں لہٰذا یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا بچپن اور لڑکپن کس ماحول اور کس حالات میں گزرا البتہ مستند کتب سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے آپ رضی اللہ عنہ تعلیم کے زیور سے آراستہ تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے لڑکپن میں اس دور کے رائج تمام مروجہ علوم پر عبور حاصل کی اور علم کے زیور سے آراستہ ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو بنو امیہ اور قریش کے دیگر قبائل میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ جب اپنی تعلیم مکمل کر چکے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا

خاندانی پیشہ تجارت کو اپنے روزگار کا ذریعہ بنایا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنا اور مکہ مکرمہ کے معززین کا سامانِ تجارت لے کر دیگر ممالک کا سفر کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ایماندار اور سلجھے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک ایسا تھا کہ ہر کوئی آپ رضی اللہ عنہ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور اپنا سامان تجارت کی غرض سے آپ رضی اللہ عنہ کو دے دیتا تھا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو کپڑے کی تجارت میں نمایاں مقام حاصل تھا اور آپ رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت سے ہی نمایاں ترقی حاصل کی اور جب دیگر لوگوں نے دیکھا آپ رضی اللہ عنہ کو کپڑے کی تجارت کی وجہ سے بے پناہ مالی فوائد اور نفع حاصل ہوا ہے تو وہ بھی کپڑے کی تجارت کی جانب راغب ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی محنت اور قابلیت کی بناء پر بہت جلد ترقی کی منازل طے کیں۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے تجارت کے لئے چند راہنما اصول وضع کر رکھے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی کامیابی کا پہلا اصول یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ مال کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اگر اس میں کچھ خامی ہوتی تو اس سے بھی خریدار کو آگاہ کر دیتے تھے اور جائز منافع پر اپنا مال فروخت کرتے تھے اور کبھی کسی کی ضرورت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ایمانداری اور اصول پسندی کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ جلد ہی قریش کے امراء میں شمار ہونے لگے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے سامانِ تجارت کی خرید و فروخت میں بھی اپنی اصول پسندانہ طبیعت اور ایمانداری کو ملحوظ رکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ تجارت کے ساتھ ساتھ فلاحی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے اور فقراء و مساکین کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت سے ہی لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو غنی کے لقب سے پکارنا شروع ہو گئے تھے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی ہر قسم کی معاشرتی برائیوں مثلاً شراب نوشی، جوا اور زنا وغیرہ سے دور تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی دیانت داری اور امانت داری کے لوگ قائل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال غرباء و مساکین کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر رکھا تھا اور اپنے مال کا بیشتر حصہ فلاحی کاموں میں خرچ کیا کرتے تھے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۶۵ تا ۳۶۶)

حضور نبی کریم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا اس وقت سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ۳۴ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسلام قبول کرنے والے چند مسلمانوں میں سے ایک تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر اسلام قبول کیا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والے اس وقت چوتھے مسلمان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے قبل ام المومنین حضرت سیدہ خدیجہ، سیدنا صدیق اکبر اور حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم اسلام قبول کر چکے تھے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے مراسم مزید گہرے ہو گئے اور پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ رضی اللہ عنہ کی خالہ کی پیشگوئی بھی درست ثابت ہوئی اور حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنا داماد بنایا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۶۶)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اپنے قبیلہ بنو امیہ کی دشمنی مول لے لی۔ بنو امیہ حضور نبی کریم ﷺ کے سب سے بڑے مخالفین میں سے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ نے بنو امیہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلام قبول کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر دین اسلام کی حقانیت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو حضور نبی کریم ﷺ کا غلام بنالیا

اور آپ رضی اللہ عنہ کو اس غلامی پر فخر تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے خاندان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور آپ رضی اللہ عنہ کو بنوامیہ بالخصوص آپ رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن العاص نے تشدد کا نشانہ بنایا۔ حکم بن العاص نے آپ رضی اللہ عنہ کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا۔

"میں تمہیں اس وقت چھوڑوں گا جب تم حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت سے انکار کرو گے۔"

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو رسیوں میں جکڑ کر مارا جاتا تھا، آگ جلا کر کمرے میں دھواں بڑھ دیا جاتا تھا مگر آپ رضی اللہ عنہ دین اسلام پر قائم رہے۔ جب حکم بن العاص نے دیکھا اس کا بھتیجا کسی بھی طرح دین اسلام چھوڑنے پر راضی نہیں تو اس نے تنگ آ کر آپ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے معززین میں ہوتا تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا جو اس سے قبل حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو رہا تھا حالانکہ اعلانِ نبوت سے قبل حضور نبی کریم ﷺ قریش کی نظروں میں صادق اور امین کے لقب سے مشہور تھے اور جن کی ایمانداری ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تھی مگر ان کو اعلانِ نبوت کے بعد مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو کہ قریش کے معاملہ فہم لوگوں میں شمار ہوتے تھے ان کو مظالم کا سامنا کرنا پڑا تھا چنانچہ یہی سلوک آپ رضی اللہ عنہ جو کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں لوگوں کی فلاح و بہبود کے کاموں کی وجہ سے ایک نمایاں مقام کے حامل تھے آج ان کی اذیتوں کو برداشت کر رہے تھے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے خاندان بنوامیہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے قطع تعلقی اختیار کرلی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان تمام باتوں کے باوجود خلوصِ نیت سے حضور نبی کریم ﷺ کا ساتھ دیااور اپنے جان ومال سے دین اسلام کی آبیاری کی۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۲)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی بعثت نبوی ﷺ کے تیسرے سال ہوئی۔ یہ ایک کامیاب شادی شدہ جوڑا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اسے اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی صاجزادی کا نکاح ان کے ساتھ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ چونکہ صاحب حیثیت تھے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے آرام وآسائش کا ہر ممکن خیال رکھا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں حضور نبی کریم ﷺ کی صاجزادی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ان کے ہاتھ میں اس وقت کنگھا تھا۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا ابھی حضور نبی کریم ﷺ آئے تھے اور میں نے آپ ﷺ کے سر میں کنگھا کیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا تم عثمان (رضی اللہ عنہ) کو کیسا خیال کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا بھلا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"تم عثمان (رضی اللہ عنہ) کا اکرام ملحوظ رکھنا اس لئے کہ وہ اخلاق میں
تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہے۔"

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تو مکہ مکرمہ میں بات مشہور ہوگئی کہ اگر کوئی بہترین جوڑا دیکھنا چاہے تو وہ انہیں دیکھ لے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد جو لوگ مسلمان ہوئے ان پر

مشرکین مکہ نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں جب اضافہ ہوتا چلا گیا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حبشہ میں اس وقت عیسائی بادشاہ نجاشی حکمران تھا۔ ہجرتِ حبشہ کا واقعہ بعثت نبوی ﷺ کے چھٹے سال پیش آیا۔

حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم اس لئے دیا کہ شاہِ حبشہ نجاشی کی مہمان نوازی اور پرہیزگاری کی شہرت عام تھی اور وہ مہاجرین کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی یہ پہلی ہجرت تھی جو مشرکین مکہ کے مظالم کی وجہ سے انہیں کرنی پڑی۔ ہجرت کے اس پہلے قافلے میں بارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں جو مکہ مکرمہ سے پہلے جدہ اور پھر وہاں سے دو کشتیوں میں سوار ہو کر سمندری راستے سے حبشہ پہنچے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ بھی اپنی زوجہ دختر رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۷۶، البدایہ والنہایہ جلد سوم صفحہ ۹۸ تا ۹۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مسلمانوں میں سب سے پہلے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

ہجرت کے کچھ عرصہ تک حضور نبی کریم ﷺ کو ان کے حالات کی خبر نہ ہوئی اس دوران قریش کی ایک عورت حبشہ سے مکہ آئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے آپ رضی اللہ عنہ اور اپنی بیٹی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا حال دریافت کیا؟ اس عورت نے

کہا میں نے آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو اس حال میں دیکھا دونوں ایک جانور پر سوار تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس عورت کی بات سن کر فرمایا۔

"اللہ عزوجل ان دونوں کا حامی و ناصر ہو، حضرت لوط علیہ السلام کے بعد سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ پہلے مہاجر ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل کی راہ میں ہجرت کی۔" (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۶۶)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پہلا جوڑا تھا جس نے اللہ عزوجل کی راہ میں حبشہ کی جانب ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ کی جانب بھی ہجرت کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا۔

"حضرت لوط اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۰)

مؤرخین لکھتے ہیں مسلمانوں کا پہلا قافلہ جب کامیابی کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت کر گیا تو حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر بیاسی مرد اور اکتیس عورتوں کا دوسرا قافلہ حبشہ کی جانب روانہ ہوا اور اس قافلے کے سربراہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے مہاجرین میں سے چند لوگ واپس مکہ مکرمہ لوٹ آئے اور اس دوران مکہ مکرمہ میں بھی بے شمار لوگ مسلمان ہو چکے تھے جبکہ مدینہ منورہ کے بھی بے شمار لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ قریش نے مسلمانوں پر مظالم کی انتہاء کر دی اور وہ مدینہ منورہ سے آنے والوں کو بھی تنگ کرنے لگے۔ اس دوران مدینہ منورہ کے ستر نقیب جو مسلمانوں کے سردار تھے انہوں نے حج کے ایام میں حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی جسے بیعت

عقبہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے عہد کیا آپ ﷺ یا آپ ﷺ کے جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ آئیں گے ہم ان کی معاونت کریں گے اور اپنی جان ان پر نچھاور کریں گے۔ پھر اللہ عزوجل کا حکم آن پہنچا اور اس دوران قریش کے ظلم وستم میں بھی بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ۱۳ نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک قافلہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا اور یہ قافلہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہونے لگی۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے تمہارا دارِ ہجرت دکھایا گیا ہے جو کھجوروں والا شہر ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے متعلق حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنہیں آپ ﷺ نے اپنے بستر پر لٹایا تھا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل وعیال کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ ہجرت کرنے والے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ جب گھر سے نکلنے لگے تو آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"تو مجھے اور اللہ کو بے حد محبوب ہے مگر یہاں کے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا ہے اگر میں مجبور نہ ہوتا تو یہاں سے ہرگز نہ جاتا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں حج کے دنوں میں یثرب جو کہ مدینہ منورہ کا پہلا نام تھا وہاں سے کچھ لوگوں کا قافلہ مکہ مکرمہ آیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوتِ حق دی تو انہوں

نے لبیک کہا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب مشرکین مکہ کے ظلم وستم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تو ۱۴ نبوی میں حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پھر جب پہلا گروہ کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ در گروہ مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا شروع ہو گئے۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۹۹ تا ۱۰۲، خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۲۹۰)

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کے متعلق علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور اپنی اہلیہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کا رشتہ مواخات حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر قیام کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے بنو مالک بن نجار کے ایک محلہ کے میدان میں جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی قصویٰ بیٹھی تھی آپ ﷺ نے اس میدان کے متعلق دریافت کیا یہ جگہ کس کی ملکیت ہے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ دو کم سن یتیم بھائیوں سہل اور سہیل رضی اللہ عنہم کی جگہ ہے اور ان کے نگران انصار میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اس جگہ مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت سہل اور حضرت سہیل رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ فی سبیل اللہ دینی چاہی مگر آپ ﷺ نے اسے خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس

عاملہ پر بات کی۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خواہش پر مسجد نبوی ﷺ کے لئے دس ہزار درہم کے عوض وہ زمین خرید لی۔مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ شریک رہے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۰)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں کھیتی باڑی کا پیشہ اختیار کیا اور یوں آپ رضی اللہ عنہ کو خدمت اسلام کا زیادہ موقع میسر آنے لگا۔آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں قیام کے دوران مسلمانوں کے لئے فلاحی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔کھیتی باڑی میں آپ رضی اللہ عنہ کی محنت اور لگن کو دیکھتے ہوئے اہل مدینہ نے اپنی زمینیں آپ رضی اللہ عنہ کو کھیتی باڑی کے لئے دے دیں۔

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۲)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ ہجرت کر آئے تو اپنا تمام مال جو حبشہ میں بطورِ تجارت کمایا تھا وہ بھی ساتھ لے آئے۔یہی وجہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو کاروبار کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام دولت دین اسلام کے فروغ اور تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی تھی اور ہر مشکل کی گھڑی میں مسلمانوں کی اعانت کرتے تھے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا شمار چونکہ امراء میں ہوتا تھا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں قیمتی لباس بھی زیب تن کیا مگر پھر حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع اور سنت کے مطابق معمولی لباس پہننا شروع کر دیا۔آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ اتباعِ نبی ﷺ کو ملحوظ رکھتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ جانتے تھے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مالی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں

ہے چنانچہ وہ محسوس نہ کریں آپ رضی اللہ عنہ نے بھی معمولی لباس پہننا شروع کر دیا اور معمولی لباس پہننے میں کچھ عار محسوس نہ کی۔

حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا جس کا نام "بیئر رومہ" تھا اور اس کا مالک ایک یہودی تھا جو اس کا پانی فروخت کرتا تھا۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ منورہ آئے تھے لہٰذا ان کے لئے اس کنویں سے پانی خریدنا دشوار تھا۔ آپ ﷺ نے اس کنویں کا ذکر سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے کیا او آپ رضی اللہ عنہ نے وہ کنواں بھاری رقم کے عوض خرید کر وقف کر دیا۔
(صحیح بخاری جلد دوم کتاب کتاب الوصایا حدیث ۴۸)

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں بیمار ہوگئیں اور اس وقت حضور نبی کریم ﷺ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کی تیمارداری کے لئے مدینہ منورہ میں رہیں اور ان کے ہمراہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بھی مدینہ منورہ چھوڑ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر میں شامل نہ ہونے کا غم تھا مگر حضور نبی کریم ﷺ نے فتح بدر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بشارت دی۔

"عثمان (رضی اللہ عنہ)! تم بھی بدر میں شمولیت کرنے والوں میں سے ہو۔"

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے مالِ غنیمت میں سے بھی حصہ دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۲)

مسلمانوں کو غزوہ بدر میں فتح نصیب ہوئی اور اسی روز حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وصال فرما گئیں۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں فتح کی خوشخبری سنانے مدینہ

منورہ پہنچے تو اس وقت سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ہمراہ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تدفین میں مشغول تھے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اپنی بیٹی کے وصال کی خبر ملی تو آپ ﷺ بھی بے حد غمزدہ ہوئے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۳۲)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تولد ہوئے جن کے نام پر آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' مشہور ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال چھ برس کی عمر میں ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر چھ برس ہوئی تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماردی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور ۴ ھ میں ان کا وصال ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند کو خود لحد میں اتارا۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۳۱)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت سے حصہ ملا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی اصحابِ بدر میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضور نبی کریم ﷺ کی تیسری صاحبزادی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا جو ابولہب کا بیٹا تھا اور پھر جب سورۂ لہب نازل ہوئی تو عتیبہ نے اپنے باپ کے کہنے پر آپ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی نہ ہوئی تھی۔ پھر جب آپ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ سے نکاح ۳ھ میں ہوا اور آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ذوالنورین یعنی دو نوروں والے کے لقب سے مشہور ہوئے اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۵۴۴)

ابو نعیم کی روایت میں ہے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں اس کا علم نہیں کہ کوئی اور شخص ایسا ہو جس کے گھر میں نبی کی دو صاحبزادیاں بیاہ کر آئی ہوں ماسوائے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۸)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ماسوائے غزوہ بدر کے ہر جنگ میں عملاً حصہ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں خود بھی شریک ہوتے تھے اور اپنے مال کے ذریعے مجاہدین کی اعانت بھی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ مواقع ایسے بھی تھے جہاں حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔

ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ منورہ سے عمرہ کے ارادہ سے نکلے حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں۔ حدیبیہ میں قیام کے دوران حضور نبی کریم ﷺ کو اطلاع ملی کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد کا غلط مطلب نکالا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ ان سے جنگ کرنے کے ارادہ سے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ سردارانِ قریش کو جا کر قائل کریں ہم صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کی ملاقات ابان بن

سعید بن العاص سے ہوئی جن کے ہمراہ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ ان کے گھر چلے گئے۔آپ رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید بن العاص کے ہمراہ حضور نبی کریم ﷺ کا پیغام ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) اور دیگر معززین مکہ کو پہنچایا۔آپ رضی اللہ عنہ کے اس پیغام کے جواب میں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا:

"ہم تمہیں بیت اللہ شریف کے طواف کی اجازت دیتے ہیں لیکن حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے۔"

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں اس وقت تک طوافِ کعبہ نہ کروں گا جب تک حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خانہ کعبہ کا طواف نہ کر لیں گے۔"

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے اس انکار کے بعد معززین مکہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک لیا جس کے بعد لشکر اسلام میں یہ افواہ پھیل گئی سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو جب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بات پر بیعت کی۔

"جب تک ہم سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ نہیں لے لیتے تب تک ہم میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار نہ کریں گے خواہ ہماری جانیں ہی کیوں نہ چلی جائیں۔"

اس بیعت میں حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی جانب سے بیعت کے لئے پیش کیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰ھ میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی جانب حج بیت اللہ کی غرض سے عازم سفر ہوئے۔ آپ ﷺ کی روانگی کی خبر آناً فاناً گردونواح میں پھیل گئی اور پھر لوگوں کے قافلے جوق در جوق آپ ﷺ کے قافلے سے ملنے لگے اور یوں جب یہ قافلہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا تو روایات کے مطابق اس قافلے میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد موجود تھے۔

۲۸ صفر المظفر کو حضور نبی کریم ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور جنت البقیع سے واپسی پر آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ آپ ﷺ نے تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے اجازت لے کر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں قیام کیا۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود آپ ﷺ باقاعدگی سے نماز پڑھاتے رہے۔ جب طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ ﷺ نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے نماز کی امامت کے لئے کہیں۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے وہ جب قرأت کریں گے تو لوگ ان کی آواز سن نہ سکیں گے آپ ﷺ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو حکم دیں وہ امامت کریں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا نہیں! امامت صرف ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی کریں گے۔

(مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۴۹۰)

واقدی کا قول ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ۱۲ ربیع الاوّل دوشنبہ کے دن

وصال فرمایا اور دوسرے دن یعنی سہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت زوال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۴۰۴)

حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا معاملہ پیش آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شش و پنج میں مبتلا ہوئے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین کہاں کی جائے؟ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ نبی جس جگہ وصال فرماتا ہے اسی جگہ اس کی تدفین عمل میں آتی ہے۔"

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون کیا گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۳۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں باقاعدہ مجلس شوریٰ تو قائم نہ کی تھی مگر آپ رضی اللہ عنہ ہر امور میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ کو ترجیح دیتے تھے اور ان سے مشاورت کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ جن اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے تھے ان میں سیدنا فاروقِ اعظم، سیدنا عثمان ابن عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ مہاجرین اور انصار کے اکابرین سے بھی مشورہ کرتے تھے اور ان کے مشوروں کو ترجیح دیتے اور ملکی معاملات انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مشاورت کے بعد ہی ترتیب دیئے جاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ ۳۵۰)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

خبریں لکھنے کا کام کیا کرتے تھے اور حالاتِ حاضرہ کے متعلق آگاہی رکھتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوتے تھے تو پھر جو بھی موجود ہوتا اسے خبریں لکھنے کا کام سونپا جاتا تھا جبکہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو محکمہ مال کا انچارج مقرر کیا گیا تھا اور وہی مالِ غنیمت اور فتوحات کے ذریعے آنے والے مال کا حساب کتاب رکھتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب مقرر کیا تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، آپ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مکتوبات تحریر کیا کرتے تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قحط پڑا۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ ایک دن حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آج شام تک اللہ عزوجل تمہاری پریشانی دور کر دے گا۔ اسی عرصہ میں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے آئے۔ مدینہ منورہ کے تاجر غلہ خریدنے کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ بتاؤ کہ ملک شام سے یہ غلہ جو میرے پاس آیا ہے تم اس پر کتنا نفع دو گے؟ تاجروں نے کہا کہ دس درہم کے غلہ پر دو درہم منافع دیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے زیادہ نفع ملتا ہے۔ بالآخر بات چیت کرتے کرتے ان تاجروں نے کہا جو مال آپ رضی اللہ عنہ نے دس درہم میں خریدا ہے، ہم اس کے پندرہ درہم دیں گے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے ان تاجروں کی بات سنی تو فرمایا مجھے اس سے زیادہ منافع مل رہا ہے۔ تاجروں نے حیرانگی سے پوچھا آپ رضی اللہ عنہ کو اس قدر منافع کون دے رہا ہے جبکہ مدینہ منورہ کے تاجر تو ہم لوگ ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے ایک درہم کے مال کی قیمت دس درہم مل رہی ہے کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ تاجروں نے انکار کر دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم گواہ رہو کہ میں نے یہ سب غلہ

راہِ خدا میں مدینہ منورہ کے مساکین میں تقسیم کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک گھوڑے پر سوار نوری لباس زیب تن کئے ہوئے تشریف لے جا رہے ہیں میں دوڑ کر آگے بڑھا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے آپ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"مجھے جانے کی جلدی ہے عثمان رضی اللہ عنہ نے آج ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ دیا ہے اور اللہ عزوجل نے اس کو قبول فرما کر جنت میں ایک حور کے ساتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا عقد کیا ہے میں اس نکاح میں شریک ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔" (تاریخ ابن خلدون جلد اوّل صفحہ ۳۷۱)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک میں رومیوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بیت المقدس پہنچنے کا حکم دیا کہ وہ وہاں پہنچ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی مدد کریں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جب لشکر اسلام کو لے کر بیت المقدس پہنچے تو عیسائیوں نے اتنی بڑی تعداد میں لشکر اسلام دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ معاہدہ امن امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یہاں آ کر خود تحریر فرمائیں۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ساری صورتحال سے آپ رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کر کے خود بیت المقدس روانہ ہوئے۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۲)

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کیا گیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا عثمان ابن

عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کا کام تھا کہ وہ روزمرہ کے معمولی اور اہم نوعیت کے تمام معاملات کو نبٹائے۔ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مجلس شوریٰ کے ارکان اکابر مہاجر و انصار کا اجلاس طلب کرتے جس میں سب کی رائے معلوم کرنے کے بعد فیصلہ کیا جاتا۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

روایات میں آتا ہے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال کا وقت قریب آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے آپ رضی اللہ عنہ سے خلیفہ کی نامزدگی کا مطالبہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تم جاؤ اور سیدنا عثمان ابن عفان، حیدر کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بلا لاؤ۔ جب یہ حضرات خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا۔

"میں امر خلافت تمہارے سپرد کرتا ہوں اور حضور نبی کریم ﷺ اپنے وصال کے وقت تم سب سے راضی تھے اس لئے میں یہ امر تمہارے سپرد کرتا ہوں اور تم خود میں سے ایک شخص کو خلیفہ مقرر کرلو۔"

حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد سیدنا عثمان ابن عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے اس کام کو تین کے حوالے کردو چنانچہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے

اپنی رائے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے حوالہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو فرمایا میں خود کو اس امر سے دستبردار کرتا ہوں۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں ایک طرف لے گئے اور کہا اگر آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو کیا آپ رضی اللہ عنہ انصاف سے کام لیں گے اور اگر سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو ان کی اطاعت کریں گے؟ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور ان کو ایک طرف لے گئے اور کہا اگر آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو کیا انصاف سے کام لیں گے اور اگر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا جائے تو کیا ان کی اطاعت کریں گے؟ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت کر لی جس کے بعد حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر لوگوں نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت کی اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۵۸ تا ۲۶۳ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۸)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے اس وقت مملکت اسلامیہ اپنے ایک عظیم رہنما امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم سے دوچار تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات بکثرت ہوئیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہونے والی

اصلاحات کی بناء پر آپ رضی اللہ عنہ کا زمانہ تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جاتا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دین اسلام افریقہ اور یورپ تک پہنچ گیا تھا۔آپ رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد انتظامی امور میں وقت کے اعتبار سے کئی تبدیلیاں کیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔آپ رضی اللہ عنہ کی اپنی فکری سوچ تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی فکری سوچ اور اپنے رفقاء کے مشورہ سے ایسے اہم فیصلے کئے جو مملکت اسلامیہ کی بہتری اور ترقی کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوئے اور مورخین نے بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ان فیصلوں کو سراہا۔آپ رضی اللہ عنہ نے مملکت اسلامیہ کی ترقی اور عوام الناس کی خوشحالی کے لئے جو اقدامات کئے وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ بارہ برس تک خلیفہ رہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسلمان ہند کی سرحدوں تک بھی پہنچے اور قیصر و کسریٰ کی باطل حکومتوں کا خاتمہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے عہد کا سنہری کارنامہ ہے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بے شمار فتوحات ہوئیں اور کئی علاقے مملکت اسلامیہ کا حصہ بنے اور کئی ایسے علاقے جو پہلے سے مفتوحہ تھے مگر ان میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بغاوتیں شروع ہوئیں ان علاقوں میں بھی امن و امان کی صورتحال کو بہتر بنایا گیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے محکمہ فوج کو مزید فنڈز کی فراہمی یقینی بنائی اور فوج میں نئی بھرتیاں بھی کی گئیں۔آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پہلا بحری بیڑہ تیار ہوا جس نے اپنی جرأت اور بہادری کی بدولت سمندروں پر بھی مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم کیا۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کو شرپسندوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس انکار کے بعد ان شرپسندوں نے مدینہ منورہ میں ڈیرے ڈال لئے اور وہ اب مدینہ منورہ کے بازاروں اور گلیوں میں

سرعام پھرتے تھے اور اپنا مطالبہ دہراتے تھے ہم آپ رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سے معزول کروائیں گے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ان شرپسندوں سے مذاکرات کی کوشش کی تا کہ صورتحال بہتر ہو اور امت مسلمہ انتشار کا شکار نہ ہو مگر ان شرپسندوں کا یہی مطالبہ تھا آپ رضی اللہ عنہ منصب خلافت سے دستبردار ہو جائیں وگرنہ ہم مدینہ منورہ سے کسی بھی صورت نہیں جائیں گے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان شرپسندوں کے اس مطالبہ پر کہا۔

"میں حضور نبی کریم ﷺ سے کئے گئے عہد پر قائم رہوں گا اور حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا تمہیں اللہ عزوجل ایک خلعت عطا کرے گا اور لوگ تم سے مطالبہ کریں گے اس خلعت کو اتار دو مگر تم ان کی خواہش پر اس خلعت کو ہرگز نہ اتارنا چنانچہ میں منصب خلافت سے کسی بھی طرح دستبردار نہ ہوں گا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی جانب سے دوٹوک جواب ملنے کے بعد ان شرپسندوں نے کہا۔

"ہم یہاں جنگ کریں گے۔"

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سنی تو فرمایا۔

"اگر میں چاہوں تو مسلمانوں کو اکٹھا کر کے تم مٹھی بھر لوگوں کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹادوں مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر تلوار اٹھائے اور امت مسلمہ انتشار کا شکار ہو۔"

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کران شرپسندوں نے ایک ہنگامہ برپا کردیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۳۵۹ تا ۳۶۱)

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت باسعادت کے بعد اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب ان کی شہادت کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام غلاموں کو بلایا اور انہیں آزاد کرتے ہوئے فرمایا تم یہاں سے چلے جاؤ مگر ان غلاموں نے آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ بروز جمعہ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ قرآنِ پاک کی تلاوت میں مصروف تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھیں۔ چند شرپسند مکان کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے ان میں محمد بن ابی بکر بھی تھے۔ محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک پکڑی اور برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر سے فرمایا۔

"اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو وہ کبھی میری داڑھی کو یوں نہ پکڑتے اور میرے بڑھاپے کا احترام کرتے اور میں تمہارے مقابلے میں اللہ عزوجل سے مدد کا طلبگار ہوں اور اسی سے مدد مانگتا ہوں۔"

مؤرخین لکھتے ہیں محمد بن ابی بکر نے جب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو ڈر کر پیچھے ہٹ گئے اور واپس چلے گئے۔

مؤرخین لکھتے ہیں شرپسندوں نے جب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید

کرنے کے لئے مکان پر باقاعدہ حملہ کیا تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت پر تعینات حضرت سیدنا امام حسن، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر لوگوں نے ان شرپسندوں کو روکنے کی کوشش اور ان سے مقابلہ کر کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب لڑائی کی صورتحال دیکھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں لڑائی کرنے سے منع کیا اور فرمایا۔

"میں کسی مسلمان کا خون بہانا نہیں چاہتا۔"

سودان بن حمران نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ پر تلوار کا وار کیا جسے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے روکا اور ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"یہ وہ ہاتھ تھا جس سے میں وحی لکھتا تھا اور آج یہ ہاتھ راہِ حق میں کٹ گیا اور یہ وہی ہاتھ ہے جس سے میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی تھی۔"

روایات میں آتا ہے اس دوران ایک اور ظالم آگے بڑھا اور اس نے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر برچھی سے زخم لگایا اور اس کے بعد ان ظالموں نے لگاتار وار کرنے شروع کر دیئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید پڑھا ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے خون مبارک کا پہلا قطرہ جس آیت پر گرا وہ یہ تھی۔

فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم

"تمہارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور زمین پر گر پڑے ان ظالموں نے آپ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو ٹھوکریں مارنا شروع کر دیں جس سے آپ

رضی اللہ عنہ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہ کے غلام جو کہ چھت پر موجود تھے وہ شور سن کر بھاگے ہوئے آئے ان میں سے ایک غلام نے سودان بن حمران پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا جبکہ ایک اور غلام نے قتیرہ پر حملہ کر دیا لیکن وہ خود اس حملے میں شہید ہو گیا۔ شور کے ساتھ ہی باقی شر پسند جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر موجود تھے وہ اندر آ گئے اور انہوں نے گھر کے تمام افراد کو باہر نکال کر لوٹ مار شروع کر دی۔ قتیرہ جو کہ پہلے حملے میں بچ گیا تھا جب وہ مکان سے باہر نکلنے لگا تو آپ رضی اللہ عنہ کے ایک اور غلام نے آگے بڑھ کر اسے قتل کر دیا۔ ان شر پسندوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کو بھی زخمی کر دیا اور ان کی چادر بھی اتار لی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک اور غلام جو کہ اس موقع پر موجود تھا اس سے برداشت نہ ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر اس شر پسند کا سر قلم کر دیا۔ دنیاوی لالچ میں ڈوبے ہوئے یہ شر پسند آپ رضی اللہ عنہ کا خون بہانے کے بعد اب گھر میں موجود مال کو لوٹنے میں مشغول تھے اور یہ اس بات کی دلیل تھی کہ یہ شر پسند دنیاوی مال و دولت کے پجاری اور حرص و ہوس کا شکار تھے۔

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد ان کا جسم مبارک تین دن تک بغیر کفن کے پڑا رہا۔ تین دن بعد کچھ جانثاروں نے اپنی جانوں کی پرواہ کئے بغیر رات کے اندھیرے میں گھر میں داخل ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو غسل دیا اور کفن پہنا کر جنت البقیع لے گئے اور رات کے اندھیرے میں قبر کھود کر آپ رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا۔ جس وقت یہ جانثار جنت البقیع میں داخل ہوئے تو انہوں نے سواروں کی ایک جماعت کو دیکھا جسے دیکھ کر یہ گھبرا گئے اور جنازہ چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ ان سواروں کے سردار نے کہا کہ ہم سے ڈرو نہیں ہم تو ان کی تدفین میں شامل ہونے آئے ہیں۔ پھر وہ سوار آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین تک وہیں موجود رہے۔ جو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی

تدفین میں شامل تھے وہ قسم کھا کر کہتے تھے وہ سوار درحقیقت ملائکہ تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے ساتھ ستر افراد تھے جنہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو حش کوکب میں دفن کیا اور شرپسندوں کے شر کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کا نشان چھپا دیا۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو ان کے خون آلود کپڑوں میں ہی مدفون کیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو غسل نہیں دیا گیا۔

مسند امام احمد میں منقول ہے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک "علی" ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے والد عبد مناف ہیں جو اپنی کنیت ابوطالب سے مشہور ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد ہیں۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہیں جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کا لقب "حیدر" ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۵۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۱)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ عام الفیل کے تیس برس بعد ۱۳ رجب المرجب کو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ سے تیس برس چھوٹے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک "علی" تجویز کیا۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک دس برس تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۵۰، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۱)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا لقب حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب آپ رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت کی بناء پر معروف ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن، آپ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک پر ابوالحسن ہے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب کے متعلق کئی روایات بیان کی جاتی ہیں۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب کے متعلق منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ شہزادی رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے کسی بات پر ناراض ہو گئے اور مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں جا کر فرش پر لیٹ گئے اور سو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم پر فرش کی مٹی لگ گئی۔ اس دوران حضور نبی کریم ﷺ کسی کام کی وجہ سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہاں آپ رضی اللہ عنہ کو نہ پا کر پوچھا کہ علی (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کے متعلق بتایا۔ حضور نبی کریم ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ سو رہے تھے اور جسم اقدس پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ حضور نبی کریم ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کے جسم اقدس سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرمانے لگے اے ابوتراب! یعنی مٹی کے باپ اٹھ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جب حضور نبی کریم ﷺ کی آواز سنی تو آپ رضی اللہ عنہ فوراً بیدار ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوتراب مشہور ہو گئی اور آپ رضی اللہ عنہ بھی خود کو اس کنیت سے پکارے جانے پر بے حد خوش ہوتے تھے۔

(صحیح بخاری جلد دوم کتاب المناقب حدیث ۸۹۹، مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۱۶)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے اگلے دن اسلام قبول کیا۔ (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۵۹۷)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے قبولِ اسلام کے متعلق فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور میں نے سہ شنبہ کو اسلام قبول کیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۱)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک روایت کے مطابق دس برس کی عمر اور ایک روایت کے مطابق نو برس کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے زیر سایہ پرورش پائی لہٰذا بچپن سے ہی بت پرستی اور دیگر معاشرتی برائیوں سے دور رہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے بعثت کے بعد خفیہ طور پر اپنی تبلیغ جاری رکھی اور اس عرصہ میں کئی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ تین برس کی خفیہ تبلیغ کے بعد اللہ عزوجل نے سورۃ الشعراء کی آیت ذیل نازل فرمائی جس میں حضور نبی کریم ﷺ کو اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوتِ اسلام دینے کا حکم دیا گیا۔ سورۃ الشعراء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

"(اے محبوب ﷺ)! اپنے رشتہ داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مطابق کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر اپنی قوم کو بلایا۔ جب تمام قریش جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے میری قوم! اگر میں تم سے کہوں اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک لشکر موجود ہے اور تم پر حملہ کرنے کو تیار ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟"

قریش نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ہاں! ہم اس بات کا یقین کرلیں گے کیونکہ ہم نے تمہیں صادق اور امین پایا ہے۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے قریش کی بات سنی تو فرمایا۔

"میں تمہیں اللہ عزوجل کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور دعوتِ حق دیتا ہوں اگر تم لوگ ایمان لے آئے تو فلاح پاؤ گے اور اگر ایمان نہ لائے تو عذابِ الٰہی تم پر نازل ہوگا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ کی بات سن کر تمام قریش طیش میں آگئے اور آپ ﷺ کے چچا ابولہب لوگوں کو بھڑکا کر وہاں سے لے گیا۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۷۰)

حضور نبی کریم ﷺ نے قریش کو واپس لوٹتے دیکھا تو حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے ان سے فرمایا۔

"ابولہب نے جلدی کی اور تم ایک دعوت کا انتظام کرو جس میں تم بنی عبدالمطلب کو دعوتِ طعام دو۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر ایک پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا جس میں بنی عبدالمطلب کو مدعو کیا گیا۔ اس دعوتِ طعام میں سیدنا امیر حمزہ، سیدنا عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ جناب ابوطالب اور ابولہب نے بھی شرکت کی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اس دعوتِ طعام کے بعد بنی عبدالمطلب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے بنی عبدالمطلب! تمہارے پاس اہل عرب سے کوئی بھی

ایسا شخص آج تک نہیں آیا ہو گا جو مجھ سے بہتر کسی چیز کی تمہیں دعوت دے اور میں رب تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور اللہ عزوجل نے مجھے منصب نبوت پر فائز کیا ہے۔ایک دن ہمیں موت آن لے گی اور مرنے کے بعد ہمیں زندہ کیا جائے گا، پھر ہمارے اعمال کا حساب ہو گا اور نیکی کا بدلہ نیکی ہے جبکہ برائی کے بدلہ میں عذابِ خداوندی مقدر ہو گا۔

اے بنی عبدالمطلب! تم جانتے ہوں میں ناتواں ہوں اور مجھے تمہاری حمایت اور مدد کی ضرورت ہے تم میں سے جو بھی میری مدد کے لئے کھڑا ہو گا وہ میرا بھائی ہو گا پس تم میں سے کون ہے جو میری اس دعوت کو قبول کرے؟"

حضور نبی کریم ﷺ کے اس خطاب کے بنی عبدالمطلب نے منہ موڑ لیا اور کوئی بھی حضور نبی کریم ﷺ کی مدد کے لئے تیار نہ ہوا۔اس موقع پر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو کم سن تھے اور ناتواں تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! بلاشبہ میں کم سن ہوں، کمزور ہوں مگر میں آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتا ہوں اور میں آپ ﷺ کی مدد کروں گا اور جو آپ ﷺ سے جنگ کرے گا میں اس سے جنگ کروں گا۔"

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کے روشن مستقبل کی دلیل تھا اور آپ رضی اللہ عنہ کے جواب میں حضور نبی کریم

ﷺ نے جو الفاظ کہے ان سے آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بھی ظاہر ہوتے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

"اے علی (رضی اللہ عنہ)! تو میرا بھائی اور وارث ہے۔"

مؤرخین لکھتے ہیں ابولہب نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر آپ رضی اللہ عنہ کا تمسخر اڑایا اور آپ رضی اللہ عنہ کی جسمانی کمزوری پر شدید تنقید کی مگر وہ آپ رضی اللہ عنہ کی روحانی قوت کا ادراک نہ رکھتا تھا اور مستقبل میں آپ رضی اللہ عنہ کو ملنے والے مقام و مرتبہ سے نابلد تھا۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۷۰ تا ۷۱)

اعلانِ نبوت کے چوتھے برس حضور نبی کریم ﷺ نے سورۃ الحجر کے نازل ہونے کے بعد علی الاعلان تبلیغ اسلام شروع کی تو مشرکین مکہ نے آپ ﷺ اور نومسلموں کے خلاف ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانے والوں میں ابولہب اور ابوجہل سرفہرست تھے جن کی اسلام دشمنی کی بدولت آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کئے گئے وعدہ کو پورا کیا اور ہر مشکل گھڑی میں آپ ﷺ کے قدم بہ قدم رہے اور مشرکین مکہ کے مظالم کو برداشت کرتے رہے۔

(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۷۱)

روایات میں آتا ہے کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے اور مسلسل سفر کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کے قافلہ سے قبا میں آن ملے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو جب آپ رضی اللہ عنہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں

مسلسل سفر کی وجہ سے شدید زخمی ہیں اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ چلنے کی سکت نہیں رکھتے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ خود آپ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں سے اس وقت خون جاری تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو گلے سے لگایا اور آپ رضی اللہ عنہ کے زخموں پر اپنا لعابِ دہن لگانا شروع کر دیا۔ (اسد الغابہ جلد ہفتم صفحہ ۶۰۰)

حضور نبی کریم ﷺ نے قبا میں حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ سے زمین خریدی اور اس پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی جسے مسجد قبا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس مسجد کی تعمیر میں حضور نبی کریم ﷺ کے شانہ بشانہ حصہ لیا۔ قبا میں پہلی مرتبہ نمازِ جمعہ باجماعت ادا کی گئی جس میں سو کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شمولیت فرمائی۔ قبا میں حضور نبی کریم ﷺ کا قیام قریباً پندرہ روز تک رہا۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۱۰۹)

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات قائم کی تو حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔

حضرت عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جب حضور نبی کریم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین اخوت کا رشتہ قائم کیا تو حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔

”تم میرے بھائی اور وارث ہو، میں تمہارا وارث ہوں۔“

(طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۱۵۲)

حضور نبی کریم ﷺ کی شہزادی اور لاڈلی بیٹی خاتونِ جنت حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ۲ھ میں ہوا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی لاڈلی صاجزادی حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لئے سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم ﷺ کو پیغام بھیجا مگر حضور نبی کریم ﷺ نے ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا میں حکم خداوندی کا منتظر ہوں۔ایک دن سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم بات کر رہے تھے کہ ہم سمیت بے شمار شرفاء نے حضور نبی کریم ﷺ کی صاجزادی حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر کی لیکن ہم میں سے کسی کو اس بارے میں مثبت جواب نہیں ملا ایک علی (رضی اللہ عنہ) رہ گئے ہیں مگر وہ اپنی تنگدستی کی وجہ سے خاموش ہیں ہمیں ان کی حوصلہ بڑھانا چاہئے تاکہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش کر سکیں چنانچہ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم ،حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے تو پتہ چلا آپ رضی اللہ عنہ اس وقت ایک دوست کے باغ کو پانی دینے کے لئے گئے ہوئے تھے۔جب یہ حضرات اس جگہ پہنچے تو انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو قائل کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ،حضور نبی کریم ﷺ سے ان کی صاجزادی کا رشتہ مانگیں اور وہ جانتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ ان کی شرافت ،قرابت اور جانثاری کی بناء پر انہیں اپنی صاجزادی کا رشتہ دے دیں گے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جانب سے نکاح کا پیغام سنا تو آپ ﷺ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوتی تھی۔پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اللہ عزوجل نے مجھے بذریعہ وحی مطلع کیا ہے میں اپنی لاڈلی بیٹی

کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے کردوں۔"

پھر حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا تمام مہاجرین وانصار میں منادی کروادو کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائیں چنانچہ مہاجرین وانصار کی ایک کثیر تعداد مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائی اور حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی صاجزادی کا نکاح حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۰۹)

روایات میں آتا ہے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور نبی کریم ﷺ سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اسے قبول فرما لیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس وقت میرے پاس صرف ایک گھوڑا اور ایک زرہ موجود ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم جاؤ اور اپنی زرہ فروخت کر دو اور اس سے جو رقم ملے وہ لے کر میرے پاس آجانا۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ لی اور مدینہ منورہ کے بازار میں چلے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی زرہ لے کر بازار میں کھڑے تھے کہ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے یہاں کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا میں یہاں اپنی زرہ فروخت کرنے کے لئے کھڑا ہوں۔ سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ چار سو درہم میں خرید لی اور پھر وہ زرہ آپ رضی اللہ عنہ کو تحفتہً دے دی۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر تمام ماجرا حضور نبی کریم ﷺ کے گوش گزار کیا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان ابن عفان

رضی اللہ عنہ کا ایثار دیکھ کر ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور زرہ کی رقم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیتے ہوئے فرمایا اس سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے ضروری اشیاء خرید لائیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب تمام اشیاء خرید کر لے آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے خود آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح پڑھایا۔

(زرقانی جلد دوم صفحہ ۳ تا ۴)

حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کے بعد حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا وہ کوئی گھر کرائے پر لے لیں تا کہ رخصتی عمل میں آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ بن نعمان کا گھر کرایہ پر لے لیا اور یوں دخترِ رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کے گھر آئیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رخصتی غزوہ بدر کے بعد یعنی نکاح کے قریباً سات یا آٹھ ماہ بعد ہوئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمام مہاجرین وانصار کو اپنے ولیمہ میں شرکت کی دعوت دو۔ آپ رضی اللہ عنہ کی دعوتِ ولیمہ میں چھوہارے اور گوشت سے کھانا تیار کروایا گیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دعوتِ ولیمہ میں چھوہارے اور گوشت سے کھانا تیار کروایا گیا اور اس دعوتِ ولیمہ سے بہترین دعوتِ ولیمہ کوئی نہ تھی۔

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ہشتم صفحہ ۱۵۸)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے منقول ہے فرماتی ہیں کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا رخصت ہو کر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائیں تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بستر کی

جگہ ریت بچھائی گئی تھی اور کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ موجود تھا۔ گھر میں ایک گھڑا پانی کا تھا اور ایک برتن جس سے پانی پیا جاسکے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھجوایا جب تک میں تمہارے پاس نہ آجاؤں تم اپنے اہل کے قریب نہ جانا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے پوچھا میرا بھائی کہاں ہے؟ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا آپ ﷺ کے بھائی اور بیٹی کے شوہر ادھر ہیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور پھر اس پر کچھ پڑھنے کے بعد وہ پانی پہلے آپ رضی اللہ عنہ کو دیا کہ اسے پی لیں اور سینہ پر مل لیں پھر حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دیا کہ وہ بھی اسے پی لیں اور سینہ پر مل لیں۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا لو تم اپنے اہل کو سنبھالو پھر دونوں کو دعا دیتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۱۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کیا تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ ﷺ نے میرا نکاح اس شخص کے ساتھ کر دیا جس کے پاس نہ مال ہے نہ گھر؟ اس پر آپ ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! میں نے تیرا نکاح ایسے شخص سے کیا جو مسلمانوں میں علم و فضل کے لحاظ سے سب سے دانا اور بہترین ہے۔" (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۱۰)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا جب خاتونِ جنت حضرت

سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک قریباً اکیس برس تھی جبکہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک قریباً پندرہ برس تھی۔

(مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۲۴۹)

کتب سیر میں منقول ہے کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دخترِ رسول اللہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے بے پناہ محبت تھی اور دونوں کے مابین زبردست ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی بات کو سمجھتے تھے اسی لئے مشکل حالات میں بھی دونوں کے درمیان کبھی کوئی لڑائی یا ناچاقی کی بات نہ ہوئی۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نہایت ہی صابر و شاکر تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی گفتگو کا انداز حضور نبی کریم ﷺ سے مشابہ تھا اور آپ رضی اللہ عنہا ان کی زندگی کا بہترین نمونہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے گھر کا تمام کام اپنے ہاتھوں سے کرتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے آپ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں کئی مرتبہ چھالے پڑ جاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دیتیں، کپڑے دھوتیں اور اس کے علاوہ رضائے الٰہی کے لئے پنج وقتہ نمازوں کی پابندی اور تسبیحات کے لئے بھی وقت نکالتی تھیں۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے گھریلو حالات چونکہ اتنے اچھے نہ تھے اس لئے اکثر و بیشتر گھر میں فاقہ ہوتا۔ اگر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مزدوری مل جاتی تو گھر میں کھانے کا انتظام ہو جاتا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کبھی حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بے جا فرمائشیں نہ کیں اور نہ ہی کبھی ان سے کسی چیز کے نہ ہونے کا شکوہ کیا۔

منقول ہے ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ آٹھ پہر سے بھوکے تھے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کو کہیں مزدوری مل گئی اور اس مزدوری کے عوض انہیں ایک درہم ملا۔ آپ رضی اللہ عنہ

نے اس ایک درہم سے جو خریدے اور گھر لا کر حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دیئے جنہوں نے اسے چکی میں پیس کر روٹی بنائی اور پھر دونوں نے تناول فرمائی۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ صبح کے وقت حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دروازے پر پہنچ کر فرمایا السلام علیکم بیٹی! میرے ہمراہ ایک شخص بھی ہے کیا ہم اندر آجائیں؟ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بابا جان! اس وقت میرے بدن پر ایک پرانی قمیص کے سوا کچھ نہیں اور اس قمیص سے سارا بدن نہیں ڈھانپا جاسکتا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی چادر انہیں پکڑا دی جس سے انہوں نے اپنا بدن ڈھانپ لیا۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ مجھے لے کر گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے حال دریافت کیا تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے کہا بابا جان! کل سے فاقہ ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ ان کی بات سن کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا بیٹی! میں نے خود تین دن سے کچھ نہیں کھایا حالانکہ میں اللہ کا محبوب اور رسول ہوں اور تمہاری نسبت اللہ عزوجل کے زیادہ قریب ہوں۔ بیٹی! میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے اور فقر و فاقہ اختیار کیا ہے۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے کندھوں پر رکھا اور فرمایا۔

"تم جنتی عورتوں کی سردار ہو اور میں نے تمہارا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو دنیا و آخرت میں سردار ہے تم اپنے شوہر کے ساتھ صبر و شکر سے رہو۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب کا گھر حضور نبی کریم ﷺ کے گھر سے

کچھ فاصلہ پر واقع تھا چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی لاڈلی صاجزادی سے بے پناہ محبت تھی اس لئے ایک دن حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا بیٹا! میرا دل چاہتا ہے تمہیں اپنے نزدیک بلوالوں۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا بابا جان! حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کے کئی مکانات آپ ﷺ کے مکان کے قرب وجوار میں موجود ہوں اگر ان سے کہا جائے تو وہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حارثہ (رضی اللہ عنہ) نے پہلے بھی مہاجرین کو اپنے بہت سے مکانات دیئے ہیں اس لئے اس سے کہتے ہوئے عجیب لگتا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے بعد خاموش ہو گئیں۔ کچھ روز بعد جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بن نعمان کو اس بات کا علم ہوا تو وہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور نبی کریم ﷺ کے مکان سے متصل اپنا ایک مکان آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔

> "یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میری تمام چیزیں آپ ہی کی ملکیت ہیں آپ انہیں جیسے چاہیں استعمال میں لا سکتے ہیں میرے نزدیک آپ اور آپ کے گھر والے ہر شے سے مقدم ہیں۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا اپنے اہل خانہ سمیت اس مکان میں منتقل ہو جائیں۔ (سیرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا صفحہ ۹)

حضور نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے اور مکہ مکرمہ میں رہنے والے مسلمان بھی اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ دشمنانِ اسلام کو مسلمانوں کا یوں مدینہ منورہ میں امن اور سکون سے رہنا ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا چنانچہ وہ دن رات مسلمانوں اور دین اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے

تھے۔اس دوران مسلمانوں اور اسلام دشمن قوتوں کے مابین کئی جنگیں ہوئیں جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔

فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ملک یمن روانہ کیا تاکہ وہ وہاں دین اسلام کی تبلیغ کر سکیں۔آپ رضی اللہ عنہ نے یمن پہنچ کر دین اسلام کی تبلیغ کا کام اس مؤثر انداز میں کیا کہ یمن کا سب سے بڑا قبیلہ ہمدان دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰ھ میں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ پھر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تین سو سواروں کے ہمراہ ملک یمن روانہ کیا۔ اس مہم میں روانگی کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا اور سیاہ علم آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ مجھے اہل کتاب کے پاس بھیج رہے ہیں میں جوان ہوں ان لوگوں کے متعلق فیصلہ کرنا میرے لئے مشکل ہوگا۔"

حضور نبی کریم ﷺ نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا اور دعا فرمائی۔

"الٰہی! علی (رضی اللہ عنہ) کے سینہ کو کشادہ فرمادے اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو نورِ ہدایت سے منور فرما۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ملک یمن روانہ ہوئے اور لوگوں کو دعوتِ حق دی جس کو اہل یمن نے قبول کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی تبلیغی کاوشوں سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

ملک یمن میں مذحج کے مقام پر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ایک قبیلے سے ہوا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے تین سو سواروں کے مختصر لشکر کے ہمراہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جس کے بعد وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے۔
(تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۳۶۰)

مؤرخین لکھتے ہیں ۱۰ھ میں حضور نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی جانب حج بیت اللہ کی غرض سے عازم سفر ہوئے۔ آپ ﷺ کی روانگی کی خبر آناً فاناً گرد و نواح میں پھیل گئی اور پھر لوگوں کے قافلے جوق در جوق آپ ﷺ کے قافلے سے ملنے لگے اور یوں جب یہ قافلہ حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا تو روایات کے مطابق اس قافلے میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد موجود تھے۔

واقدی کا قول ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وصال فرمایا اور دوسرے دن یعنی سہ شنبہ کے دن دوپہر کے وقت زوال کے بعد آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔ (تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۴۰۴)

حضور نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا معاملہ پیش آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس شش و پنج میں مبتلا ہوئے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین کہاں کی جائے؟ اس موقع پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ نبی جس جگہ وصال فرماتا ہے اسی جگہ اس کی تدفین عمل میں آتی ہے۔"

چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کو ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے

حجرہ میں مدفون کیا گیا۔ (سیرت ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۴۳۹)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے اور ان میں سے ایک شخص کہتا تھا یہ دوسرا شخص کہتا ہے میں نے خواب میں تیری ماں کے ساتھ جماع کیا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی تو خاموش ہو گئے۔ حیدر کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے انہوں نے فرمایا۔

"اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سایہ کو کوڑے مارے جائیں کیونکہ خواب کی حقیقت مثل سایہ کے ہے اور اس شخص کو بھی بطورِ تنبیہ کوڑے مارے جائیں تا کہ یہ آئندہ ایسا برا خواب بیان کر کے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ دے۔"

(حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے صفحہ ۵۰)

حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا مرض الوصال میں مبتلا ہوئیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے تشریف لائے اور حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی انہیں سیدہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کی اجازت دیں۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے جا کر کہا مسلمانوں کے خلیفہ تمہاری عیادت کے لئے تشریف لائے ہیں اگر تم کہو تو میں انہیں گھر کے اندر آنے کی اجازت دے دوں۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی اور آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ان کا حال احوال دریافت کیا اور فرمایا۔

"اللہ کی قسم! میں نے اپنے گھر، اپنے مال اور اپنے خاندان کو

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور حضور نبی کریم ﷺ کے
اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔"

حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا جو اس سے قبل وراثت کے معاملہ پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو اپنی ناراضی فوراً ختم کر دی۔ (البدایہ والنہایہ جلد پنجم صفحہ ۲۸۹)

مؤرخین لکھتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اچھی دوستوں میں شمار ہوتی ہیں۔ حضرت ام جعفر رضی اللہ عنہا سے منقول ہے فرماتی ہیں حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ایک روز حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھے یہ بالکل اچھا نہیں لگتا جس طرح آج کل عورتوں کا جنازہ لے کر جایا جاتا ہے ان کے اوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا اور عورتوں کی جسامت بھی دکھائی دیتی ہے۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے حبشہ کے لوگوں میں دیکھا ہے کہ جب عورتوں کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے تو اس پر تازہ کھجوروں کی شاخیں منگوا کر چارپائی پر کمان کی مانند باندھ کر کپڑا ڈال دیتے ہیں جس سے جنازہ کی پہچان ہو جاتی ہے یہ عورت کا جنازہ ہے اور پردہ بھی برقرار رہتا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا جب میرا وصال ہو جائے تو میرا جنازہ بھی اسی طرح اٹھانا اور تمہارے اور میرے شوہر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سوا مجھے کوئی غسل نہ دے۔

روایات میں آتا ہے کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے روز جب گھر تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہا نے بیماری اور کمزوری کے باوجود آٹا گوندھا اور اپنے ہاتھ سے روٹیاں پکائیں۔ پھر حیدرِ کرار

حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بچوں کے کپڑے دھوئے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! میں نے تمہیں کبھی دو کام اکٹھے نہیں کرتے دیکھا آج تم کام اکٹھے کر رہی ہو۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے رات خواب میں اپنے والد بزرگوار حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ بابا جان میرے منتظر تھے میں نے عرض کیا میری جان آپ ﷺ کی جدائی میں نکل رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا فاطمہ (رضی اللہ عنہا)! میں بھی تمہارا انتظار کر رہا ہوں پس اس خواب کے بعد میں نے جان لیا میرا اس دنیا میں یہ آخری دن ہے اور میں اب اس دنیا سے پردہ فرمانے والی ہوں۔ میں نے یہ روٹیاں اس لئے پکائی ہیں کل جب آپ رضی اللہ عنہ میرے غم میں مبتلا ہوں تو میرے بچے بھوکے نہ رہیں اور کپڑے اس لئے دھو دیئے ہیں کہ میرے بعد جانے کون کپڑے دھوئے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جب آپ رضی اللہ عنہا کی باتیں سنیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی جدائی اور اب حضور نبی کریم ﷺ کی لاڈلی صاحبزادی کی جدائی آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ایک کاری زخم سے کم نہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جب حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا غم نہ کریں اور جیسے آپ (رضی اللہ عنہ) نے پہلے صبر کیا اب بھی صبر کیجئے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال سے قبل حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا میرے بچوں کو کھانا کھلا دیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے جب انہیں کھانے کے لئے جمع کیا تو انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا ہم اپنی والدہ کے بغیر کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس دوران حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور آپ

رضی اللہ عنہا نے بچوں کو ان کے نانا محبوبِ خدا حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک پر بھیج دیا۔ ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ بچے پھر آگئے اور حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے ہمیں اپنی والدہ کا آخری دیدار کرنے دیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اشارہ سے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ انہیں آنے دیں۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھول دیا اور بچے بھاگ کر ماں کے سینہ سے لگ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے انہیں پیار کیا اور انہیں دعائیں دیتے ہوئے ایک مرتبہ پھر حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک پر بھیج دیا۔

بچوں کے جانے کے بعد حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو کہ اس وقت آپ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھیں ان سے کہا والدہ! میرے غسل کے لئے پانی کا انتظام کریں تا کہ میں غسل کرسکوں۔ ام المومنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پانی کا انتظام کیا اور آپ رضی اللہ عنہا نے غسل کیا۔ غسل کرنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے صاف ستھرے کپڑے پہنے اور قبلہ رو ہو کر لیٹ گئیں۔

قبلہ رو لیٹنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام جسد اطہر کو حنوط کرنے کے لئے کافور بہشتی لائے تھے جس کے آپ ﷺ نے تین حصے کئے۔ ان میں سے دو حصے مجھے عنایت ہوئے اور وہ میرے اور ابوالحسن (رضی اللہ عنہ) کے لئے تھے۔ تم اس میں سے ایک حصہ لے آؤ اور دوسرا حصہ ابوالحسن (رضی اللہ عنہ) کے لئے سنبھال کر رکھ دو۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے جانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی امت کے گنہگاروں کے لئے دعا فرمائی اور اپنے بچوں کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر

دی۔ (پیارے نبی ﷺ کی پیاری صاحبزادیاں)

صحیح روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہا کے فرمان کے مطابق حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے آپ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا جبکہ غسل کا سامان حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہیں دیتے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا۔ بوقت وصال آپ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک قریباً انتیس برس تھی۔

مؤرخین لکھتے ہیں جب حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو اس کی اطلاع سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ فوراً چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لائے اور اس وقت نمازِ جنازہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سیدہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ آپ رضی اللہ عنہ پڑھائیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھائی اور پھر حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تدفین جنت البقیع میں کی گئی۔

(طبقات ابن سعد جلد ہشتم صفحہ ۲۹)

حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال پر آپ رضی اللہ عنہا کے بچے جو ابھی کم سن تھے وہ بے حد افسردہ تھے اور آپ رضی اللہ عنہا کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی بچوں کو دلاسہ دیتے ہوئے رو پڑتے تھے۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جو مجلس شوریٰ قائم کی گئی جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کیا گیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا عثمان ابن عفان، حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کا کام تھا کہ وہ روزمرہ کے معمولی اور اہم نوعیت کے تمام معاملات کو نبٹائے۔ جب

کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو مجلس شوریٰ کے ارکان اکابر مہاجر و انصار کا اجلاس طلب کرتے جس میں سب کی رائے معلوم کرنے کے بعد فیصلہ کیا جاتا۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شر پسند مدینہ منورہ میں دندناتے پھر رہے تھے۔ اس دوران انصار و مہاجرین کا ایک گروہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بننے کا مشورہ دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے سے یکسر انکار کر دیا۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بھی خلیفہ بننے کی پیشکش کی گئی لیکن ان حضرات نے بھی خلیفہ بننے سے انکار کر دیا۔ جب اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی منصب خلافت پر بیٹھنے کو تیار نہ ہوا تو شر پسند پریشان ہو گئے۔ معاملات ان کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے تھے اور سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے وہ جس غلطی کے مرتکب ہو چکے تھے اس کا خمیازہ ساری قوم بھگتنے والی تھی۔

ان شر پسندوں میں اکثریت مصریوں کی تھی انہوں نے اہل مدینہ کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا۔

"تم دو دن کے اندر اپنے خلیفہ نامزد کر لو کیونکہ تمہارا حکم امت محمدیہ ﷺ پر نافذ العمل ہے ہم اس خلیفہ کی بیعت کر کے واپس چلے جائیں ورنہ ہم تمام اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیں گے۔"

اہل مدینہ نے جب باغیوں کا یہ اعلان سنا تو وہ ایک مرتبہ پھر حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے

لئے قائل کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے منصب خلافت قبول کر لیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہفتم صفحہ ۳۰۰)

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ چونکہ نازک حالات میں منصب خلافت پر فائز ہوئے تھے اور لوگوں میں شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق غم و غصہ پایا جاتا تھا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اعتماد میں لینے کے لئے ان سے خطاب کا فیصلہ کیا۔ منصب خلافت قبول کرنے کے بعد حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لے گئے اور منبر رسول اللہ ﷺ پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اس خطاب کے بعد اہل مدینہ بیعت کے لئے آگے بڑھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ سے بیعت کے وقت یہ شرط رکھی کہ آپ رضی اللہ عنہ سنت و شریعت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کریں گے اور قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص طلب کریں گے۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۸)

مؤرخین لکھتے ہیں حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خطبہ خلافت سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت زبیر بن العوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم بھی آپ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تشریف لے آئے اور آپ رضی اللہ عنہ سے سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کیا اور کہا۔

"ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی شرط پر کی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لیں گے۔"

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"مجھے بذات خود سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر دلی افسوس ہے اور میں کوشش کروں گا جلد سے جلد سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار کروں۔" (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۹ تا ۳۰)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین کے درمیان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مطالبہ پر غلط فہمی کی بناء پر آپس میں جنگ ہوئی جسے جنگ جمل کہا جاتا ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرنے والے باری باری شہید ہوتے جا رہے تھے۔ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا جنگ میں کمی کی بجائے شدت آتی جا رہی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اگر کسی طرح جنگ نہ روکی گئی تو بہت سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو جائیں گے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں جس سے ناقہ نیچے گر پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا تم اپنی ہمشیرہ اور ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرو تاکہ انہیں کچھ نقصان نہ پہنچے چنانچہ محمد بن ابی بکر نے ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اٹھایا اور عماری کے مقام پر لے گئے جہاں کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے بیٹھتے ہی جنگ کا زور کم ہونا شروع ہو گیا اور کچھ دیر بعد جنگ ختم ہو گئی۔

جنگ جمل میں ایک روایت کے مطابق دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت کعب بن مالک، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۱۰۰ تا ۱۶۱)

مورخین لکھتے ہیں کہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان سفارتی کوششیں قریباً تین ماہ تک جاری رہیں لیکن ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا بالآخر یکم صفرالمظفر ۳۷ھ کو دونوں فریقین کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔ جنگ کے دوران آہستہ آہستہ شدت آتی گئی اور بے شمار مسلمان مارے گئے۔ پھر جنگ ساتویں دن میں داخل ہوگئی اور اس دن کو تاریخ میں لیلۃ الہریر کہا جاتا ہے۔ اس ایک دن میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان مارے گئے۔ جنگ صفین میں قریباً ستر ہزار مسلمان مارے گئے۔

روایات کے مطابق جنگ صفین میں ستر ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں مہاجرین اور انصار بھی شامل تھی۔ جنگ صفین اسلامی تاریخ کا ایک تاریک پہلو ہے جس میں وہ مسلمان جو کبھی حق کے لئے لڑتے تھے آپس میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ جنگ صفین کے بعد مملکت اسلامیہ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ مسلمانوں میں تفرقہ بازی شروع ہوگئی اور فتوحات کا دروازہ عملی طور پر بند ہوگیا۔ (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۱۸۳ تا ۲۴۶)

اقرارنامہ کی تحریر کے بعد دونوں جانب سے فریقین نے اس پر دستخط کئے اور اس کے بعد دونوں منصفین کو چھ ماہ کی مہلت دی گئی کہ وہ اس مدت کے دوران دومتہ الجندل کے مقام پر دونوں فریقین کو طلب کر کے اپنا فیصلہ سنائیں گے اور اس دوران اہل عراق اور اہل شام کے چار چار سو لوگ بھی ان کے ہمراہ ہوں گے جو تمام مسلمانوں کے قائم مقام تصور کئے جائیں گے۔ (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۲۴۷ تا ۲۴۸)

خارجیوں کو نہروان میں عبرتناک شکست ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں جو خارجی میدانِ جنگ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے ان خارجیوں نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب، حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ ان خارجیوں کا سردار ابن ملجم نامی شخص تھا۔

ابن ملجم نے حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی حامی بھری۔ عمر بن بکر تمیمی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی شہادت کی حامی بھری جبکہ برک بن عبداللہ تمیمی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی حامی بھری چنانچہ ان تینوں نے اپنے اس ناپاک ارادے کے لئے سترہ رمضان المبارک بوقت فجر کا وقت طے کیا اور اپنے اس مذموم ارادے کی تکمیل کے لئے نکل پڑے۔

عمر بن بکر تمیمی اور برک بن عبداللہ تمیمی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے جبکہ حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے لئے ابن ملجم کوفہ پہنچا۔ ابن ملجم مصر کا رہنے والا تھا اس نے کوفہ جا کر اپنے حامیوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا جو نہروان میں بچ گئے تھے۔ اس دوران اس نے اپنا راز کسی سے بیان نہ کیا۔ ایک دن اس کی ملاقات شبیب بن شجرہ سے ہوئی جو اسے اپنے کام کا آدمی لگا۔ ابن ملجم نے جب اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا تو اس نے ابن ملجم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا لیکن ابن ملجم نے اسے لالچ دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔

سترہ رمضان المبارک بروزِ جمعہ نمازِ فجر کے وقت ابن ملجم اپنے دونوں ساتھیوں شبیب اور وردان کے ہمراہ جامع مسجد کوفہ پہنچا اور یہ تینوں مسجد کی ایک کونے میں چھپ گئے۔ جس وقت حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر کے لئے تشریف لائے اس وقت شبیب نے آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ پر پہلا وار کیا۔ شبیب کے وار کے بعد ابن ملجم آگے بڑھا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ پر دوسرا وار کیا۔

وردان نے یہ دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا۔ شبیب بھی وار کرنے کے بعد بھاگ نکلا جبکہ ابن ملجم پکڑا گیا۔ وردان نے جب اس کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے زخمی حالت میں اپنے بھانجے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے بیٹے حضرت جعدہ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس دوران سورج طلوع ہو چکا تھا۔ لوگ آپ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں گھر لے گئے۔

(تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۵۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سخت زخمی ہونے کے باوجود جمعہ و ہفتہ تک بقید حیات رہے لیکن اتوار کی رات میں آپ رضی اللہ عنہ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی اور یہ بھی روایت ہے کہ ۱۹ رمضان المبارک میں آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان المبارک میں آپ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا امام حسن، حضرت سیدنا امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے غسل دیا۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور آپ رضی اللہ عنہ کو دارالامارت کوفہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

کچھ روایات کے مطابق حیدرِ کرار حضرت سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی جامع مسجد میں مدفون کیا گیا جبکہ کچھ روایات کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے سترہ کلومیٹر دور دفن کیا گیا۔ (تاریخ طبری جلد سوم صفحہ ۳۵۶)

باب ہفتم:

نواسے اور نواسیاں

حضرت سیدنا علی بن ابو العاص رضی اللہ عنہ

حضرت علی بن ابو العاص رضی اللہ عنہ ہجرتِ مدینہ سے قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کو تاجدارِ انبیاء ﷺ نے اپنی زیر کفالت میں لے لیا اور آپ رضی اللہ عنہ حضورِ نبی کریم ﷺ کے زیرِ عاطفت میں پرورش پانے لگے۔ فتح مکہ کے دن جب حضور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ صاحبزادے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ ہی اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایامِ سن بلوغ میں اپنے والد حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی انتقال فرمایا لیکن ابن عساکر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں موجود تھے اور اسی جنگ میں لڑتے ہوئے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ (اصابہ صفحہ ۴۰)

حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہا

اُمامہ سے آنحضرت ﷺ بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ ﷺ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوشِ مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔

آپ ﷺ آہستہ سے ان کو اُتار دیتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

ایک بار آنحضرت ﷺ کے پاس ہدیہ میں ایک زریں ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا' سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائیں گے لیکن آپ ﷺ نے امامہ کو بلایا اور راول ان کی آنکھوں کو اپنے دستِ مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

اخرجه ابن سعد و احمد و ابو یعلی بسند حسن عن عائشه

(ابن سعد، محمد، الطبقات الکبریٰ، ج ۸: ص ۴۰)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔ (زرقانی، ج ۳: ص ۱۹۵)

حضرت عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ

حبشہ میں قیام کے دوران حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے جن کا اسم گرامی عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی کنیت ان صاحبزادے کی ہی وجہ سے ابو عبداللہ تھی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک ابھی چھ برس کی تھی کہ ایک مرغ نے اُن کی آنکھ میں چونچ ماردی، جس پر تمام چہرے پر ورم آ گیا اور یہ ہی صدمہ بالآخر آپ

کی وفات کا سبب بنا۔ چنانچہ جمادی الاول ۴ھ کو مدینہ طیبہ میں انتقال فرما گئے۔ حضورِ نبی کریم ﷺ نے اُن کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُن کو لحد میں اُتارا۔ (اسد الغابہ، طبقات ابن سعد)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ہے جبکہ والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ شہزادی رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ رشتہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۲، اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۵۶)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس وقت حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تولد ہوئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت کیا تم نے فرزند کا نام کیا تجویز کیا؟ میں نے عرض کیا میں نے بچے کا نام "حرب" تجویز کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حرب نہیں بلکہ حسن (رضی اللہ عنہ) ہے۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابو محمد" ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت حضور نبی کریم ﷺ نے تجویز فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی اس کنیت کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ میری یہ کنیت زمانہ جاہلیت سے اب تک کسی کی نہ ہوئی۔ (اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۵۷)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب پدری ذیل ہے۔

"سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بن علی (رضی اللہ عنہ) بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔"

(اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۵۶)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب مادری ذیل ہے۔

"سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بن سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔"

(اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۵۶)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تین ہجری میں تولد ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے نام کی طرح حسن و جمال میں بے مثل تھے۔

روایات میں آتا ہے کہ جس وقت حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تولد ہوئے اس وقت حضور نبی کریم ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا میرے بیٹے کو لاؤ۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا گود میں آپ رضی اللہ عنہ کو لے کر حاضر ہوئیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے دائیں کان میں اذان دی اور پھر بائیں کان میں تکبیر کہی۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے ساتویں روز آپ رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے بال منڈوائے۔ پھر حضور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کریں اور اسی روز حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کا ختنہ کروایا اور نام مبارک تجویز کیا چنانچہ اسی نسبت سے یہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنت کہلائی۔ (اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۵۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۲، نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۵۳۹، مسند امام احمد جلد ششم صفحہ ۳۹۱)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے قریباً چھ برس اور چار ماہ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں بسر کئے اور قریباً سات برس اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی صحبت میں گزارے اور قریباً ۳۷ برس اپنے

والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بسر کئے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ان تمام ہستیوں کے اوصافِ حسنہ کا مجموعہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں بسر کی۔

صحیح روایات سے منقول ہے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پاپیادہ کئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سواری کے لئے اونٹنیاں بھی موجود ہوتیں لیکن آپ رضی اللہ عنہ ان پر سواری نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے کہ میں اس کے گھر جاؤں اور سواری پر سوار ہو کر جاؤں۔ (اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۱ ،تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۴)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک کنیز نے پھول پیش کیا آپ رضی اللہ عنہ نے اس پھول کے بدلے میں اسے آزاد فرما دیا اور فرمایا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ جو تمہارے ادب کو ملحوظ رکھو تم اس سے بھی زیادہ اسے عزت دو اور میں نے تمہارے ادب کی بدولت تمہیں آزاد کیا۔ (نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۵۴۴)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر بیعت کر لی اور یوں آپ رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر تسلط علاقے کے علاوہ دیگر علاقوں کے خلیفہ منتخب ہوئے۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت لوگوں نے اس بات کا عہد کیا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔ جسے آپ رضی اللہ عنہ دوست رکھیں گے اسے وہ بھی دوست رکھیں گے اور جو آپ رضی اللہ عنہ کا دشمن ہوگا وہ ان کا دشمن ہوگا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۴۴۰ ،تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۳)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر

ملی تو انہوں نے کوفہ پر لشکر کشی کی تیاری شروع کر دی۔ لشکر کشی کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جاسوسوں نے بھی کوفہ اور عراق کے دیگر شہروں میں آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ اس دوران آپ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر آپ رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کے فضل سے مامون رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کی خبر ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو اکٹھا کیا اور انہیں جنگ کی دعوت دی مگر کسی بھی شخص نے آپ رضی اللہ عنہ کی آواز پر لبیک نہ کہا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۴۴۰ تا ۴۴۱)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب اپنے حامیوں کا رویہ دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تفویض فرما دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہوئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان پورا ہوا کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کروائے گا۔

روایات کے مطابق حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ قریباً پانچ ماہ تک منصب خلافت پر فائز رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ذیل کی شرائط پر صلح نامہ تحریر ہوا۔

۱۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

۲۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کریں گے۔

۳۔ امان شام، عراق، یمن، حجاز اور دیگر علاقوں کے رہنے والے تمام لوگوں کے لئے ہوگی۔

۴۔ اہل بیت اطہار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں بھی رہیں ان کی جان و مال اور

ناموس کی حفاظت کی جائے گی۔

۵۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد اوّل صفحہ ۴۴۱، تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اوّل صفحہ ۲۶، صواعق المحرقہ صفحہ ۴۶۰ تا ۴۶۱)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد لوگوں سے ذیل کا خطاب کیا۔

"لوگو! مجھے فتنہ وفساد سے نفرت ہے اور میں نے اپنے نانا کی امت سے فتنہ وفساد کو دور کرنے کے لئے، مسلمانوں کے جان ومال اور ان کی آبرو کو محفوظ کرنے کے لئے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے صلح کی ہے اور انہیں خلیفہ تسلیم کیا ہے۔ اگر خلافت میرا حق تھی تو میں نے اپنا حق انہیں دے دیا اور اگر ان کا حق تھی تو انہیں مل گئی۔"

(صواعق المحرقہ صفحہ ۴۶۱، تاریخ ابن خلدون جلد اوّل صفحہ ۴۴۱)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے بعد اپنے اہل خانہ، خاندان کے دیگر افراد اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لیا اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تادمِ شہادت وہیں قیام پذیر رہے۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۷، تاریخ ابن خلدون جلد اوّل صفحہ ۴۴۲)

روایات میں آتا ہے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو پہلی مرتبہ شہد میں زہر ملا کر دیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور اپنے جسم اطہر کو روضہ انور کی چوکھٹ کے ساتھ ملا تو آپ رضی اللہ عنہ کو فوری شفاء مل گئی۔

(روضۃ الشہداء جلد اوّل صفحہ ۴۱۷)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری مرتبہ زہر آلود کھجوریں کھلائی گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے ابھی سات کھجوریں ہی تناول فرمائی تھیں کہ طبیعت میں بے چینی پیدا ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے کھجوروں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور رات بھر شدید تکلیف سے تڑپتے رہے اور پھر صبح کو روضہ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہوئے اور دعا فرمائی اور یوں ایک مرتبہ پھر زہر کا اثر ختم ہو گیا۔

(روضۃ الشہداء جلد اوّل صفحہ ۴۱۷)

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی دونوں چشم ہائے مبارکہ کے درمیان سورۃ اخلاص لکھی ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اہل بیت نے خواب سنا تو خوش ہوئے مگر جب حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ خواب بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک کے کچھ ہی روز باقی رہ گئے ہیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اس خواب کے کچھ دنوں بعد ہی شہید کئے گئے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸)

روایات کے مطابق مدینہ منورہ میں حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے یزید بن معاویہ کے کہنے پر آپ رضی اللہ عنہ کو تیسری مرتبہ زہر دیا۔ یزید نے جعدہ سے کہا تھا کہ اگر وہ آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دے گی تو وہ اس سے نکاح کر لے گا چنانچہ جب جعدہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا تو یزید نے کہلا بھیجا جب میں نے یہ برداشت نہ کیا کہ تو ان کے نکاح میں رہے تو میں تجھے اپنی ذات کے لئے کیوں پسند کروں گا؟ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کا اثر اس قدر شدید تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر دستوں کے ذریعے نکلنے لگیں۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وہ کون ہے جس نے یہ حرکت کی؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اسے مارنا چاہتے ہو؟ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! میں اسے مارنا چاہتا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میرا قاتل وہی ہے جس کا گمان مجھے ہے تو اللہ عزوجل سخت بدلہ لینے والا ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر میں نہیں چاہوں گا کہ تم کسی بے گناہ کو قتل کرو۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸، اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۳ تا ۵۶۴)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو انتہائی تیز زہر دیا گیا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت بے حد ناساز ہوگئی۔ جب یہ خبر پھیلنی شروع ہوئی تو لوگ جوق در جوق آپ رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لئے تشریف لانے لگے۔ زہر کی شدت کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنتیں کٹ رہی تھیں اور متعدد بار قے کرنے سے حلق خشک ہو چکا تھا جبکہ اہل و عیال کے آنسو تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو آپ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی! آپ غمزدہ نہ ہوں، عنقریب آپ رضی اللہ عنہ، حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ خدیجہ، حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا، حضرت سیدنا قاسم، حضرت سیدنا طاہر، حضرت سیدنا حمزہ و حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہم کا دیدار آپ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہونے والا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

> "میرے بھائی! میں ایسے امر میں داخل ہونے والا ہوں جس کی مثل اب تک داخل نہیں ہوا اور میں خلق الٰہی میں ایسی خلق کو دیکھ رہا ہوں جس کی مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔"

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۰)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے ربیع الاول ۴۹ ھ کو اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۵۰ ھ کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے جبکہ ایک اور قول کے مطابق حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ربیع الاول ۵۱ ھ کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے وصال کی خبر آناً فاناً مدینہ منورہ اور گردونواح میں پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آپ رضی اللہ عنہ کے مکان پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ اس موقع پر ہر آنکھ اَشکبار تھی۔ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اس سے پہلے شاید ہی کبھی مدینہ منورہ میں اتنا ہجوم ہوا ہو۔ لوگوں کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شے زمین پر گر جاتی تو اسے لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اٹھایا نہ جا سکتا تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے نمازِ جنازہ میں شرکت فرمائی جبکہ ایک قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

صحیح روایات کے مطابق حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت طلب کی کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی مگر مدینہ کے گورنر مروان نے سخت مخالفت کی جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔ (صواعق المحرقہ صفحہ ۴۷۳ تا ۴۷۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۰)

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ازواج کی تعداد کثیر ہے جن سے آپ رضی اللہ عنہ کی بے شمار اولاد تولد ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں حضرت سیدنا قاسم، حضرت سیدنا

ابو بکر، حضرت سیدنا عبداللہ اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہم نے بھی واقعہ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ازواج کی تعداد کے متعلق کتب سیر میں مختلف آراء موجود ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کی ازواج کی تعداد سو ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق ستر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کثیر ازواج کے متعلق منقول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جس کا جسم چھوئے گا اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگی۔ (نور الابصار)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ کا اسم مبارک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور کنیت ابوعبداللہ ہے جبکہ والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ شہزادی رسول اللہ ﷺ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ رشتہ میں آپ ﷺ کے نانا ہیں۔

(اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۷)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب پدری ذیل ہے۔

"حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بن علی (رضی اللہ عنہ) بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔" (اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۷)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب مادری ذیل ہے۔

"حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بن سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی۔"

(اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۷)

حضور نبی کریم ﷺ کی چچی اور حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا بنت الحارث روایت بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا میں نے آج ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کیا خواب دیکھا؟ میں نے عرض کیا میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا گھبراؤ نہیں یہ بہت نیک خواب ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ہاں ایک بیٹا تولد ہوگا جسے تم اپنی گود میں لوگی۔(نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۵۴۱)

منقول ہے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے پچاس دن بعد شکم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں تشریف لائے اور چھ ماہ کے حمل کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے اور آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ بھی چھ ماہ کے حمل کے بعد دنیا میں تشریف لائے۔(شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۳،نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۵۴۱)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش ۵ شعبان المعظم ۴ھ بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں ہوئی۔(شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۳،اسد الغابہ جلد سوم صفحہ ۵۶۸)

حضور نبی کریم ﷺ کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ اسی وقت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھا کر پیار کیا۔پھر آپ ﷺ نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی۔پھر اپنا لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور دعائے خیر فرماتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ کا نام مبارک "حسین (رضی اللہ عنہ)" رکھا۔پھر ساتویں روز آپ رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور بال اتروا کران کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی۔(نزہۃ المجالس جلد دوم صفحہ ۵۴۱)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے قریباً پانچ برس حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت میں بسر کئے اور قریباً چھ برس اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی صحبت میں گزارے اور قریباً ۳۶ برس اپنے والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بسر کئے اور اس کے علاوہ اپنے بھائی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ جوکہ اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ سے قریباً ایک برس بڑے تھے ان کے ساتھ رہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ ان تمام ہستیوں کے اوصافِ حسنہ کا مجموعہ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں بسر کی۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا حسن و جمال ایسا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اندھیرے میں بیٹھتے تو پیشانی اور رخساروں سے روشنی نکل کر قرب و جوار کو منور کر دیتی اور آپ رضی اللہ عنہ، سینہ سے پاؤں تک حضور نبی کریم ﷺ سے مشابہ تھے جبکہ آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے سر تک حضور نبی کریم ﷺ سے مشابہ تھے۔

(شواہد النبوۃ صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۴)

ولید بن عتبہ نے مروان بن الحکم کے مشورہ کے مطابق عبداللہ بن عمر بن عثمان کو بلا اور وہ اس وقت کم سن تھے اور انہیں کہا کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو بلا لائے۔ جس وقت عبداللہ بن عمر بن عثمان انہیں بلانے کے لئے گیا تو اس وقت یہ دونوں حضرات مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے۔ عبداللہ بن عمر بن عثمان نے انہیں کہا کہ ولید بن عتبہ بلا رہا ہے۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس پیغام کے جواب میں فرمایا کہ تم جا کر ولید بن عتبہ سے کہو کہ ہم کچھ دیر میں تشریف لاتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان

گفت وشنید ہوتی ہے۔اس گفتگو وشنیت کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال میں تشریف لائے اور پھر بنی ہاشم کے چند جوانوں کے ہمراہ ولید بن عتبہ کے پاس پہنچے اور ولید بن عتبہ کے گھر کے دروازے پر ان جوانوں کو کھڑا کیا اور فرمایا۔

"تم سب یہیں دروازے پر کھڑے رہو گے اور میں تنہا اندر جاؤں گا اگر تم ولید کی آواز کو اونچا ہوتے سنو تو تم بلا جھجک اندر آجانا وگرنہ میری واپسی کے منتظر رہنا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۲، تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۴۰)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ولید بن عتبہ کے گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ ولید بن عتبہ اور مروان بن الحکم آج ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں کو بیٹھے دیکھا تو فرمایا۔

"صلح جھگڑے سے بہتر ہے اور اتفاق بڑی عمدہ چیز ہے اللہ عزوجل تم دونوں کے مابین تعلقات کو بہتر بنائے۔"

ان دونوں نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔آپ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو ولید بن عتبہ نے یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور کہا۔

"امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا انتقال ہو گیا ہے۔"

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا۔

"ہم اللہ عزوجل کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ عزوجل ہی کی جانب لوٹ کر جانا ہے، اللہ عزوجل تمہیں اس مصیبت میں صبر کی نعمت عطا فرمائے۔"

ولید بن عتبہ نے جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو کہا۔

"مجھے یزید نے لکھا ہے کہ میں آپ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیعت لوں۔"

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"بیعت تو اعلانیہ ہوتی ہے اور تم یوں پوشیدہ بیعت لینا چاہتے ہو۔ تم لوگ یہ منادی کروا دو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وصال فرما چکے اور پھر تم لوگوں سے اعلانیہ بیعت لو اس کے بعد تم مجھ سے مطالبہ کرنا۔"

ولید بن عتبہ کا گمان تھا کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ فوری انکار کریں گے مگر وہ آپ رضی اللہ عنہ کا نرم لہجہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو ہی کافی سمجھا۔

مروان بن الحکم جو اس وقت خاموشی سے بیٹھا یہ گفتگو سن رہا تھا اس سے خاموش نہ رہا گیا اور وہ ولید بن عتبہ سے الجھ پڑا اور کہنے لگا کہ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بیعت نہ ہو سکے گی لہٰذا تم انہیں گرفتار کر لو۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"تمہاری یہ جرأت نہیں کہ تم مجھے گرفتار کر سکو۔"

یہ فرما کر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ ولید بن عتبہ نے مروان بن الحکم سے کہا۔

"تم چاہتے ہو میں اتنی سی بات پر ان کا خون بہا دوں اور جو ان کا خون بہائے گا وہ بروزِ محشر اس کا قصاص ادا کرے گا۔"

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اوّل صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۱، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب مدینہ منورہ سے چلے گئے تو حضرت سیدنا

امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ جن کا شمار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نابغہ روزگار بیٹوں میں ہوتا ہے اور محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ نامور عالم دین تھے ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے مشورہ کیا۔ (تاریخ ابن خلدون جلد اول صفحہ ۵۱۰ تا ۵۱۱)

ولید بن عتبہ نے اپنے ایک پیغام رساں کے ذریعہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے مکتوب سے آگاہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا کہ میں اس معاملے میں شدید پریشانی میں مبتلا ہوں اور وہ مجھے مسلسل آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت یا پھر آپ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کر رہا ہے۔ (روضۃ الشہداء جلد دوم ۳۷)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب ولید بن عتبہ کا پیغام ملا تو آپ رضی اللہ عنہ جان گئے کہ اب مدینہ منورہ میں مزید قیام کرنا ممکن نہیں رہا چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ سے روانگی کی تیاری کریں اور سامانِ سفر تیار کریں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس حکم کے بعد ماسوائے حضرت محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ کے جو بوجہ علالت مدینہ منورہ میں مقیم رہے باقی تمام اہل و عیال اور اہل بیت رضی اللہ عنہم نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۴۲، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۰۹)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ سے کوچ کرنے کا حکم دینے کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا اور پھر قبر مبارک سے لپٹ کر خوب روئے۔

(روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۳۶ تا ۳۸)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ روضہ رسول اللہ ﷺ پر حاضری کے بعد اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزارِ مبارک پر گئے اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی

آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو بھی الوداعی سلام کیا اور حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے مزارِ پاک سے رخصت ہوئے۔

(شہادت نواسہ سید الابرار صفحہ ۵۷۶)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانگی کے لئے اپنے اہل و عیال اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو لوگوں نے یوں مدینہ منورہ سے جانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"میں نے یہ راستہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کیا۔"

(روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۲)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ مکہ معظمہ کی جانب عازم سفر ہوا۔ راستہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مکہ معظمہ کی جانب جا رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضور! آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ ضرور جائیں مگر میرا مشورہ یہ ہے کہ کوفہ کا سفر ہرگز نہ کیجئے گا اور وہ منحوس شہر ہے اور وہاں کے لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار کو شہید کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ پر نیزوں سے حملہ کیا اور وہ اس حملہ میں محفوظ رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہی مقیم رہیں اور آپ رضی اللہ عنہ چونکہ اہل عرب کے سردار ہیں تو وہاں کے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں گے اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ ہوا تو یقیناً ہم غلام بنا لئے جائیں گے۔ (روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۱ تا ۴۳)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد شعب ابی طالب میں قیام کیا اور وہیں آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقاتیں اکابرین مکہ مکرمہ سے ہوئیں۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی ملاقات ہوئی اور وہ دیگر اکابرین کے ہمراہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آنے جانے لگے اور یہ ملاقاتیں اکثر بیت اللہ شریف میں ہوتی تھیں۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۷)

کوفیوں نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو بے شمار خطوط لکھے اور اپنی پوری امداد کا یقین دلایا لیکن حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، یزید کو نااہل غیر مستحق اور فاسق تو سمجھتے ہی تھے اور اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ یزید کا اقتدار سے عزل فرض کفایہ ہے اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو فوری طور پر اس بھرپور حمایت پر کوفیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کوفہ جانے کا فیصلہ کر لینا چاہئے تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ ان کوفیوں کی متلون مزاجی کو اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اور گذشتہ حالات آپ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر تھے کہ ان کوفیوں نے جس طرح آپ رضی اللہ عنہ کے والد محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور بھائی حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے وفا کے جو عہد و پیمان باندھے تھے وہ ان پر پورا نہ اترے تھے۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے انہی مشوروں کی روشنی میں یہ طے کیا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجیں اور وہ وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر انہیں آنے یا نہ آنے کے متعلق لکھیں۔ اسی سوچ کے تحت آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کرتے ہوئے کوفہ روانہ کیا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۲، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۷ تا ۱۹۸، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۱۲، سوانح کربلا صفحہ ۱۱۶، شام کربلا صفحہ ۴۳ تا ۴۵)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان

سے کہا کہ وہ کوفہ جائیں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ اہل کوفہ جن باتوں کا ذکر اپنے خطوط میں کر رہے ہیں اور جس طرح وہ مجھ سے اپنی عقیدت کا اظہار کر رہے ہیں تو ان باتوں میں کتنی عقیدت ہے؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچے اور وہاں سے دو راہبروں کو ساتھ لیا اور کوفہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ ان دونوں راہبروں میں سے ایک سفر کی تکالیف برداشت نہ کرسکا اور راستہ میں مرگیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو سفری تکالیف سے آگاہی کے لئے خط لکھا تو جواب میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ تم ہر حال میں کوفہ پہنچو۔ آپ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پھر سفر پر روانہ ہوئے اور بالآخر کوفہ میں وارد ہوئے۔

(تاریخ طبری جلد چہارم جلد اول صفحہ ۱۴۷)

اہل کوفہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی بیعت جاری رکھی۔ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے جب حالات کا جائزہ لیا تو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو تمام حالات سے آگاہ کرنے کے لئے ایک خط لکھا۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو جب حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جانب سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۴۷، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۸)

عبیداللہ بن زیاد انتہائی شقی القلب تھا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے خراسان میں اپنی حکمت عملی اور اپنی بہادری کی بناء پر کئی علاقے فتح کئے اور عبیداللہ بن زیاد نے ہی خوارج کی شورش کا خاتمہ کیا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد، یزید کی تخت نشینی کے وقت بصرہ کا گورنر تھا مگر یزید اس سے خائف تھا اور اسے معزول کرنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر پھر اپنے غلام سرجون کے مشورہ پر اسے کوفہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا۔

عبیداللہ بن زیاد نے ابھی بصرہ میں ہی تھا کہ اسے علم ہوا کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے بصرہ کے امراء کو علیحدہ علیحدہ مکتوب لکھے ہیں اور ان کی حمایت طلب کی ہے اور بصرہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا قاصد ابھی موجود ہے۔ عبیداللہ بن زیاد نے اس قاصد کو گرفتار کروایا اور اسے شہید کروا دیا۔

پھر عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے ستر گھڑ سواروں کے ہمراہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا اور سفر کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو مکہ مکرمہ سے کوفہ کو جاتا تھا اور وہ راستہ ترک کر دیا جو بصرہ سے کوفہ کو جاتا تھا۔ عبیداللہ بن زیاد چونکہ ایک فتنہ کا نام تھا اس لئے اس منصوبہ میں اس کا شیطانی ذہن پیش پیش تھا اور اسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ نے کوفہ آنے کی دعوت دے رکھی ہے اور اہل کوفہ کو اب بے چینی سے آپ رضی اللہ عنہ کا انتظار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان معلومات کی بناء پر اس نے اہل کوفہ کو دھوکہ دینے کا فیصلہ کیا اور جب قادسیہ کے مقام پر پہنچا تو اس نے اپنے ستر لشکریوں میں سے بیس کا انتخاب کیا اور بقیہ لشکر کو وہیں رکنے کا حکم دیا اور خود شام کا انتظار کرنے لگا۔ جب اندھیرا پھیلنا شروع ہوا تو اس نے اپنے ان بیس ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا اور اپنے چہرے کو نقاب سے ڈھانپ لیا تا کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں اور وہ یہی خیال کریں کہ شاید حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ میں وارد ہوئے ہیں۔

عبیداللہ بن زیاد کا منصوبہ کامیاب رہا اور وہ لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا اور اہل کوفہ نے جو یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ آ گئے ہیں وہ اسے دیکھ کر نعرے بلند کرنے لگے اور اسے ایک جلوس کی شکل میں دارالامارت کی جانب لے گئے۔ عبیداللہ بن زیاد چونکہ نقاب میں تھا

اور اس نے اہل عرب کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے لوگ ابھی تک تمام صورتحال سے ناواقف تھے اور وہ یہی سمجھتے تھے کہ یہ ابن رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔

عبید اللہ بن زیاد چونکہ انتہائی شاطر ذہن کا مالک تھا اس لئے اس موقع پر کسی قسم کی گفتگو سے پرہیز کر رہا تھا تا کہ لوگوں کو اس کی حقیقت کا علم نہ ہو۔ پھر جب لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا گیا تو عبید اللہ بن زیاد کے ایک ساتھی مسلم بن عمرو باہلی نے پکارا کہ راستہ چھوڑ دو یہ عبید اللہ بن زیاد ہے جسے کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا ہے۔ اہل کوفہ نے جب یہ سنا تو وہ افسوس کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ عبید اللہ بن زیاد اپنے بیس ساتھیوں کے ہمراہ دار الامارت کوفہ میں داخل ہوا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۹۸ تا ۱۹۹، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۱۳ تا ۵۱۴)

عبید اللہ بن زیاد نے اہل کوفہ سے تقریر کی اور اس تقریر نے اثر کیا اور اہل کوفہ والے چونکہ پہلے بھی اپنے مفاد کو دیکھ رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوگئی تو کوفہ ایک مرتبہ پھر مرکز بن جائے گا جس کا انہیں بے پناہ فائدہ ہوگا مگر اب جب تمام صورتحال دیکھی تو انہوں نے عبید اللہ بن زیاد کی اطاعت کر لی۔ اہل کوفہ کی تعداد ہزاروں میں تھی مگر وہ عبید اللہ بن زیاد اور اس کے چند ساتھیوں سے خوفزدہ ہو گئے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت سے دستبردار ہو گئے۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۵۶، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۰۰، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۱۴)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے قافلے نے مکہ مکرمہ کو الوداع کہا اور کوفہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ اس سفر میں آپ رضی اللہ عنہ کی دو ازواج کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کے بچے، حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے چار بیٹے، حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند اور آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے بچے جن میں سے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما تو پہلے ہی کوفہ میں شہید کئے جا چکے تھے جبکہ ان کے دیگر بھائی اور بہن، آپ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں فرزند اور دیگر جانثاران جن کی تعداد روایات میں ۹۱ بتائی جاتی ہے شامل تھے اور یہ سب ممکنہ حالات سے بخوبی آگاہ تھے مگر پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار تھے۔

صفاع کے مقام پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عرب کے مشہور شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرزدق سے تازہ ترین حالات معلوم کئے۔ فرزدق نے کہا کہ وہاں کے لوگوں کے دل تو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے لئے ہیں اور حکم تو اللہ عزوجل کا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم صحیح کہتے ہو۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۷۸)

عبیداللہ بن زیاد کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی مکہ مکرمہ سے روانگی کی خبر مل چکی تھی اور اسے اس یہ خبر پہنچا دی گئی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عبیداللہ بن زیاد نے اس موقع پر کوفہ کے محکمہ پولیس کے انچارج حصین بن نمیر تمیمی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ یہ ممکن بنائے کہ آپ رضی اللہ عنہ کسی بھی طرح کوفہ نہ آنے پائیں۔

حصین بن نمیر تمیمی نے عبیداللہ بن زیاد کی جانب سے ملنے والے احکامات کے بعد قادسیہ سے خفان، قطقطانہ اور جبل لعل کے راستوں پر سواروں کو تعینات کر دیا تاکہ اسے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کی لمحہ بہ لمحہ خبر ملتی رہے اور آپ رضی اللہ عنہ کسی طرح اہل کوفہ سے کوئی رابطہ قائم نہ کر سکیں۔

حصین بن نمیر تمیمی کے ان اقدامات کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا

اہل کوفہ کے ساتھ خط وکتابت یا دیگر ذرائع سے رابطہ رکھنا محال ہو گیا اور ان تمام اقدامات کے بعد اہل کوفہ کا شہر سے باہر نکلنا بھی محال ہو گیا۔

(تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۲۲ تا ۵۲۳)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر سفر کرتا ہوا وادی ذی الرومۃ پہنچا اور اس مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ بن مسہر صیداوی کو طلب کیا اور انہیں ایک مکتوب دیا جو آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام تحریر کیا تھا اور انہیں کہا کہ وہ یہ مکتوب اہل کوفہ کے سرداروں کو جا کر سنائیں اور اس وقت تک آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر نہیں ملی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے حالات کی بھی کچھ خبر نہ تھی۔ اس مکتوب میں آپ رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

"مجھے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا خط ملا جس میں انہوں نے تمہاری رائے سے مجھے آگاہ کیا اور تمہارے اجتماع کی خبر دی۔ اللہ عزوجل ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرمائے اور تمہیں میری مدد پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ مکرمہ سے ۸ ذی الحجہ بروز منگل روانہ ہو چکا اور جیسے ہی میرا پیغام تم تک پہنچے تم اپنی خفیہ کوششوں کو بڑھا دینا اور میں بھی جلد تم تک پہنچ جاؤں گا۔ والسلام۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۱۸، تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۵)

حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن مسہر صیداوی نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے مکتوب لیا اور کوفہ کی جانب عازم سفر ہوئے۔ جب آپ رضی اللہ عنہ قادسیہ کے مقام پر پہنچے تو حصین بن نمیر تمیمی کے مقرر کردہ سواروں نے آپ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو

عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جایا گیا جہاں عبیداللہ بن زیاد نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر تم اہل کوفہ کے سامنے دارالامارت کی چھت پر کھڑے ہو کر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم کی برائی کرو گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا مگر آپ رضی اللہ عنہ جب دارالامارت کوفہ کی چھت پر کھڑے ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور عبیداللہ بن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی اور اہل کوفہ سے کہا۔

"حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تمہاری دعوت پر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے اور وہ جلد کوفہ پہنچ جائیں گے تم ان کی اطاعت کرنا۔"

عبیداللہ بن زیاد کو حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن مسہر صیداوی کی باتیں سن کر شدید غصہ آیا اور اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ انہیں چھت سے نیچے پھینک دو چنانچہ عبیداللہ بن زیاد کے حکم پر آپ رضی اللہ عنہ کو دارالامارت کوفہ کی چھت سے نیچے پھینک دیا گیا جس سے آپ رضی اللہ عنہ سے شدید زخمی اور آپ رضی اللہ عنہ کے جسم کی ہڈیاں بھی ٹوٹ گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۱۸، تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۸۵)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور جانثاران کے ہمراہ منزل بہ منزل سفر کرتے ہوئے کوفہ کی جانب گامزن تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو ابھی تک حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی کچھ خبر نہ تھی اور نہ ہی کوفہ کے حالات کا درست طور پر علم تھا اور آپ رضی اللہ عنہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ وہاں عبیداللہ بن زیاد نے کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ مقامِ ثعلبیہ پر پہنچے اور اسی جگہ آپ رضی اللہ عنہ کو حضرت مسلم بن عقیل اور حضرت ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ملی۔

محرم الحرام ۶۱ھ کا آغاز ہو چکا تھا اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور جانثاروں کے ہمراہ کوفہ کی جانب عازم سفر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا لشکر منزل پہ منزل طے کرتا ہوا مقام شرف پر پہنچا اور یہ مقام عراق کی سرحد پر واقع تھا اور اس سے آگے عراق کی حدود شروع ہوتی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ہمراہ مقام شرف پر قیام کیا اور جب صبح ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے لشکر کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی مشکیں پانی سے بھر لیں۔ پھر جب جوانوں نے مشکیں پانی سے بھر لیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۸۹، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۲۳، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۲۴)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ہمراہ ذوحشم میں قیام کیا تو اس دوران حصین بن نمیر تمیمی جسے اپنے جاسوسوں سے خبر مل چکی تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت کس منزل پر ہیں اس نے حر بن یزید تمیمی کی سربراہی میں ایک ہزار سواروں کا لشکر آپ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے بھیجا تاکہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کو عراق کی حدود میں داخل ہونے سے روکے۔

حر بن یزید تمیمی جب تپتی دوپہر میں اپنے لشکر کے ہمراہ ذوحشم پہنچا اور اس نے اپنے لشکر کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابل کھڑا کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر اپنے لشکر کے جوانوں کو حکم دیا کہ وہ تمام ساتھیوں کو پانی پلائیں اور گھوڑوں کی پیاس بھی بجھائیں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق ایسا ہی کیا گیا اور جوانوں نے تمام لشکر کو پانی پلایا اور گھوڑوں کو بھی خوب سیر کیا۔ اس موقع پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن کر حر نے کہا۔

"مجھے ان خطوط کی بابت کچھ علم نہیں ہے۔"

پھر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور بصرہ کے عمائدین کے خطوط منگوا کر اسے دکھائے۔ حر نے کہا کہ میں عبیداللہ بن زیاد کے حکم کا پابند ہوں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُس کی بات سنی تو کہا کہ تمہاری موت قریب ہے۔ اس کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے قافلے کوچ کا حکم دیا۔ حر نے مزاحمت کی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تیری ماں تجھ پر روئے تو کیا چاہتا ہے؟"

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور حر بن یزید تمیمی کے مابین مباحثہ نے جب طول اختیار کیا تو حر نے بات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے حکم ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے لڑائی نہ کروں اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہوں یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچ جائیں اور اگر آپ رضی اللہ عنہ نے کوفہ نہیں جانا تو پھر ایک ہی راستہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ واپس مدینہ منورہ لوٹ جائیں اور یہی انصاف ہے۔ میں عبیداللہ بن زیاد سے ان خطوط کے متعلق دریافت کرتا ہوں اور اس کی رائے معلوم کرتا ہوں۔"

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بات کو معقول جانا اور اپنے قافلہ کو لے کر قادسیہ اور رغدیب کے راستہ سے بائیں جانب مڑ گئے اس دوران حر بن یزید تمیمی بھی اپنے لشکر کے ہمراہ آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی چلتا رہا۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۱، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۲۴ تا ۵۲۶، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۴)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ ذوحشم سے روانہ ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ بیضہ کے مقام پر پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لشکر کو یہاں قیام کرنے کا حکم دیا اور پھر

اسی مقام پر آپ رضی اللہ عنہ نے حر اور اس کے لشکر سے خطاب کیا۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر جب غدیب الہجانات کے مقام پر پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے طرماح ابن عدی کو چار گھڑ سواروں کے ہمراہ آتے دیکھا اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے کوفہ کی خبر لایا تھا۔ مجمع بن عبداللہ العامری نے کہا۔

"کوفہ کے امراء کو لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا گیا ہے اور وہ سب آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف متحد ہیں اور اہل کوفہ کے عوام کے دل تو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں مگر وہ بھی ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے ہیں۔" (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۹۲ تا ۱۹۴)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے بنو مقاتل میں پہنچے اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو یہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک عالیشان خیمہ دیکھا تو دریافت کیا یہ خیمہ کس کا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہ خیمہ عبداللہ بن الحر جعفی کا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے میرے پاس بلاؤ۔ جب قاصد نے عبداللہ بن الحر جعفی کا پیغام دیا کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے ہیں اور وہ تمہیں بلاتے ہیں تو عبداللہ بن الحر جعفی نے اس قاصد کے پیغام کے جواب میں کہا۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا۔

قاصد نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو جا کر عبداللہ بن الحر جعفی کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے نعلین پہنیں اور خود عبداللہ بن الحر جعفی کے پاس پہنچے اور اس کے خیمے میں داخل ہو کر سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ عبداللہ بن الحر جعفی نے آپ رضی اللہ عنہ سے وہی بات کہی جو اس سے قبل قاصد سے کر چکا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اگر تو ہماری مدد نہیں کرنا چاہتا تو کوئی بات نہیں مگر تجھے چاہئے

کہ تو ہمارے قاتلوں کی بھی مدد نہ کر اور اس معاملے میں اللہ عزوجل سے ڈر۔ اللہ عزوجل کی قسم! جس نے ہماری بات سنی اور ہماری مدد نہ کی وہ ہلاک ہوگا۔"

عبداللہ بن الحر جعفی نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور واپس اپنے لشکر میں تشریف لائے اور انہیں بنومقاتل سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۵)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ بنومقاتل سے روانہ ہوئے اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کا قافلہ سفر کرتا ہوا نینوا کے مقام پر پہنچا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قافلے کو یہاں قیام کرنے کا حکم دیا اور اس دوران حر بن یزید تمیمی بھی آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ہمراہ سفر کرتا رہا تاکہ آپ رضی اللہ عنہ کسی بھی صورت کوفہ کی جانب نہ پہنچ سکیں۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ نینوا سے روانہ ہوئے اور عقر کے مقام پر پہنچے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جگہ پہنچ کر دریافت کیا یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا یہ عقر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دعا فرمائی اے اللہ! مجھے اور میرے رفقاء کو عقر (زخم) سے محفوظ فرمانا اور پھر آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر قافلے نے یہاں پڑاؤ کیا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۹۶)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ ۲ محرم الحرام ۶۱ ھ کو میدان کربلا میں داخل ہوئے اور یہیں خیمہ زن ہوئے۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۹۶)

عمرو بن سعد اپنے چار ہزار کے لشکر کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوا اور میدان کربلا میں پہنچ کر یزیدی لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ عمرو بن سعد نے کربلا آنے کے بعد

عزرہ بن قیس احمسی کو حکم دیا کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور ان سے دریافت کرے وہ کس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں اور اب وہ کیا چاہتے ہیں؟ عزرہ ان لوگوں میں سے تھا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا چنانچہ اس نے عمرو بن سعد سے معذرت کر لی۔ عمرو بن سعد نے دیگر معززین کو بھی کہا کہ وہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں مگر انہوں نے بھی جانے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو آپ رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی بار بار دعوت دیتے رہے تھے اور خطوط لکھ کر آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے رہے تھے۔

جب عمرو بن سعد کی بات ماننے سے کئی لوگوں نے انکار کر دیا تو اس موقع پر کثیر بن عبداللہ شعبی کھڑا ہوا اور یہ بڑا دلیر تھا اور انتہائی بے باک تھا۔ اس نے عمرو بن سعد سے کہا کہ میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں اور اگر تمہارا حکم ہو تو ایک ہی وار میں انہیں ختم کر دوں۔ عمرو بن سعد نے کہا ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ تم ان کے پاس جا کر یہاں آنے کی وجہ دریافت کرو۔

کثیر بن عبداللہ شعبی جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے خیموں کی جانب چلا تو ابوثمامہ صائدی نے اسے دیکھ کر کہا اے ابوعبداللہ (رضی اللہ عنہ)! یہ جو شخص آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آ رہا ہے یہ انتہائی سفاک اور بے باک ہے۔ پھر ابوثمامہ صائدی کھڑے ہوئے اور کثیر بن عبداللہ شعبی سے کہا کہ وہ اپنی تلوار رکھ دے۔ اس نے کہا میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اور نہ ہی کسی کا لحاظ کروں گا اور مجھے عمرو بن سعد نے قاصد بنا کر بھیجا ہے اور میں عمرو بن سعد کا پیغام دے کر واپس لوٹ جاؤں گا۔ ابوثمامہ صائدی نے کہا جب تک تو اپنی تلوار مجھے نہیں دے گا میں تجھے ابوعبداللہ (رضی اللہ عنہ) تک نہیں جانے دوں گا۔ کثیر بن

عبداللہ شعبی نے کہا میں تلوار تمہیں نہیں دوں گا اور اگر تم نہیں چاہتے تو میں بغیر پیغام پہنچائے واپس چلا جاتا ہوں۔ ابوثمامہ صائدی نے کہا تم وہ پیغام مجھے دے دو میں ابوعبداللہ (رضی اللہ عنہ) تک پہنچا دوں گا۔ کثیر بن عبداللہ شعبی نے انکار کیا اور پھر ان دونوں میں بات اس قدر بڑھی کہ کثیر بن عبداللہ شعبی بغیر پیغام پہنچائے واپس لوٹ گیا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۱۹۷ تا ۱۹۸)

عبیداللہ بن زیاد کے پہلے مکتوب کے بعد عمرو بن سعد کو عبیداللہ بن زیاد کا دوسرا مکتوب ملا جس میں اسے حکم دیا گیا کہ وہ دریائے فرات پر قبضہ کر لے اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے کسی بھی ساتھی کو پانی کی ایک بوند بھی نہ لینے دے اور جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا گیا تھا ویسے ہی ان پر کر دیا جائے۔

عبیداللہ بن زیاد کے اس مکتوب کے بعد عمرو بن سعد نے حجاج زبیدی کی سربراہی میں پانچ سو افراد کو دریائے فرات کے کنارے بھیج دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کسی بھی حال میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دریا سے پانی نہ لینے دیں۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ خیموں میں پانی کی قلت ہو گئی ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کے جانثاروں پر شدید گرمی کی وجہ سے پیاس کا غلبہ ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہما کو بلایا اور کہا کہ وہ چند سواروں کو اپنے ہمراہ لیں اور دریائے فرات سے پانی کی مشکیں بھر لائیں۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت نافع بن بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں ان سواروں کا علم عطا فرمایا۔

عاشورہ کی شب بیت گئی اور سحر کی سپیدی نمودار ہوئی۔ شہدائے کربلا کی یہ آخری سحر تھی۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جو تمام رات اوراد و وظائف اور عبادت میں مشغول

رہے تھے ان پر غنودگی طاری ہوگئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں اپنے قاتل کو دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اپنے جانثاروں سے فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے۔ انہوں نے عرض کیا حضور! خواب میں کیا دیکھا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ بے شمار کتوں نے مجھ پر حملہ کر دیا ہے اور ان کتوں میں ایک ابلق رنگ کا برص زدہ کتا بھی ہے جو مجھ پر شدت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ پھر میں نے اپنے نانا ﷺ کو دیکھا انہوں نے مجھ سے فرمایا بیٹا! یہ تجھے عنقریب شہید کر دیں گے اور اس وقت آسمان والے تیری آمد کے منتظر ہیں تو یہاں آنے کی جلدی کرنا اور شام کو افطار میرے ساتھ کرنا اور یہ فرشتہ جو آسمان سے نازل ہوا ہے یہ تمہارا خون سبز شیشی میں لے گا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی ہے کہ اب میری موت میں کچھ ہی دیر باقی ہے اور میرا اس دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔

(روضۃ الشہداء، جلد دوم صفحہ ۱۶۱ تا ۱۶۲)

نمازِ فجر کا وقت ہوا۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے حکم حضرت سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ نے اذانِ فجر ادا کی اور لشکر حسینی رضی اللہ عنہ کے خیموں سے اذان کی صدائیں بلند ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے تمام جانثار جمع ہوئے اور اقامت کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی باقاعدہ آخری نماز تھی جو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے جانثاروں اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادا فرمائی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۳۰، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۳۱)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ابھی اپنے جانثاروں اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے ہمراہ نمازِ فجر کی ادائیگی میں مشغول تھے کہ عمرو بن سعد نے اپنے لشکروں کی صف بندی شروع کر دی۔ عمرو بن سعد کا لشکر اسی ہزار نفوس پر مشتمل تھا اور اس نے شمر ذی

الجوشن کی قیادت میں بیس ہزار کا لشکر میمنہ پر مقرر کیا اور خولی بن یزید کی قیادت میں بیس ہزار کا لشکر میسرہ پر مقرر کیا اور پھر سواروں اور پیادوں کے بھی علیحدہ علیحدہ سالار مقرر کئے۔ سواروں کی قیادت عروہ بن قیس کر رہا تھا جبکہ پیادوں کی قیادت شیث بن ربعی کر رہا تھا جبکہ لشکر کا علم عمرو بن سعد نے اپنے غلام ورید کو دیا۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نمازِ فجر سے فارغ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا لشکر ترتیب دیا اور آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ۳۲ سوار تھے جبکہ ۴۰ پیادے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی صف بندی فرمائی اور میمنہ زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بیس جانثار تعینات فرمائے جبکہ میسرہ پر حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں بیس جانثار تعینات فرمائے جبکہ لشکر حسینی رضی اللہ عنہ کا علم اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ جو خندق کھودی گئی تھی اس میں آگ جلا دی جائے تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۰۷، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۳۰، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۳۱ تا ۵۳۲، شام کربلا صفحہ ۱۲۴، روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۷)

حر رضی اللہ عنہ بن یزید تمیمی کے واپس لوٹنے کے بعد عمرو بن سعد نے پہلا تیر حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی جانب چلایا اور کہا تم گواہ رہنا کہ پہلا تیر میں نے چلایا ہے اور اس تیر کے ساتھ ہی دونوں گروہوں کے مابین جنگ کا باقاعدہ آغاز ہو گیا اور پھر پے در پے ایک دوسرے پر حملے شروع ہو گئے۔ (تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۳۵)

شمر ذی الجوشن نے اپنے میسرہ کے ساتھ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے میسرہ پر حملہ کیا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شمر ذی الجوشن کا لشکر چونکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے بڑا تھا مگر وہ پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کے قدم نہ اکھاڑ سکا اور اس

حملے میں شمر ذی الجوشن کے لشکر کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جانثاروں میں حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی رضی اللہ عنہ نے دو شامیوں کو قتل کرنے کے بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۱۷ تا ۲۱۸، شامِ کربلا صفحہ ۱۴۰ تا ۱۴۱)

میدانِ جنگ میں لڑائی میں شدت آ چکی تھی اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کے تابڑ توڑ حملوں نے کوفی لشکروں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کی تعداد کوفی لشکروں کے مقابلے میں بے حد کم تھی مگر وہ سب ایمان کے جذبے سے سرشار تھے اور اپنے سروں پر کفن باندھے میدانِ جنگ میں اترے تھے لہٰذا ان کی بہادری اور بے خوفی نے کوفیوں کو ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ عزرہ بن قیس جو کوفی لشکر کے ایک گروہ کا سردار تھا اس نے دیکھا کہ جب ہمیں ہر جانب سے شکست ہو رہی ہے تو اس نے عبدالرحمن بن حصین کو عمرو بن سعد کے پاس بھیجا کہ میرا لشکر، جانثارانِ حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے سے عاجز ہے لہٰذا میری مدد کے لئے پیادوں اور تیر اندازوں کو بھیجے۔ عمرو بن سعد نے شیث بن ربعی کو کہا کہ وہ جائے اور عزرہ بن قیس کے لشکر کی مدد کرے۔ شیث بن ربعی نے کہا تم چاہتے ہو میں اس شخص کے خلاف تیر اندازوں کو لے کر جاؤں جو قومِ عرب اہل شہر کے بزرگ ہیں اور تمہیں کوئی دوسرا دکھائی نہ دیا جو تمہاری مدد کرتا۔

شیث بن ربعی کے جواب کے بعد عمرو بن سعد نے حصین بن تمیم کو بلایا اور پھر پانچ سو زرہ پوشوں اور تیر اندازوں کے گروہ کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ یہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جانثاروں پر تیر برسائیں۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۱۸، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۳۵)

۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ دوپہر کا وقت تھا اور صبح سے شروع ہونے والی جنگ کا

ابھی تک کچھ فیصلہ نہ ہو پایا تھا۔حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کے تابڑ توڑ حملوں نے کوفیوں کے ہر حملے کو ناکام بنادیا تھا اور انہیں باوجود تعداد میں زیادہ ہونے کے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔کوفیوں کے لئے ماسوائے ایک جانب سے کسی دوسری جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر حملہ کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم پر خیموں کو ایک دوسرے سے یوں متصل کر دیا گیا تھا کہ اردگرد سے کوئی جگہ خالی نہ تھی جہاں سے کوفی کسی بھی طرح حملہ کر سکتے۔عمرو بن سعد بھی جنگ کو طول پکڑتا دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے خیموں کو اکھاڑ دیں۔جب کوفی لشکر کا کوئی بھی سپاہی ان خیموں کی جانب بڑھنے کی کوشش کرتا تو اسے وہاں اپنی موت کے سوا کچھ نہ ملتا یہاں تک کہ انہوں نے تنگ آ کر ان خیموں کو آگ لگا دی۔جب خیموں کو آگ لگی تو آپ رضی اللہ عنہ کے جانثاروں نے اس بات کا ذکر آپ رضی اللہ عنہ سے کیا۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی بات نہیں وہ خود اس جانب سے اپنی آمد کا راستہ بند کر رہے ہیں۔

• جس وقت حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثاروں کے خیموں کو آگ لگائی گئی اس وقت شمر ذی الجوشن آگے بڑھا اور اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے خیمے پر حملہ کر دیا اور پکارنے لگا آگ لاؤ۔آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شمر! تو میرے خیمے کو آگ لگانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو جلائے تو یاد رکھ کہ اللہ عزوجل تجھے آگ میں جلائے گا۔اس موقع پر زہیر بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملہ کر دیا اور شمر ذی الجوشن اور اس کے ساتھیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

(تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۱۹ تا ۲۲۰، تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۵۳۸ تا ۵۳۹، البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۲۳۶، شام کربلا صفحہ ۱۴۲)

حضرت حر رضی اللہ عنہ بن یزید تمیمی شہید ہوئے تو اس کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے جانثاروں نے نمازِ ظہر ادا کی۔ نمازِ ظہر کے بعد ایک مرتبہ پھر جنگ شروع ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ جنگ نے شدت اختیار کرنا شروع کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جانثار ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش فرما رہے تھے اور ان پر چاروں جانب سے تیر برسائے جا رہے تھے۔ اس دوران بے شمار کوفی بھی قتل ہوئے مگر ان کی تعداد میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۲۱)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانثار ایک ایک کر کے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوتے رہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ابوبکر بن علی رضی اللہ عنہما نے اولادِ عقیل کی شہادت کے بعد اپنے بھائی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انہیں بھی میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سب ایک ایک کر کے مجھے چھوڑتے جا رہے ہو؟

آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بھائی! ہمارے پاس اپنی جان ہی تو ہے جو ہم آپ رضی اللہ عنہ پر قربان کرنا چاہتے ہیں۔ پھر جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی تو آپ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں اترے اور بہادری کے ایسے انمٹ نقوش رقم کئے جو کتب تاریخ کا حصہ ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے بے شمار کوفیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پھر قدامہ موصلی نے نیزے کا وار کیا جبکہ ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن عقبہ عنقری نے تیر مارا اور آپ رضی اللہ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(شامِ کربلا صفحہ ۱۵۳، روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۲۲ تا ۴۲۵)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ، جانثارانِ حسین رضی اللہ عنہ، اپنے بھائیوں، بھتیجوں اور

بھانجوں کی شہادت کے بعد حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اب مجھے باقاعدہ جنگ میں حصہ لینے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم علمدارِ لشکر ہو میں تمہیں کیسے اجازت دے سکتا ہوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جب تمام جانثار اپنی جانیں نچھاور کر چکے تو میں بھی اپنی جان اپنے بھائی پر نچھاور کرنے کے لئے بے قرار ہوں۔

(روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۳۳، شام کربلا صفحہ ۱۶۱)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ سے فرمایا بچے اور عورتیں پیاسے ہیں تم ان کے لئے پانی لاؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مشک پکڑی اور دریائے فرات سے پانی لینے کے لئے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے تم خیموں میں جاؤ اور سب سے مل لو کہ پھر شاید ملاقات کا وقت نہ ملے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں پانی لے کر واپس لوٹتا ہوں۔ (شام کربلا صفحہ ۱۶۱)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ جب رخصت ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ آسمان کی جانب بلند کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

"اے اللہ! مجھے ہمت عطا فرمانا میں بچوں اور عورتوں کے لئے
پانی لینے جاتا ہوں تو میری کاوش کو قبول فرمانا۔"

(الحیات الخفی جلد دوم صفحہ ۳۱۲)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ مشک گھوڑے پر رکھے اور تلوار نیام سے نکالے گھوڑے پر سوار دریائے فرات کی جانب روانہ ہوئے۔ شامی لشکر نے آپ رضی اللہ عنہ کو روکنے کی کوشش کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم مسلمان ہو یا پھر کافر ہو؟ وہ بولے ہم مسلمان ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر کیا دین اسلام کی تعلیمات یہی ہیں کہ جس دریا

کے پانی سے چرند۔ پرند سب سیراب ہوں مگر آلِ رسول اللہ ﷺ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے لعل پیاسے رہیں اور تم انہیں پانی سے محروم رکھو۔ تم پانی روکنے سے قبل حشر کے دن کی پیاس کو یاد کرلو اور اس وقت تمہیں ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ (روضۃ الشہداء، جلد دوم صفحہ ۴۳۶ تا ۴۳۷)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کی بات نے ان کوفیوں پر کچھ اثر نہ کیا اور ان کے پانچ سواروں نے تیروں کی بارش کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ڈھال سے ان تیروں کو روکا اور پھر ان پر جوابی حملہ کر دیا اور ایک ہی حملے میں اسی کوفیوں کو جہنم واصل کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی بہادری دیکھ کر باقی حملہ آور پیچھے ہٹ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور دریائے فرات کے کنارے پر پہنچے۔

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کوفیوں کا قتال کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کو دریائے فرات کی جانب بڑھاتے رہے یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو پانی میں اتار دیا اور گھوڑے سے کہا پانی پی لے۔ گھوڑے نے پانی میں منہ ڈالا اور ابھی پانی پیا بھی نہ تھا کہ شامی لشکر نے ایک مرتبہ پھر حملہ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کو پانی سے باہر نکالا اور کوفیوں کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔

روایات میں آتا ہے کہ کوفیوں کا دس ہزار کا لشکر حصولِ پانی میں حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے لئے رکاوٹ تھا اور آپ رضی اللہ عنہ حیدرِ کرار کے فرزند بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاتے انہیں خود سے دور کر دیتے اور ان میں سے بیشتر کو آپ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ بھی اتار دیا۔

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ سات محرم الحرام جس دن لشکرِ حسینی رضی اللہ عنہ پر پانی بند کیا گیا تھا اس دن سے پیاسے تھے اور جب آپ رضی اللہ عنہ دریائے فرات میں اپنے گھوڑے

کو لے کر اترے تو آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تو اپنے حلق میں پانی اتار سکتے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ کے پیش نظر وہ معصوم بچے اور عورتیں تھے اور خود حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تھے جو تین دن سے پیاسے تھے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں خود تو پانی پیوں جبکہ جانثارانِ حسین رضی اللہ عنہ پیاسے ہوں اور اسی سوچ نے آپ رضی اللہ عنہ کو پانی نہ پینے دیا۔

(شام کربلا صفحہ ۱۶۳، روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۳۸ تا ۴۳۹)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ بہادری اور شجاعت کی داستانیں رقم کر رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ پر چاروں جانب سے حملے ہو رہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ شدید زخمی بھی ہو چکے تھے مگر آپ رضی اللہ عنہ کا حوصلہ پست نہ ہوا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تن تنہا اس موقع پر ساڑھے چار سو کوفیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ (انوارِ شہادت صفحہ ۵۶)

حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ جب گھوڑے سے نیچے گرے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو پکارا اور کہا۔

"مولا! میری خبر گیری کیجئے۔"

پھر حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو پکارا۔

"اے ابوعبداللہ (رضی اللہ عنہ)! میری جانب سے آپ رضی اللہ عنہ کو آخری سلام ہو۔" (الحیات الخفی جلد دوم صفحہ ۳۱۴، اسرارِ شہادت صفحہ ۳۴۷)

منقول ہے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور ایسی سرد آہ کھینچی کہ میدانِ کربلا کانپ اٹھا۔ (روضہ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۴۰)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی حضرت عباس علمدار رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو آپ رضی اللہ عنہ اس وقت جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا عباس (رضی اللہ عنہ) کی شہادت نے میری کمر توڑ دی۔

(شام کربلا صفحہ ۱۶۵، روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۴۱)

میدانِ کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت سیدنا علی بن الحسین (امام زین العابدین) رضی اللہ عنہما تھے جو مردوں میں زندہ باقی بچے تھے جبکہ دیگر جاںنثارانِ حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے جوان سب ہی آپ رضی اللہ عنہ کی نگاہوں کے سامنے جامِ شہادت نوش فرما چکے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہما کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ بیماری اور کمزوری کے باوجود نیزہ پکڑے میدانِ جنگ میں جانے کو تیار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں گلے سے لگالیا اور پیار کرتے ہوئے منع فرمایا اور نصیحت کی۔

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس نصیحت کے بعد اپنی دستار مبارک حضرت سیدنا علی بن الحسین رضی اللہ عنہما کے سر پر رکھی اور انہیں مقام صبر و تسلیم و رضا کے بستر پر لٹایا۔ اب آپ رضی اللہ عنہ اپنا سر مبارک راہِ حق میں دین اسلام کی سربلندی کے لئے قربان کرنے کو تیار تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ بیبیوں کے خیمہ میں تشریف لائے۔ بیبیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پریشان ہوگئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا۔

"تم پر میرا سلام ہو۔"

(شام کربلا صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۲، روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۶۱)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تین دن کے بھوکے اور پیاسے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ اپنی نگاہوں کے سامنے اپنے جاںنثاروں، اپنے بھائیوں، اپنے بھتیجوں، اپنے بھانجوں اور اپنے بیٹوں کو راہِ خدا میں جان کا نذرانہ دیتے ہوئے دیکھ چکے تھے مگر

پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ کے عزم و حوصلہ میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ اب بھی دین اسلام کی سربلندی کے لئے کوشاں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں پہنچے اور اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر اپنے حسب و نسب اور فضائل کی رجز جاری تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے کوفیوں کو ان کے انجام سے ڈرایا اور انہیں حضور نبی کریم ﷺ کی ناراضگی کے متعلق خبردار کیا۔

یزیدی لشکر نے جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا خطاب سنا تو ان میں سے بیشتر لوگ جو شامی تھے وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس جانے لگے اور کوفیوں کی بھی بڑی تعداد گریہ و زاری کرتی ہوئی میدانِ جنگ سے واپس لوٹ گئی۔ بختری بن ربیعہ، شیث بن ربعی اور شمر ذی الجوشن نے جب دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے خطاب نے ان کے ساتھیوں کے اذہان و قلوب پر اثر کیا ہے تو انہوں نے پینترا بدلا اور آپ رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"ہم آپ رضی اللہ عنہ کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ آپ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں فیصلہ کرے گا اور اگر آپ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن زیاد کی موجودگی میں یزید کی بیعت کر لی تو ہم آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیں گے۔" (روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۶۶ تا ۴۶۷)

عمرو بن سعد کی بات سن کر پندرہ ہزار یزیدی سپاہیوں نے آپ رضی اللہ عنہ پر تیروں کی بارش شروع کر دی مگر قدرتِ خداوندی دیکھئے کہ کوئی بھی تیر آپ رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچا اور نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو کوئی تیر لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے خیموں میں واپس لوٹے اور بیبیوں کو تسلی دی اور پھر سے میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔

(روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۶۷)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شجاعت کے سامنے یزیدی لشکر

کے سورما اور بہادر ڈھیر ہوتے جا رہے تھے۔ اس اثناء یہ شور بلند ہوا کہ اگر ہم یونہی ان کا مقابلہ کرتے رہے تو یہ ہم سب کو مار دیں گے اور ہمیں چاروں جانب سے ان پر حملہ کر دینا چاہئے۔ اس شور کے بعد ہزاروں لوگوں نے چاروں جانب سے آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار انتہائی تیزی سے چاروں جانب چل رہی تھی اور اس دوران کئی یزیدی سپاہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ (شام کربلا صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۸)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی اور جو بھی آپ رضی اللہ عنہ کے قتل کے ارادے سے جاتا وہ اپنے ارادے میں ناکام لوٹتا یا پھر مارا جاتا۔ (تاریخ طبری جلد چہارم حصہ اول صفحہ ۲۲۶ تا ۲۲۷)

جنگ کے دوران حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہو چکے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بے تحاشا خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس کر رہے تھے مگر اس وقت بھی آپ رضی اللہ عنہ کا جلال اور چہرے کی ہیبت نے ہر ایک پر خوف طاری کر رکھا تھا۔ جو بھی آپ رضی اللہ عنہ کی جانب بڑھتا آپ رضی اللہ عنہ اس کی جانب ایک نگاہ کرتے اور وہ اپنے حواس کھو بیٹھتا اور وہاں سے فرار ہو جاتا۔ شمر ذی الجوشن نے جب یہ صورتحال دیکھی تو سنان بن انس کو دھکا دیا اور آگے بڑھ کر آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر بیٹھ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا تو کون ہے؟ وہ بدبخت بولا میں شمر ذی الجوشن ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ذرا اپنا چہرہ تو دکھا۔ شمر ذی الجوشن نے زرہ اتاری اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے خنزیر کی مانند دانتوں کو ملاحظہ کیا جو اس کے ہونٹوں سے باہر آ رہے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ذرا اپنا سینہ تو دکھا۔ شمر ذی الجوشن نے اپنا سینہ کھولا تو اس پر کوڑھ کا نشان تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے نانا رسول اللہ ﷺ نے صحیح فرمایا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اے بدبخت! میں نے اپنے نانا حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ ﷺ نے فرمایا تم نمازِ ظہر میرے ساتھ ادا کرو گے اور تمہیں جو شخص قتل کرے گا اس میں فلاں فلاں نشانی موجود ہوگی اور بلاشبہ میں نے تجھ میں وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں اور تو ہی میرا قاتل ہے۔"

شمر ذی الجوشن نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ قبلہ رو ہوئے اور نماز کی نیت باندھ لی۔ جس وقت آپ رضی اللہ عنہ سر بسجود ہوئے شمر ذی الجوشن نے آپ رضی اللہ عنہ کو خنجر کے وار کر کے شہید کر دیا اور وہ بدبخت جانتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو ویسے شہید کرنا ممکن نہیں اسی لئے اس بدبخت نے آپ رضی اللہ عنہ پر دورانِ نماز وار کئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت نے تاریخ اسلام پر انمٹ نقوش مرتب کئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دین اسلام کئی گروہوں میں تقسیم ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (روضۃ الشہداء جلد دوم صفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۶)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر پر تیروں اور نیزوں کے ۳۳ اور تلواروں کے ۴۰ زخم آئے تھے اور روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر تیروں کے ایک سو اکیس سوراخ تھے جبکہ ایک روایت کے مطابق جسم اطہر پر ۷۲ زخم آئے تھے۔ (شام کربلا صفحہ ۱۹۱، شانِ کربلا صفحہ ۲۱۷)

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ازواج کی تعداد پانچ ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کی ان ازواج سے چھ بچے تولد ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ازواج کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت بی بی شہربانو رضی اللہ عنہا

۲۔ حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت رباب رضی اللہ عنہا

۴۔ حضرت ام اسحٰق رضی اللہ عنہا

۵۔ حضرت ام جعفر رضی اللہ عنہا

حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۱۔ ابو محمد حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت سیدنا علی اکبر رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت سیدنا علی اصغر رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ

۵۔ حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ عنہا

۶۔ حضرت سیدہ فاطمہ صغریٰ رضی اللہ عنہا

حضرت سیدنا محسن رضی اللہ عنہ

یہ بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی بیٹی کا اسم گرامی "زینب" اور سب سے چھوٹی صاحبزادی کا اسم گرامی "اُم کلثوم" ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے عمر میں تین سال

بڑی تھیں اور وہ بڑی دانا اور قائدانہ صلاحیتوں کی حامل تھیں۔

واقعہ کربلا کے موقع پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کردار بڑا ہی قائدانہ تھا۔ ان کے مدبرانہ فیصلے اور بصیرت افروز خطبے ان کی اعلیٰ سوچ کا مظہر ہیں۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ان کے چچا زاد حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ بن ابوطالب بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ آپ کے بطن سے پانچ اولادیں ہوئیں۔ چار فرزند علی بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، عباس بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور ایک صاحبزادی اُم کلثوم بنت عبداللہ رضی اللہ عنہما تولد ہوئیں۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چوالیس (۴۴) برس کے قریب تھی کہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تخت نشین ہوا اور اس کا اصرار اور دباؤ تھا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس کو خلیفہ وقت تسلیم کرلیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں مگر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کو غاصب، فاسق اور فاجر مانتے تھے اور کسی صورت بھی اس کی بیعت کے لیے امادہ نہ تھے اسی دوران اہل کوفہ اور اہل بصرہ جو اپنے آپ کو آپ رضی اللہ عنہ کا ہمدرد کہتے تھے مگر وہ لوگ دھوکے باز اور اپنے قول واقرار کے پکے نہ تھے اور ان کی انہی خامیوں کی طرف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے عزیز بھائی کو تاکید فرمائی تھی کہ اہل کوفہ سے دور رہنا ان کے قریب نہ جانا ان کے فریب میں نہ آنا وہ لوگ تمہیں اپنی محبت، قربت اور وفاداری کا یقین دلائیں گے مگر ان سے وفا کی امید نہیں وہ عین وقت پر دھوکہ دینے میں کما حقہ مشہور ہیں۔

پھر وہی ہوا جس طرف حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا تھا۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت لینے کے لیے دباؤ ڈالنے کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کردیئے جبکہ دوسری طرف اہل کوفہ اور اہل بصرہ

نے بھی بڑی تواتر سے خطوط کے ذریعے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یقین دلانا شروع کر دیا کہ ہم آپ رضی اللہ عنہ کے وفادار ہیں آپ رضی اللہ عنہ کو ہم خلافت کا حقیقی مستحق سمجھتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کے لیے بے چین اور ہمہ وقت تیار ہیں، آپ رضی اللہ عنہ جلد از جلد تشریف لے آئیں۔

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے ملنے والے خطوط کی تعداد بڑھتی گئی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی جانب روانگی کے بارے میں اپنی چہیتی ہمشیرہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بتایا تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"اے میری تمناؤں کے مرکز بھائی! اے حسین رضی اللہ عنہ! مجھے حرمت، تکریم والے مہینوں میں سفر کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ان احترام والے مہینوں کے اختتام تک یہیں قیام کریں اور سفر کا ارادہ ترک کر دیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جاں نثار بہن سے فرمایا:

"اے میرے ارادوں کی پاسبان بہن! یہ معاملہ اللہ کی بارگاہ میں ہمارے لئے طے ہو چکا ہے۔ جس کے لیے ہمیں سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، اللہ سے حقیقی عشق کا تقاضا بھی یہی ہے اور پھر اللہ کے فیصلوں میں انسانی عظمت کا راز پنہاں ہوتا ہے اور جو اللہ کی مصلحت کو پالیتا ہے وہ خوش قسمت ہوتا ہے اور یہ خوشی "دائمی حیات" میں فضیلت کا درجہ رکھتی ہے اور تمام امور خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور ان امور سے انکار کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔"

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر سیدنا عبداللہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ چشم آشوب کی بیماری میں مبتلا تھے اور انہیں بھی کوفیوں کی بے وفائیوں کا علم تھا اور انہیں یقین تھا کہ "کوفی" حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے دھوکہ ضرور کریں گے اسی خطرے کو محسوس کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ایک تحریر فرمائی اور اپنے دو صاحبزادوں سیدنا محمد اور سیدنا عون کے ہاتھ روانہ کیا جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا:

"اللہ کی حمد، ثنا کے بعد! میں نے سنا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے کوفہ کی جانب سفر کا عزم فرمایا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ خدا کے لیے میرا یہ خط دیکھتے ہی کوفہ کی جانب سفر کا ارادہ ترک کر دیں اور مجھے ڈر ہے کہ اس خطرناک سفر میں آپ رضی اللہ عنہ کے دشمن آپ رضی اللہ عنہ کی جان کے "درپے" ہوں گے اور ممکن ہے وہ آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے اہل بیت، اہل خانہ کو اذیت دیں اور تکذیب کریں۔ اگر آپ قتل ہو گئے تو لوگ "نورالٰہی" سے بہرہ مند ہونے سے محروم ہو جائیں گے، آپ ہی لوگوں کو "راہ حقیقت" دکھانے والے ہیں، برائے مہربانی عراق جانے کا ارادہ موقف کر دیں میں آپ رضی اللہ عنہ کے لیے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے اماں حاصل کرلوں گا اور آپ رضی اللہ عنہ کی جان، مال، اولاد اور خاندان کو بنو امیہ کے شر سے نجات دلاؤں گا۔"

لیکن شاید دیر ہو چکی تھی آپ رضی اللہ عنہ مکہ سے نکل چکے تھے کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے دونوں سے دورانِ سفر ملاقات ہوئی، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا اور ان بچوں

(محمد، عون بن عبداللہ) کو بھی ہمراہ لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ پھر چلتے چلتے یہ قافلہ "کربلا" میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ پھر حق، باطل کا خونی معرکہ ہوا۔

تمام اہل بیت اور جاں نثاران حسین رضی اللہ عنہم اپنی اپنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر کے شہادت کے رتبہ پر فائز ہو چکے تھے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے قبل بھی یزید لشکری کو بدی سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن اُن کی عقل پر پتھر پڑ چکے تھے۔ انہوں نے مل کر حضرت امام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور آخر کار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُن کے آل و عیال کے باقی لوگوں کو گرفتار کر لیا جن میں عورتیں اور بچے شامل تھیں۔ جب اسیرانِ کربلا کو یزید کے دربار میں لایا گیا تو ان میں حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق پیکر صبر و وفا تھیں اور آپ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے یزید کے دربار میں ذیل کا خطبہ ارشاد فرمایا۔

"تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود و سلام حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر اور ان کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم پر۔ فرمانِ خداوندی ہے ان لوگوں کا انجام برا ہے جو برے کام کرتے ہیں اور اس کے احکام جھٹلاتے اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

اے یزید! تو نے ہم پر زمین تنگ کی اور ہمیں قید کیا اور تو سمجھتا ہے کہ ہم ذلیل ہوئے اور تو برتر ہے تو یہ سب تیری اس سلطنت کی وجہ سے ہے اور تو نے شاید اللہ عزوجل کا فرمان نہیں سنا کہ کفار یہ

گمان نہ کریں ہم نے ان کے ساتھ جو نرم رویہ رکھا ہے وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ تو مہلت ہے تاکہ وہ دل کھول کر گناہ کریں پھر ان کے لئے ایک دردناک عذاب ہے۔

اے یزید! تو نے آلِ رسول ﷺ اور بنی عبدالمطلب کا ناحق خون بہایا اور عنقریب تو بھی ایک دردناک انجام سے دوچار ہوگا۔ میں اللہ عزوجل سے قوی امید رکھتی ہوں کہ وہ ہمارا حق ہمیں دے گا اور ہم پر ظلم کرنے والوں سے بدلہ لے گا اور ان پر اپنا قہر نازل فرمائے گا۔

اے یزید! تو عنقریب اپنے گناہوں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اور جو اللہ عزوجل کی راہ میں شہید ہوئے ان کے بارے میں اللہ عزوجل ہی کا فرمان ہے کہ وہ زندہ ہیں، انہیں رزق ملتا ہے اور جن لوگوں نے تیرے لئے تیرا راستہ آسان کیا وہ بھی عنقریب تیرے ساتھ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔

اے یزید! اگر تو ہماری ظاہری کمزوری کو خود کے لئے غنیمت سمجھتا ہے تو کل بروزِ قیامت تو اپنا کیا ہوا پائے گا، اللہ عزوجل اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ہم اس سے کوئی شکوہ کرتے ہیں بلکہ ہم ہر حال میں صابر اور اس پر بھروسہ کرنے والے ہیں۔ تو اپنے مکروفریب سے جو چاہے کر لے مگر تو ہرگز ہمارے ذکر کو مٹا نہیں سکے گا اور نہ ہی ہمارے مقام کی بلندی کو چھو سکے گا۔ تیری یہ

سلطنت عارضی ہے اور عنقریب منادی کرنے والا منادی کرے گا
اور لعنت ہو ایسی قوم پر جس نے یہ ظلم وستم کیا۔
تمام حمد وثناء اللہ عزوجل کی ہے جس نے ہمارے پہلوں کا ایمان
کے ساتھ اور شہادت کے ساتھ خاتمہ فرمایا اور وہ نہایت مہربان
اور رحم والا ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے کیونکہ وہ بہترین
کارساز ہے۔" (الحیات الخفی جلد دوم صفحہ ۳۶۰)

بشیر بن خزیم اسدی کا بیان ہے کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا ایسا لگتا تھا کہ جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبان امامت گویا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اس خطبہ کے ذریعے اپنی خاندانی عظمتوں کا اظہار اور اپنے مقدس مشن کے پاکیزہ موقف کی وضاحت کی۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے مقدس بیان کی روشنی میں دنیائے انسانیت کو حقائق کے اظہار کا طریقہ، فطری حقوق کے تحفظ کا سلیقہ اور حقیقت، عقیدت کے امتزاج کا قرینہ عطا کیا۔

بہرحال تاریخی واقعات اور بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سکون کا ایک بھی سانس نہیں لیا اور واقعہ کربلا کے سترہ ماہ بعد ہی پندرہ رجب المرجب ۶۲ ہجری کو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔

حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا

روایات میں حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت پیدائش چار (۴) ہجری میں بیان ہوئی ہے۔

روایات میں بیان آتا ہے کہ حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ابھی کم عمر ہی تھیں کہ

ان کے لیے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پیغام آیا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابھی سیدہ اُم کلثوم کی عمر کم ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت کا دور تھا اور عمر (۵۵) پچپن برس کے قریب تھی اس کے کچھ عرصے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پیغام بھیجا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیجا کہ مجھے اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی طرف "بشری" ضرورت نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نے مجھے اس طرف مائل کیا ہے کہ......

"قیامت کے دن میرے علاوہ سب کے حسب نسب قطع کر دیئے جائیں گے۔"

لہٰذا میں تو صرف اس نکاح کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے ایک نسبت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نکاح کے لیے آمادہ ہو گئے۔

ہمارے بہت سے مفسرین نے اس معاملے کو بہت زیادہ متنازعہ بیان کیا ہے۔ کچھ لوگ تو اس بات سے ہی منکر ہیں کہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ کچھ لوگوں نے تو اسے ایک افسانوی قصہ کا رنگ دیا ہے جبکہ کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو قابل مذمت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی تاریخی کتابوں میں آتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے زبردستی نکاح کیا۔ (واللہ اعلم)

بعض مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دو اولادیں ہوئیں۔ بیٹی رقیہ اور بیٹا زید اکبر ہوئے مگر حقیقت اس کے برعکس ہے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔

تاریخی روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی ان کے چچا زاد حضرت محمد بن جعفر رضی اللہ عنہما بن ابو طالب سے ہوگئی مگر ان سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات انؓ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو ماہ بارہ دن بعد ہوئی۔ا

حضرت اُم کلثوم بنت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کا مزار ایک ہی عمارت ملک شام میں واقع ہے۔حضرت سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اکیاون (۵۱) برس تھی۔

کتابیات

۱۔ قرآنِ مجید

۲۔ مشکوٰۃ شریف

۳۔ بخاری شریف

۴۔ مسلم شریف

۵۔ ترمذی شریف

۶۔ سنن ابن ماجہ

۷۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن المجید والسبع المثانی از شہاب الدین آلوسی

۸۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ از ابن تیمیہ

۹۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ از احمد بن علی ابن حجر العسقلانی

۱۰۔ تہذیب التہذیب از احمد بن علی ابن حجر العسقلانی

۱۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری احمد بن علی ابن حجر العسقلانی

۱۲۔ البطقات الکبریٰ از محمد ابن سعد

۱۳۔ البدایہ والنہایہ فی التاریخ از اسماعیل بن محمد ابن کثیر

۱۴۔ مدارج النبوۃ از عبدالحق محدث دہلوی

۱۵۔ سیرت رسول عربی ﷺ از مولانا نور بخش توکلی
۱۶۔ سیرت النبی ﷺ از شبلی نعمانی
۱۷۔ سیرت رسول عربی ﷺ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۸۔ سیرت المصطفیٰ ﷺ از علامہ عبد المصطفیٰ از ہری
۱۹۔ قصص القرآن از حفظ الرحمن سیوھاروی
۲۰۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح از علی بن سلطان محمد ملا علی قاری
۲۱۔ الخصائص الکبریٰ از جلال الدین عبد الرحمن سیوطی
۲۲۔ الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویہ لابن ہشام از ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی
۲۳۔ شرح مواہب از محمد بن عبد الباقی زرقانی
۲۴۔ السنن الکبریٰ از ابو بکر احمد بن الحسین بیہقی
۲۵۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر از محمد بن محمد شافعی ابن سید الناس
۲۶۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد از علی بن ابی بکر ہیثمی
۲۷۔ شرکائے بدر از مولانا محمد ابو سفیان
۲۸۔ الرحیق المختوم از مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
۲۹۔ معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ از مولانا غلام حسن قادری
۳۰۔ خاندانِ نبوی ﷺ کے چشم و چراغ از ابراھیم محمد حسن اجمل
۳۱۔ خاندانِ مصطفیٰ ﷺ از سید محمد سعید الحسن شاہ
۳۲۔ کتاب الانساب
۳۳۔ مسالک الحنفاء فی والدین المصطفیٰ از علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ